تاریخ ابنِ کثیر

البدایہ والنہایہ

حصہ
سوم ۔ چہارم
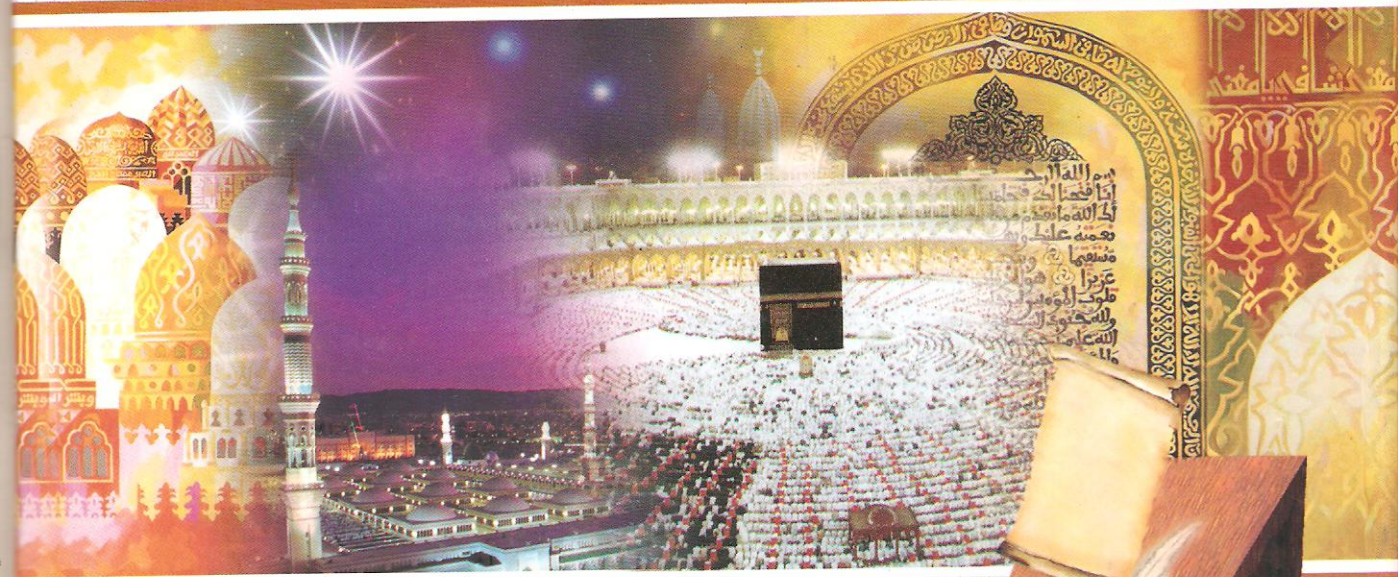
علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرۂ آفاق عربی کتاب

البدایۃ والنہایۃ

کا اردو ترجمہ

جلد سوم

رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کے آغاز سے لے کر سال ہشتم ہجری تک کے حالات و واقعات

تصنیف ❁ آٹھویں صدی ہجری کے نامور مورخ، فقیہ، محدث اور مفسرِ قرآن

علامہ حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

البِدَایة والنَهایة

نام کتاب	....	تاریخ ابنِ کثیر (جلد سوم)
مصنف	....	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈمی۔ کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۳۳۶
ٹیلیفون	....	۰۲۱۔۷۷۲۲۰۸۰

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

مسلمانوں نے علم وادب اور تاریخ وسیر کے سلسلے میں جو اہم کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا اندازہ ان ہزاروں اور لاکھوں خطی کتابوں سے ہوتا ہے جو دنیا کے مختلف کتابوں خانوں میں نوادر کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ان کتابوں کی تدوین اور تالیف کا آغاز دوسری صدی لے کر چوتھی صدی تک ہوتا ہے۔اس کے بعد بھی کتابوں کی تالیف وتحریر کا کام جاری رہا اور ایسی کتابوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو پانچویں صدی میں اور اس کے بعد لکھی جاتی رہی ہیں ان کتابوں میں سے بہت سی کتابوں کے متن اور تراجم شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں' ان کے لکھنے والوں کے علم وفن' غور وفکر اور بصیرت ودانش پر یورپ کا رنگ ہے اور اس بات پر رشک کرتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی بے مائیگی اور وسائل کے کمی کے باوجود تاریخ وسیر کا میدان سر کرلیا ہے اور اس سے بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے تاریخ جیسے اہم علمی اور تحقیقی شعبے کو مستقل بنیادوں پر اپنایا اور اپنے فکری اجتہاد سے یورپ کے رہنے والوں کو ایک نئی روشنی دی وہیں علم الرجال کو بھی اپنایا اور ایسی بنیادوں پر اس کی تشکیل کی کہ ہر واقعہ خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی ہو' اہم ہو یا غیر اہم' سچ اور صداقت کی کسوٹی اور معیار پر پورا اترے بغیر بار نہیں پا سکتا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی تاریخ سے وہ داستانیں اور کہانیاں سرے سے نکل گئیں جن پر عیسائیوں اور ہندوؤں نے اپنے عقیدوں کی اساس رکھی ہے۔اس کے برعکس مسلمانوں کی تاریخ روشن اور آئینہ کی مانند واضح اور غیر مبہم دکھائی دیتی ہے اس سلسلے کی ابتدا تدوین حدیث سے ہوتی ہے۔سیرت اور سوانح کی طرف یہ مسلمانوں کی پہلی اور کامیاب کوشش تھی۔انہوں نے راویوں کے حالات اور واقعات کی پوری طرح چھان بین کی' ان کے کردار اور حالات کا تجزیہ کیا' ان کی سیرت کا جائزہ لیا۔اور پھر کہیں ان کی کسی روایت یا کسی بات کو قبول کیا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کی روایت یا بات کی تصدیق دوسرے راویوں کے بیانات سے ہوتی ہے یا نہیں' اس صورت حال نے تاریخ کو ایک کٹھن اور مشکل کام ضرور بنا دیا لیکن اس سے واقعات اور حالات کی تصویریں حقیقی طور پر ابھرنے لگیں' ان میں تصوریت اور افسانہ طرازی کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

مسلمانوں کی تاریخ کی ابتداء سیرت نگاری سے ہوئی' انہوں نے اپنے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کے حالات مبارکہ کے سلسلے میں انتہائی تحقیق اور محنت سے کام لیا۔ایک ایک روایت اور ایک ایک واقعہ کی سو سو طریقے سے تصدیق کی' کئی راویوں کے بیانات کو سامنے رکھا' پھر ان کے کردار' اخلاق اور آداب پر نظر رکھی اور اس کے بعد فیصلہ کیا کہ ان کے بیانات کس حد تک درست اور صحیح

ہو سکتے ہیں، چنانچہ محمد اسحاق کی سیرت النبیؐ، اس سلسلہ کی پہلی کتاب ہے۔ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ یہ کتاب انتہائی جامع اور مستند ہے۔ اس کتاب کا زمانہ حال تک سراغ نہیں مل سکا تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ لکھی گئی ہے۔ بعد میں یعنی آج سے چند سال پہلے، ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کو دریافت کر کے دنیائے اسلام سے روشناس کرایا۔ اس تاریخ کو سامنے رکھ کر ہشام نے رسول گرامی کی سیرت پر کتاب لکھی تھی۔ جو سیرت ہشام کے نام سے عام طور پر مشہور ہے اس کے بعد سے آج تک ہر دور اور ہر زمانے میں سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں لکھی گئیں جن کا موضوع سیرت رسول اللہ ﷺ تھا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں نے سیرت نگاری کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی پر بھی بھرپور توجہ دی، تاریخ نویسی کے اسلوب اور انداز مختلف رہے، کہیں اس نے سفرناموں کی شکل اختیار کی کہیں خودنوشتوں کا انداز اختیار کیا، لیکن مختلف شہروں کے حالات تک محدود رہی، اس طرح اس کا دائرہ اثر ونفوذ بڑھ گیا اور علم وفنون کے کئی شعبوں میں اس کے شدید اثرات نظر آنے لگے۔ اس سلسلہ البلاذری کو سبقت حاصل ہے۔ اس نے فتوح البلدان کے عنوان سے دو جلدوں میں اپنی ضخیم تالیف لکھی۔ اس کتاب میں ان شہروں کا حال اور واقعات درج ہیں جن کو مسلمانوں نے فتح کیا اور اپنی خلافت میں جگہ دی۔ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سندھ اور ہند تک پھیل گیا تھا، چنانچہ جہاں اس میں متعدد ایشیائی شہروں کے حالات ملتے ہیں وہیں مسلمانوں کی فتوحات کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے نصف کرہ پر ان کی حکمرانی تھی یا ان کے زیرنگیں تھے۔ تاریخ کے سلسلہ میں المدائنی اور ابن سعد کا کام ذرا مختلف ہے۔ بظاہر وہ تذکرہ نویس نظر آتے ہیں لیکن ان کے بیانات میں بیشتر واقعات ایسے موجود ہیں جن کو تاریخ سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی تصانیف علم الرجال کی بہترین نمائندگی کرتی ہیں۔

اس کے نصف صدی بعد، محمد بن جریر الطبری کی تاریخ سامنے آئی۔ انہوں نے اپنے دور تک کے مسلمانوں کی جامع اور مکمل تاریخ لکھی ہے، یہ واقعہ ہے کہ ان سے پہلے اتنی جامع اور اس کے نصف صدی بعد، ابن جریر الطبری کی تاریخ لکھی ہے، یہ واقعہ ہے کہ ان سے پہلے اتنی جامع اور مکمل تاریخ کسی نے نہیں لکھی تھی۔ اس تاریخ میں مسلم دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور حکومتوں کے تغیرات کی تفصیل ہی نہیں ملتی ہے بلکہ پتہ چلتا ہے کہ طبری نے بڑی محکم اور مضبوط روایتوں سے معلومات کے علاوہ معتبر اخباروں اور محقق اسناد پر اپنی تاریخ کی بنیاد رکھی تھی۔

اگر آپ تیسری صدی اور چھٹی صدی کے درمیان مکمل لکھی جانے والی کتابوں کی فہرست شماری کریں گے تو یہ فہرست لاکھوں کتابوں تک پہنچ جائے گی اور اس میں بلاشبہ ہزاروں کتابیں، تاریخ، سوانح، رجال جغرافیہ اور مسلمانوں کی سیاسی کشمکش سے متعلق ہوں۔ ان میں بعض میں جانب دارانہ انداز ملے گا، بعض قطعی جانبدار ہوں گی، بعض پر مذہبی عقائد کا غلبہ ہوگا۔ بعض اپنی پسند اور توجہ کا نمونہ ہوں گی۔ اس سے قطع نظر اس دور ہی نے اور ان کتابوں ہی نے مسلمانوں کی تہذیبی، سیاسی معاشرتی اور مغربی زندگی کو یورپ کے دانش کدوں کے سامنے مثالی طور پر پیش کیا اور اس دعوے کی نفی کر دی کہ یورپ کے دانش ور مسلمانوں سے بہت آگے ہیں۔

اسی زمانے میں جب کہ مسلمانوں کا دورِ ترقی اور دورِ حکمرانی ارتقا کی شاندار منزلوں کو طے کر رہا تھا۔ مسلمان علم وفنون کے بے انتہا بلند مقام پر فائز تھے اور تعمیر وتہذیب ایک تشکیلی دور سے گزر رہی تھی مشہور تاریخ نویس الحافظ ابن کثیر نے جنم لیا۔ اس کا اصل نام اسماعیل کنیت ابوالفداء اور عرفیت ابن کثیر تھی اس کے آباؤ اجداد منصب خطابت پر مامور تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس نے اپنے اہل خاندان کی سرپرستی میں دمشق میں پرورش پائی اور وہاں کے نامور اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم پائی اور مختلف حیثیتوں سے اپنی شخصیت کو نکھارا' وہ بیک وقت مفسر بھی تھا' محدث بھی تھا' فقیہ اور عالم بھی' ان کے علاوہ اس کی استادانہ حیثیت بھی مسلم تھی اس کے حلقہ درس اور تدریس میں سینکڑوں افراد شریک ہوتے اور اس سے مختلف علوم سیکھتے تھے۔ اس کی تفسیر بہت شہرت رکھتی ہے۔ لیکن اس کو مغرب کے ملکوں میں جس چیز نے بلند مقام عطا کیا۔ وہ اس کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ جس کی دو جلدیں آپ کے پیش نظر ہیں۔ اکثر تاریخوں میں اس کے حوالے اور مندرجات نظر سے گزرتے رہتے ہیں یہ عربی میں تو چھپ چکی تھی لیکن کسی نے بھی اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس کو اردو میں منتقل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس کو کون چھاپے گا تو اس سلسلے میں' میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے مجھے اس بات کا خیال آیا کہ اس تاریخ کو اردو قارئین کے ہاتھوں تک ضرور پہنچنا چاہیے چنانچہ میں نے کئی لوگوں کی مدد اور مشورے سے اس کو دو تین آدمیوں سے ترجمہ کروایا اور پھر اسے شائع بھی کرایا۔ پہلی' دوسری' تیسری اور چوتھی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ باقی جلدیں بھی جلد ہی شائع ہو جائیں گی۔ یہ تاریخ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کی تالیف کے وقت ابن کثیر نے اپنے دور تک کی لکھی ہوئی تمام تاریخوں کا مطالعہ کیا۔ ان کے محاسن واقعات پر گہری نظر ڈالی' اور قدح سے کام لیا۔ اس کے علاوہ خود اپنی زندگی کے دور کے سیاسی اور سماجی حالات کے سلسلہ میں اس کی حیثیت ایک عینی شاہد کی تھی۔ اس لیے اس کے بیانات کی اہمیت مسلمہ ہے۔

مجھے اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ ہر شخص کو ہے کیونکہ اس کے بغیر ہماری اسلامی تہذیب وتمدن اور دورِ حکمرانی کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی ہے اور پتہ نہیں چلتا ہے کہ مسلمان شمال سے مغرب تک اور مشرق سے مغرب تک کس طرح پہنچے تھے اور انہوں نے کس طرح حکمرانی کی تھی۔

امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے اس امر سے خوش ہوں گے کہ میں نے اپنے ادارہ کی روایت کے مطابق اسلامی تاریخوں کو نہ صرف شائع کیا ہے بلکہ ان کی ضرورت پوری کی ہے۔

میری درخواست ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے آپ میرے والد مرحوم چوہدری اقبال سلیم گاہندری کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھیں کیونکہ انہوں نے بھی اپنے ادارے کی طرف سے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کی نادر اور اہم کتابیں شائع کی تھیں اور ان ہی کی کوششوں سے ملک میں اسلامی تاریخ پڑھنے کا ذوق پیدا ہوا ہے۔

چوہدری طارق اقبال سلیم گاہندری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول

آغاز نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی لیکن ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیب کے حوالے سے اسے ۴۳ سال بتایا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ہم سے یحییٰ بن بکیر اور لیث نے بیان کیا کہ ان کے روبرو عقیل نے ابن شہاب اور عروہ بن زبیر کی سلسلہ وار مستند روایات کے مطابق اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو قول نقل کیا وہ یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آغاز وحی کا سلسلہ جیسا کہ آپ نے مجھ سے بیان فرمایا رویائے صادقہ کی شکل میں ہوا' لیکن اس کی صورت یہ تھی جیسے بحالتِ خواب طلوع سحر کا منظر سامنے آ کر نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کے بعد آپ کی خلوت پسندی کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؐ غار حرا میں تنہا رہ کر شب و روز عبادت میں گزارنے لگے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور اپنے اہل وعیال کے پاس وہاں سے لوٹ کر کئی کئی دن تک تشریف نہیں لاتے تھے۔ اسی دوران میں ایک روز آپؐ پر ظہورِ حق ہوا یعنی حضرت جبریل (علیہ السلام) آپ کے روبرو آ کر بولے: ''پڑھیے'' آپؐ نے ان سے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' اس پر حضرت جبریل (علیہ السلام) نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور اس کے بعد چھوڑ کر بولے: ''پڑھیے'' آپؐ نے پھر فرمایا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' جب حضرت جبریلؑ نے آپ کو تیسری بار سینے سے لگا کر اور اچھی طرح بھینچ کر چھوڑا اور کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ .... مَالَمْ یَعْلَمْ ﴾ تک

''(اے محمدؐ!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا' جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا' پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اسے علم نہ تھا''۔ (القرآن: ۳۰: ۹۶۔ آیات ۱ تا ۵)

تو آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں لیکن اس حالت میں کہ از اوّل تا آخر آپؐ کے جسم اطہر پر لرزہ طاری رہا' آپ اسی حالت میں گھر واپس آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ' اور جب انہوں نے یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد نے آپ کو کمبل اوڑھلیا تو آپؐ کے جسم مبارک کی کپکپاہٹ دور ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے انہیں غار حرا میں پیش آنے والے واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:

''مجھے اپنے بارے میں خوف محسوس ہو رہا ہے''۔

اس کے جواب میں وہ بولیں:

''اللہ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی نقصان نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ لوگوں سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں' مہمانوں کو بلا کر انہیں کھانا کھلاتے ہیں' آپ متحمل مزاج ہیں' ناداروں کا پاس فراہم کرتے ہیں اور ہمیشہ حق گوئی وحق پرستی کا ثبوت دیتے ہیں''۔

ابھی حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) آپ سے یہ باتیں کر رہی تھیں کہ ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی تھے مگر نوشت وخواند سے بخوبی واقف تھے اور ان دنوں انجیل کو عبرانی سے عربی میں منتقل کر رہے تھے۔ وہ اتفاق سے اسی وقت وہاں آ پہنچے۔ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے بولیں:

''اے میرے ابن عم! ذرا سنیے' یہ کیا فرما رہے ہیں''۔

یہ سن کر ورقہ بن نوفل نے آپؐ سے پوچھا:

''اے میرے بھائی کے بیٹے! آپؐ نے (غار حرا میں) کیا دیکھا ہے؟''۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ واقعہ سنایا جو آپ کو غار حرا میں پیش آیا تھا تو وہ بولے:

''یہ اسی طرح کا خدا کا پاک کلام ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر اترا تھا''۔

پھر وہ روتے ہوئے بولے:

''لیکن جب آپؐ یہ بات جو آپؐ نے مجھے سنائی ہے اپنی قوم کو سنائیں گے تو انہیں اس کا اس طرح یقین نہیں آئے گا جیسے مجھے آ گیا بلکہ وہ (آپ کو ستائے گی اور) آپ کو یہاں سے نکال دے گی' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا''۔

ورقہ بن نوفل کی زبان سے آپؐ نے یہ باتیں سن کر متحیر ہو کر پوچھا:

''کیا واقعی میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی؟''۔

ورقہ بن نوفل نے جواب دیا:

''ہاں بالکل ایسا ہی ہوگا اس وقت آپ کو (چند لوگوں کے سوا) اپنی قوم میں مجھ جیسا کوئی شخص نہیں ملے گا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا تو دوسرے اہل نصاریٰ کو اپنے ساتھ ملا کر ضرور آپ کی مدد کرتا''۔

اتنا کہہ کر ورقہ بن نوفل وہاں سے چلے گئے اور کچھ دنوں بعد وفات پا گئے۔ اس لیے نزول وحی کے اگلے واقعات آپ کی زبانی نہ سن سکے حالانکہ اس کے بعد بھی نزول وحی کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا۔[1]

نزول وحی کے آغاز کے بعد' جیسا کہ ہم تک روایات پہنچی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دوسرے دن حضرت جبریل

---

[1] یہاں تک امام بخاری کی روایت ہے جو موصوف کی کتاب صحیح بخاری سے لے کر پیش کی گئی ہے۔ ممکن ہے اس میں الفاظ کی کچھ تقدیم وتاخیر ہو گئی ہو لیکن معنوی لحاظ سے اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا۔ (مصنف)

(علیہ السلام) آپؐ کے روبرو نہیں آئے آپؐ رنجیدہ رہے اور ایسا محسوس فرماتے رہے جیسے کوئی پہاڑ کی بلندیوں سے نیچے آ گیا ہو لیکن دوسرے روز حضرت جبریل (علیہ السلام) نے آپؐ کے سامنے ظاہر ہو کر عرض کیا:

''اے محمدؐ! رنج نہ کیجیے آپؐ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں اور وحی الٰہی کا یہ سلسلہ اب جاری رہے گا' اس لیے آپ پریشان نہ ہوں اور اطمینان سے رہیں''۔

اس کے بعد جبریلؑ جس طرح آپ کے پاس اگلے کچھ دن تک آئے اور آپ کو خدائے تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہے اس کی مکمل اور کافی طویل تفصیل صحیح بخاری کے باب تعبیر میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری کی روایت ابن شہاب سے سلسلہ بہ سلسلہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور جابر بن عبداللہ انصاری تک گئی ہے جس کے مطابق آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث یوں بیان کی ہے:

''آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں نے چلتے ہوئے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی اور پھر نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک فرشتہ کرسی پر بیٹھا آسمان سے زمین کی طرف آ رہا تھا۔ جب وہ کرسی زمین پر اتری اور وہ فرشتہ مجھ سے ہم کلام ہوا تو میرے منہ سے اضطراری طور پر پہلے وہی الفاظ نکلے جو گزشتہ روز خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے سامنے نکلے تھے یعنی ''مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ''۔ لیکن جب اس فرشتے کی زبانی خداوند تعالیٰ کا یہ پیغام میرے گوش زد ہوا کہ:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ .... فَاهْجُرْ ﴾ تک

''اے (محمدؐ!) جو کپڑا لپیٹے ہوئے ہو' اٹھو اور ہدایت کرو' اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو' اور ناپاکی سے دور رہو''۔ (القرآن: ۷۴:۲۹۔ آیات ۱ تا ۵)

تو میں خوش ہو کر پرسکون ہوتا چلا گیا''۔ [1]

آغاز نزول وحی کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا کچھ دوسری احادیث بھی صحیح بخاری کے باب تعبیر میں بیان کی ہیں جنہیں عبداللہ بن یوسف اور ابو صالح یعنی لیث کے حوالوں سے پیش کیا گیا ہے۔ انہیں احادیث کو ہلال بن داؤد نے زہری کے حوالے سے اور یونس و معمر نے اسی حوالے سے علی التواتر بیان کیا ہے۔ ہم نے امام بخاری کی بیان کردہ ان احادیث کو اور ان کے علاوہ محولا بالا جملہ احادیث کو صحیح بخاری کی جلد اوّل کی شرح میں ان کے متعلقہ مقام پر تفصیل سے لکھا ہے اور ان پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں جس کی توفیق کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام مسلمؒ نے بھی اپنے مجموعہ احادیث ''صحیح مسلم'' میں ان احادیث کو ان کے متعلقہ مقام پر لیث کے' اور یونس و معمر کی طرح زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے اور ہم نے شرح بخاری کی طرح ''صحیح مسلم'' کی ان احادیث پر بھی بتوفیق

---

[1] امام بخاری کی مستند حوالوں سے بیان کردہ اس حدیث کا اردو ترجمہ باستثنائی الفاظ قرآن راقم نے حتی الامکان لفظی کے بجائے بامحاورہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاہم اس میں معنوی و مفہومی لحاظ سے کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا گیا۔ (شادانی)

خداوندی حواشی کا اضافہ کیا ہے اور اس سے اس سلسلے میں توفیق مزید کے طالب ہیں اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے اس قول کی تصدیق کہ رسول اللہ ﷺ پر آغاز نزول وحی کا سلسلہ رویائے صادقہ سے شروع ہوا تھا اور وہ بھی اس طرح جیسے سحر کا منظر سامنے آ کر فوراً نگاہوں سے اوجھل ہو جائے' محمد بن اسحٰق بن یسار کی' عبید بن عمر اللیثی کے حوالے سے بیان کردہ روایات سے بھی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں محمد بن اسحٰق بن یسار نے عبید بن عمر اللیثی کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے وہ یہ ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے بحالتِ خواب جبریل (علیہ السلام) کو دیکھا جن کے ہاتھ میں ایک نورانی کتاب تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا: ''پڑھو'' میں نے کہا: ''مجھے پڑھنا نہیں آتا''۔ تو انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر اتنا دبایا کہ میں نے محسوس کیا میرا دم نکل جائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے دوبارہ پڑھو کہہ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا''۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی بیان کردہ یہ حدیث متعدد علی التواتر روایات کے ذریعہ بہت سی دوسری کتابوں میں تحریر کی گئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل (علیہ السلام) کو پہلے پہل بحالتِ خواب دیکھا تھا اور اس کے بعد ہی وہ بحالتِ بیداری آپؐ کے روبرو آئے تھے۔ اس کی تفصیل اس سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ ''مغازی موسیٰ بن عقبہ'' میں زہری ہی کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ اس سے بھی حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی بیان کردہ اس حدیث کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سے محمد بن احمد بن حسن' محمد بن عثمان بن ابی شیبہ اور جناب بن حارث نیز عبداللہ بن الاجلح نے ابراہیم کی روایت علقمہ بن قیس کے حوالے سے یوں بیان کی کہ (رسول اللہ ﷺ کی طرح) جملہ انبیائے کرام پر نزول وحی کا سلسلہ یوں ہی شروع ہوا تھا اور اس طرح ہدایت کے بعد ہی ان پر باقاعدہ وحی نازل ہونا شروع ہوئی تھی''۔

علقمہ بن قیس کا یہ قول اپنی جگہ بہترین ہے۔

وقت بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے بارے میں مزید روایات

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن ابی عدی نے داؤد بن ابی ہند اور عامر شعبی کے علی الترتیب حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کے وقت عمر چالیس سال تھی لیکن پہلے تین سال تک آپ کو صرف بالصوت و بصارت نظری ہدایات غیبی ملتی رہیں جو بلا واسطہ تھیں جب کہ اس وقت تک نزول قرآن کی ابتداء نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپؐ پر باقاعدہ قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور نزول وحی کا یہ سلسلہ مکے اور مدینے میں بیس سال تک جاری رہا یعنی دس سال مکے میں اور دس سال مدینے میں آپ کی وفات تک جب کہ وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۶۳ سال تھی۔

شیخ شہاب الدین ابو شامہ فرماتے ہیں کہ داؤد بن ابی ہند اور عامر شعبی کے حوالے سے محمد بن ابی عدی کی بیان کردہ حدیث جو امام احمدؒ کے حوالے سے ہم تک پہنچی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے ماسوا اس کے کہ انہوں نے صوتی و بصری بلا واسطہ ہدایات کو جو انہوں نے آپ کی زبانی سنی ہوں گی بنظر اختصار حذف کر دیا ہے باقی باتیں جو آپ کے روبرو حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے اور آپ کو یکے بعد دیگرے تین بار ''اقراء'' پڑھنے کے لیے کہنے نیز وہیں سے نزول وحی کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہونے اور آپؐ کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جانے تک حرف بحرف وہی ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

امام احمدؒ ہی نے یحییٰ بن ہشام اور عکرمہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ فرمایا کہ وقت بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی اور آپ پر نزول وحی کی مجموعی مدت مکہ اور مدینہ دونوں جگہ دس دس سال کے حساب سے بیس سال ہوتی ہے اور یہ کہ جب آپ نے وفات پائی تو اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔ یہی بات امام احمدؒ نے ایک اور جگہ حماد بن سلمہ' عمار بن ابی عمار اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت مکے میں بعثت کے بعد پندرہ سال رہی جن میں سے سات سال تک آپ صرف روشنی ملاحظہ فرماتے رہے اور باقی آٹھ سال آپ پر وحی نازل ہوتی رہی۔

ابو شامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل بعثت ایک مدت تک غیبی مظاہر دیکھے اور سنے۔ یہی حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''میں نے قبل بعثت اتنے پتھروں کو سلام کرتے سنا کہ میں اب انہیں نہ شمار کر سکتا ہوں نہ پہچان سکتا ہوں''۔

رسول اللہ ﷺ کی قبل بعثت خلوت پسندی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ اپنی قوم قریش کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھتے تھے اور اکثر ان سے علیحدہ رہنے لگے تھے۔ ویسے غار حرا میں آپ کی خلوت گزینی سے قبل بھی کچھ اہل قریش غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے اور وہاں سے فارغ ہو کر زائرین کعبہ کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ آپؐ نے بھی (ایک عرصے تک) غار حرا میں خلوت گزینی کے زمانے میں قریش کی اس روایت پر عمل کیا لیکن آپ زائرین کو اور دوسرے مساکین کو کھانا کھلانے کے بعد طواف کعبہ سے پہلے اپنے گھر نہیں جاتے تھے۔ غار حرا میں آپ قربت الٰہی سے مشرف ہو کر بہت سی غیبی چیزیں دیکھتے اور آوازیں سنتے تھے۔

محمد بن اسحٰق عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخرالذکر نے بعض اہل علم سے سن کر بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سال کے اکثر مہینوں میں اہل قریش کی طرح غارِ حرا تشریف لے جاتے تھے اور وہاں سے واپسی پر زائرین کعبہ کو قریش کی طرح کھانا کھلاتے اور کعبہ کا طواف فرماتے تھے۔ یہی روایت وہب بن کسان کے حوالے سے ملتی ہے جس کا سلسلہ یکے بعد دیگرے عبید بن عمیر اور عبداللہ بن زبیر تک پہنچتا ہے یعنی قریش زمانہ جاہلیت میں بھی غار حرا میں عبادت گزاری کے لیے جاتے تھے۔ اسی طرح آپؐ کے لباس کے بارے میں بھی ابو طالب کی طرح سہیلی‘ ابوشامہ اور حافظ ابوالحجاج المرزی کے حوالے سے بہت سی روایات ملتی ہیں اور غار حرا میں آپ پر نزول نور اور سماعت اصوات پر بھی متعدد روایات پائی جاتی ہیں لیکن وہ رکیک اور ایک دوسرے کی متضاد ہیں۔

غارِ حرا کا محل وقوع

غار حرا کہیں چھوٹا' کہیں بڑا' کہیں قابل گزر راور کہیں کہیں نا قابل گزر ہے' مکے سے اس کا فاصلہ بلندی پر منیٰ کی جانب دائیں طرف سے تین میل ہے۔اس کی ایک پتلی چوٹی سکڑ کر خانہ کعبہ پر جھک آئی ہے اور غار حرا اسی میں واقع ہے جیسا کہ روبہ بن حجاج نے کہا ہے۔

''حرا منیٰ سے بلندی کی طرف روئی کی طرح پھیلتا چلا گیا ہے اوپر اس کی چوٹی میں ایک منحنی سا غار ہے' یہی غار حرا ہے''۔

حدیث میں بھی غار حرا کے محل وقوع کا ذکر اسی طرح ہے جیسا روبہ بن حجاج کے مندرجہ بالا شعر میں ہے لیکن حدیث کی رو سے اس میں عبادت گزاری اور سونے کے لیے جگہ بھی ہے' حدیث میں الفاظ تحنث اور تعبد کے معنی صاف ہیں لیکن لغت میں لفظ حنث سے بطور استخراج چھوٹی جگہ میں قیام کے ہیں لیکن بطور تفسیر چھوٹی سی جگہ میں ذرا سے فاصلہ پر کنکریوں سے ہٹ کر عبادت اور سونے کے لیے وقت نکالنے کے ہیں۔ابوشامہ نے اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ابوشامہ کی اس تفسیر کے بارے میں ابن عربی سے دریافت کیا گیا کہ کیا ''حنث'' کے معنی عبادت ہیں تو اس نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا' ابن ہشام کہتے ہیں کہ دین ابراہیم علیہ السلام میں ''حنث'' درحقیقت ''حنف'' ہے اور عربی لغت میں ''حنف'' اسی لفظ ''حنف'' سے ماخوذ ہے جس میں ''ف'' کو ''ث'' سے بدل دیا گیا ہے جیسا کہ عربی قواعد میں ہوتا ہے۔[1]

جہاں تک حدیث کے الفاظ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں لفظ ''حنث'' اور ''حنف'' پر گفتگو کرتے ہوئے ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اہل عرب ''ثم'' کو عموماً ''فم'' بولتے ہیں' اس لیے مفسرین نے ''فومہا'' سے مراد ''ثومہا'' لی ہے۔

علماء کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کی عبادت کے بارے میں اختلاف ہے۔کوئی اسے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بتاتا ہے کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت کے مطابق تھی اور کسی نے اس میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت کی مطابقت بیان کی ہے' بعض علماء کہتے ہیں کہ ادیان ماسبق کی شریعتوں سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے آپ نے اپنے لیے ایک نئی شریعت ایجاد اور پسند فرمائی اور عبادات کے سلسلے میں اس کو طریق عمل بنایا' اصول فقہ میں انہی موخر الذکر علماء کے اقوال کی تقلید کی گئی ہے۔واللہ اعلم

جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت و یوم بعثت کا تعلق ہے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما' عبید بن عمیر اور ابوجعفر الباقر بھی

[1] عربی لغات کے حلبی اور مصری دونوں نسخوں میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔

نے یوم دوشنبہ بیان کیا ہے اور یہی ان حضرات نے نزول وحی کا دن بتایا ہے جس میں جملہ علمائے متقدمین ومتاخرین متفق ہیں۔

اس سلسلے میں ماہ ربیع الاوّل کا ذکر بھی آیا ہے جس میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے فرزند حضرت جابرؓ کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ اس میں ماہ ربیع الاوّل کے عشرۂ ثانی اور روز دوشنبہ کی روایت ملتی ہے نیز اسی مہینے کے عشرہ ثانی اور روز دوشنبہ کے بارے میں آپؐ کے معراج کی روایت بھی ہے تاہم یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کی بعثت ماہ رمضان المبارک میں ہوئی جس کے بارے میں عبید بن عمیر اور محمد بن اسحٰق وغیرہ نے قرآن شریف کا حوالہ دیا ہے جو آیہ قرآنی:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاسِ ﴾

پر مبنی ہے۔ جہاں تک عشرہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں واقدی نے ابی جعفر الباقر کی سند پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز روز دوشنبہ کو ہوا جب کہ ماہ رمضان کی ۱۷ راتیں گزر چکی تھیں اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ماہ رمضان کی ۲۴ راتیں گزر چکی تھیں۔

امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں:

''ہم سے بنی ہاشم کے غلام ابوسعید اور عمران ابوالعوام نے قتادہ ابن ملیح اور واثلہ بن اسقع کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ آپؐ پر صحف ابراہیم کی طرح نزول قرآن کا آغاز (بحالتِ خواب) رمضان کی شب اوّل کو ہوا جب کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام پر) نزول توریت کا آغاز رمضان کی دو راتیں گزرنے سے کچھ قبل ہوا اور (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) نزول قرآن رمضان کی ۱۴ راتیں گزرنے کے بعد ہوا''۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں جابر بن عبداللہ کے حوالے سے اپنے مخصوص طریقے پر جو روایت پیش کی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی جس کا اتباع کیا ہے وہ یہ ہے کہ شب قدر رمضان شریف کی چوبیسویں شب ہے لیکن حضرت جبریل علیہ السلام کے ''اقراء'' کہنے پر رسول اللہ ﷺ کے جواب ''ما انا بقاری'' یعنی میں پڑھ نہیں سکتا کا مطلب یہ ہے کہ میں بطریق احسن پڑھ نہیں سکتا اور اس کے بعد جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو دوبار بھینچ کر آپ کی جدوجہد کے بعد چھوڑا تو آپؐ نے وہی جواب دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے سامنے کوئی تحریر شدہ چیز نہیں ہے جسے میں پڑھوں' اس کے علاوہ یہ بھی کہ ''میں نے اب تک کسی کتاب میں لکھی ہوئی کوئی چیز پڑھی ہے نہ میں خود کچھ لکھ سکتا ہوں''۔ اس کے بعد جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو تیسری بار سینے سے لگا کر بھینچا اور چھوڑا اور پھر سورہ اقراء کی پوری آیت تلاوت کی تو آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو دہرایا اور یہ بات تیسری بار عمل میں آئی۔

ابوسلیمان خطابی نے بیان کیا کہ نزول وحی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو صحیح روایات آئی ہیں وہ آپ کی روحانی وجسمانی تربیت کے لیے تھیں تاکہ نزولِ وحی کے لیے آپ بحیثیت نبی دونوں طرح مکمل ہو جائیں۔ ابوسلیمان خطابی نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں قولِ باری تعالیٰ ﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا﴾ کو سند ٹھہرایا ہے اور نزول وحی کے وقت ہمیشہ آپ کے چہرۂ مبارک کے تغیر اور گردن سے لے کر اوپر کے دھڑ تک آپ کے جسم مبارک کی کپکپاہٹ کو اسی قول

کی سند کے ساتھ آثار نزول وحی سے تعبیر کیا ہے۔

آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ''زملونی زملونی'' فرماتے ہوئے غار حرا میں جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے انہیں مطلع فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ''مجھے اپنے متعلق خوف آ رہا ہے''۔ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی نقصان نہیں ہونے دے گا اور آپ کے اخلاق حسنہ اور فطری نیکیوں کا اس ضمن میں ذکر کیا تھا اور ان تمام باتوں کی مختلف آیاتِ نبوی سے تصدیق ہوتی ہے۔

ابوالحسن تہامی نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اسے قاضی عیاض نے شرح مسلم میں نقل کر دیا ہے لیکن اس سلسلے میں قاضی عیاض نے آپ کی وفات کے وقت اور نزول وحی کے اوقات میں آپؐ کے چہرہ مبارک کے تغیر کے بارے میں جو مماثلت ظاہر کی ہے وہ صحیح مسلم کی تفصیلی روایات کے پیش نظر ضعیف ٹھہرتی ہے۔

نزول وحی کے سلسلے میں زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کی روایات بھی قابل قبول ہیں انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کی امداد کی تھی اور پھر شام کی طرف ہجرت کر گئے تھے انہوں نے اور زید بن عمرو اور عثمان بن حویرث نیز عبیداللہ بن جحش نے ان جملہ روایات کی تصدیق کی ہے اور قبل بعثت آپ کے اخلاق حسنہ اور سیرت کاملہ کے بارے میں وہی کچھ کہا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت بھی بیان کی ہے جو آغاز نزول وحی کے بعد آپؐ کے گھر تشریف لانے پر بیان کی جاتی ہے اور یہ بھی کہ انہوں نے اپنے عم زاد ورقہ بن نوفل کو بلا کر جب انہیں آپ پر نزول وحی کا واقعہ سنا کر کہا تھا:

''سنیے آپ کے عم زاد کیا کہتے ہیں''۔

تو انہوں نے جواب دیا تھا:

''یہ وہی ''ناموس'' ہے جس کا نزول پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا تھا''۔

انہوں نے آپ کی بعثت کی بشارت بھی دی تھی۔

ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا تھا کہ:

''کاش وہ اس وقت تک زندہ رہتے جب ان کی قوم ان پر ظلم کرے گی اور انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دے گی''۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ اس وقت تک زندہ رہتے تو دوسرے اہل قریش کے خلاف آپ کی امداد وحمایت ضرور کرتے۔

ورقہ بن نوفل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے قبل شام چلے گئے تھے اور اس لیے مکے یا مدینے میں مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے بلکہ وہیں آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ تاہم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ ورقہ تو یہودی تھے اور اپنی وفات تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تو آپؐ فرماتے:

''ورقہ کو برا نہ کہو میں نے ان کے لیے ایک جنت بلکہ دو جنتوں کا مشاہدہ کیا ہے''۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

''انہوں نے (قریش نے) انہیں (ورقہ بن نوفل کو) مکے سے نکالا تھا اور مجھے بھی اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا''۔

سہیلی نے ورقہ بن نوفل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی تہدید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فراق وطن اور عالم غربت کی سختیاں ناقابل بیان ہوتی ہیں اور جن پر یہ سختیاں گزرتی ہیں انہیں وطن چھوڑنے والے ہی خوب جانتے اور محسوس کر سکتے ہیں۔ سہیلی نے آنحضرت ﷺ کی تہدید کی بنیاد انہیں احساسات کو بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ورقہ بن نوفل کے بارے میں آپؐ نے جنت کو جو بشارت دی وہ اس وجہ سے تھی کہ آپ نے مستقبل میں ان کی نیت کا اندازہ فرما لیا تھا یعنی اگر ورقہ آپؐ کے عہد رسالت تک زندہ رہتے جیسا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے روبرو اس کی تمنا کرتے ہوئے کہا تھا تو وہ یقیناً نہ صرف قریش کے خلاف آپ کی حمایت و امداد کرتے بلکہ دائرہ اسلام میں ضرور داخل بھی ہو جاتے۔ سہیلی کا مقصد یہ تھا کہ صلاح و خیر کے سلسلے میں مستقبل میں بھی انسان کی نیک نیتی کا خیال رکھا جاتا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

''ہم سے حسن نے بالترتیب ابن لہیعہ اور ابوالاسود اور عروہ کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ روایت سنائی کہ ایک دفعہ انہوں نے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''میں نے انہیں (مرنے کے بعد) سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا ہے' اس لیے میں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ (ورقہ بن نوفل) اہل نار میں سے نہیں ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے پس مرگ سفید کپڑوں میں ملبوس کبھی نظر نہ آتے''۔

اگرچہ یہ حدیث حسن کی سند سے روایت ہوئی ہے لیکن اسے زہری و ہشام نے عروہ کے حوالے سے بطور ''حدیث مرسل'' لکھا ہے۔

حافظ ابویعلیٰ نے بالترتیب شریح بن یونس' اسماعیل' مجالد' شعبی اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے آخر الذکر نے ورقہ بن نوفل کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''میں نے انہیں جنت کے بیچوں بیچ سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا ہے جب کہ اس لباس پر ''سترس'' کا اضافہ بھی تھا''۔

جب اس سلسلے میں یعنی ورقہ بن نوفل کے حشر و نشر کے بارے میں زید بن عمرو بن نفیل سے پوچھا گیا تو وہ بولے:

''ان کا حشر و نشر امت واحدہ کے ساتھ (یعنی توحید پرستوں میں) ہوگا''۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ بولے:

''وہ جہنم سے خارج ہو کر ایک خاص بہتر جگہ جا پہنچے ہیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ کہہ کر پوچھا گیا کہ ان کا بھی تو دینی فرائض کی ادائیگی اور

احکام قرآنی کی بجا آوری سے قبل ہی انتقال ہو گیا تھا تو آپ نے فرمایا:

''میں نے انہیں جنت کے ایک خاصے اچھے مقام پر دیکھا ہے لیکن وہ جس مکان میں تھیں وہ پھونس سے تعمیر کیا گیا ہے اور اس میں لکڑی وغیرہ استعمال نہیں ہوئی''۔

یہ روایات اسناد حسن پر مبنی ہیں اور ان احادیث و روایات کے شواہد دوسری صحیح روایات و احادیث میں بھی ملتے ہیں۔ واللہ اعلم

حافظ ابوبکر بزار کہتے ہیں:

''ہم سے عبید بن اسماعیل اور ابواسامہ نے علی الترتیب ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ورقہ کو برا نہ کہو' میں نے اسے ایک یا دو جنتوں میں دیکھا ہے''۔

یہی حدیث ابن عساکر نے ابوسعید اشجع اور ابی معاویہ وہشام اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں یہ جملہ اسناد بڑی جید وقوی ہیں۔ اس حدیث کو بعض حضرات نے روایت مرسل بتایا ہے لیکن ان کی یہ آراء شک سے خالی نہیں ہیں۔

حافظ بیہقی اور حافظ ابونعیم نے اپنی کتابوں جن دونوں کا نام ''دلائل النبوت'' ہیں یونس بن بکیر' یونس بن عمرو اور ان کے والد نیز عمرو بن شرجیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار حرا کا واقعہ بیان کر کے فرمایا:

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔

تو وہ بولیں:

''آپ کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپؐ نے اب تک امانت و دیانت کا ثبوت دیا ہے اور آپؐ لوگوں پر رحم فرماتے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں''۔

یہ حدیث مصدقہ ہے۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آخر الذکر نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ بولے:

''اے بزرگ بی بی! آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر ورقہ کے پاس جایئے''۔

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ جب آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعے کا علم ہوا تو آپؐ نے پوچھا: ''یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟''۔

وہ بولے: ''خدیجہ رضی اللہ عنہا نے''

پھر بولے:

''آپ دونوں ورقہ (بن نوفل) کے پاس جائیے اور ان سے یہ واقعہ بیان کیجئے''۔

چنانچہ جب رسول اللہ (ﷺ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ورقہ کے پاس گئے اور ان سے غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا تو وہ خوش ہو کر بولے:

''آپ کو مبارک ہو بہت بہت مبارک ہو آپ وہی شخص ہیں جس کی بشارت ابن مریم نے دی ہے۔ آپ یقیناً ناموس موسیٰ کے حامل ہیں۔ اور واقعتہً خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں''۔

یہ کہہ کر ورقہ نے کہا:

''آپ دین اسلام کی اشاعت کے لیے بڑی کوشش فرمائیں گے لیکن اس وقت میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے زندہ نہ ہوں گا''۔

جب ورقہ بن نوفل کے انتقال کے بعد لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے ان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

''میں نے انہیں یعنی ورقہ کو جنت میں سفید لباس میں ملبوس دیکھا ہے''۔

اگرچہ یہ حدیث بیہقی کی بیان کردہ ہے تاہم بعض محدثین کے اقوال کی یہ حدیث مرسل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ورقہ کے پاس جانے کی تصدیق حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے بھی کی ہے جس سے اس بات کا امکان ہے کہ ورقہ نے آپ کو نبوت کی بشارت دی ہو اور اسی بات سے ورقہ کا آپ پر ایمان لانا ثابت ہوتا ہے ویسے بھی آپ کی مدح میں ورقہ کے بے شمار اشعار پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ پر ایمان لا کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ لہٰذا بیہقی کی بیان کردہ مندرجہ بالا حدیث کو بعید از قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا ہم نے ابھی بیان کیا آنحضرت ﷺ کی شان میں ورقہ بن نوفل کے متعدد قصائد پائے جاتے ہیں جنہیں یونس بن بکیر نے ابن اسحٰق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ بیہقی کی بیان کردہ اس حدیث کے صحیح ہونے کے بارے میں اور بھی بہت سے دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں تاہم ہمارے نزدیک یہ حدیث ورقہ کی حد تک محلِ نظر ہے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان بن العلاء بن جاریہ ثقفی نے جو اہل علم کے گروہ میں بہت مشہور تھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تکریم نبوت سے قبل بھی جب مکے کے بعید تر اطراف یا کسی وادی سے گزر فرماتے تو وہاں کے شجر و حجر سے آواز آتی ''السلام علیک یا رسول اللہ'' آپؐ یہ آوازیں سماعت فرما کر اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھتے لیکن وہاں ان اشجار و احجار کے سوا کوئی آدم زاد موجود نہ ہوتا۔ چنانچہ آپ اسے کرشمہ قدرت سے تعبیر فرماتے تھے پھر غار حرا میں ماہ رمضان میں آپ کو وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔ ویسے آپ اہل عرب کی روایت کے مطابق زائرین مکہ کو نبوت پر فائز ہونے سے قبل کھانا کھلاتے، پانی پلاتے اور حطیم کعبہ میں جا کر حجر اسود کا سات بار طواف فرماتے اور دوسرے اہل مکہ کی طرح کسی پہاڑ کے غار میں جا کر تنہا بسر کرنے کے عادی تھے حتیٰ کہ آپ کو جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اللہ تعالیٰ کی جانب سے کرامت

نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے آل زبیر کے غلام وہب بن کیسان نے عبداللہ بن زبیر کی زبانی عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی کا بیان کردہ ابتدائے نبوت کے بارے میں جو واقعہ بیان کیا وہ یہ ہے: عبید سے لوگوں نے کہا:

''آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز نبوت کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو بیان فرمایئے''۔

آل زبیر کا مذکورہ بالا غلام کہتا ہے کہ لوگوں کے اس سوال کا جواب جب لوگوں کو دیا تو اس وقت بھی موجود تھا۔ عبید کا جواب یہ تھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے مہینے میں کعبہ کے گرد و پیش جمع ہونے والے مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور جب کوئی باقی نہیں رہتا تھا تو آپ حرم شریف کے اندر جا کر یا اس کے چاروں طرف سات بار طواف فرماتے تھے اور اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح جو واقعہ آپ کو غارِ حرا میں پیش آیا وہ بھی رمضان کے مہینے کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر آپؐ کے ذریعہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق ایک شب کو جبریل غارِ حرا میں آپ کے پاس آئے اور آپؐ سے کہا: ''پڑھ'' آپؐ نے فرمایا: ''میں پڑھ نہیں سکتا''۔ اس جواب پر جبریل علیہ السلام نے آپ کو اتنا بھینچا کہ آپؐ کے بقول آپ کو ایسا محسوس ہوا کہ جسم و جان کا رشتہ منقطع ہونے والا ہے۔ آپؐ سے جبریل نے دوبارہ کہا ''پڑھ'' آپؐ نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ چنانچہ جبریلؑ نے آپ کو دوبارہ اسی طرح بھینچا اور پھر بولے ''پڑھ'' جبریل علیہ السلام نے یہ عمل تین بار دہرایا اور پھر آپ کو آیہ شریفہ:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ....... الخ ﴾

پڑھنے کے لیے کہا۔ چنانچہ آپؐ نے جبریل علیہ السلام کی بتلائی ہوئی آیت آخر تک پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق آپؐ پر اس وقت غنودگی سی طاری تھی۔ جب جبریل غارِ حرا سے باہر چلے گئے تو آپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پوری کتاب آپؐ کے سینہ مبارک میں اتار دی گئی ہے۔ جب جبریل علیہ السلام پہاڑیوں کے وسط میں پہنچے تو وہ پلٹ کر بولے: ''اے محمدؐ! (مبارک ہو) آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں''۔ اس کے بعد آپؐ نے غار سے باہر نکل کر آسمان پر نظر کی تو وہی آواز پھر آئی: ''اے محمدؐ! (مبارک ہو) آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق آپؐ نے یہ آواز آسمان کی طرف سے تین بار سنی اور پھر جب آخری بار آسمان کی طرف نظر کی تو آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ انسانی شکل کا نورانی ہیولیٰ آسمان کی بلندیوں کی طرف مائل پرواز ہے۔

جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے نکل کر اپنے گھر واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے کہا: ''میں نے آپ کی خبر خیر کے لیے اپنا آدمی آپؐ کے پاس بھیجا تھا' اسے تو آپؐ ملے نہیں۔ آخر آپ کہاں تشریف لے

گئے تھے؟'' جب آپؐ نے ان سے غارحرا کا واقعہ بیان کیا تو وہ آپ کو کمبل اوڑھا کر بولیں۔گھبرائیے نہیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ آپ اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں' اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا لباس درست کیا اور اپنے غلام کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور ان سے کہا: ''اے ابن عم! کل رات میرے شوہر کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے سارا واقعہ سن کر ورقہ بولے: ''مبارک ہو محمدؐ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی اور اب محمدؐ اس امت کے نبی ہیں۔تم دیکھنا کہ میرا یہ قول ثابت ہو کر رہے گا''۔

ورقہ بن نوفل سے یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر واپس آئیں اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا آپ کو سنا دیا۔اس کے بعد جب آپؐ حسب معمول خانہ کعبہ میں گئے تو آپ کو ورقہ مل گئے جو وہاں کعبہ کا طواف کررہے تھے۔انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا:

''اے میرے بھائی کے بیٹے! کل رات جو واقعہ آپ کو پیش آیا وہ مجھے اپنی زبان سے سنائیے''۔

جب آپؐ نے پورا واقعہ ان سے من وعن بیان کر دیا تو وہ بولے:

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے' یہ وہی ناموس اکبر ہے جو خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ میں اس کی قسم کھا کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہہ سکتا ہوں کہ آج سے آپؐ اس امت کے نبی ہیں لیکن لوگ آپ کو جھٹلائیں گے اور طرح طرح کی اذیتیں دیں گے حتیٰ کہ آپ کو یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے افسوس اس وقت تک میں آپ کی حمایت کے لیے زندہ نہیں رہوں گا۔اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے''۔

اتنا کہہ کر ورقہ آپؐ سے رخصت ہو گئے اور پھر آپ بھی خانہ کعبہ سے اپنے گھر تشریف لے آئے۔

یہ وہ ماجرا ہے جو عبید بن عمیر نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں بیان کیا ہے اور عبید کا یہ بیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث سے پہلے کا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز نبوت کا یہ واقعہ کوئی خواب کی بات نہیں ہے بلکہ عالم بیداری کا ہے' البتہ یہ ممکن ہے کہ اس سے قبل جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے آپ کو بحالت خواب کچھ دنوں تک صدائے غیب سنائی دی ہو اور کچھ حیرت ناک مناظر آپؐ نے اسی حالت میں ملاحظہ فرمائے ہوں۔واللہ اعلم

موسیٰ بن عقبہ زہری اور سعید بن میسّب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخرالذکر نے بیان کیا کہ سب سے پہلے جو بات ہمیں معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوّل اوّل خواب میں آثار نبوت کے مناظر ظاہر ہوئے اور آخر کار غارحرا میں حضرت جبریل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اور وہ واقعہ گزرا جسے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سے جن کا شرح صدر کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ تکذیب سے خالی اور آپ کی تصدیق سے معمور کر دیا تھا بیان کیا اور اسی لیے (تمام واقعہ سن کر) وہ بولیں! آپ کو بشارت ہو' اللہ تعالیٰ کا سلوک آپؐ کے ساتھ خیر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا''۔اس کے بعد آپؐ ان کے پاس سے چلے گئے

اور پھر لوٹ کر بیان کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے اسے دھویا تھا اور پاک کیا تھا اور پھر حیرت ناک طریقے سے آپ کو ایک اونچی جگہ ایک ایسی مسند پر بٹھایا تھا جس میں یاقوت اور موتی ٹکے ہوئے تھے اور اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اللہ کا رسول ہونے کی بشارت دی تھی حتیٰ کہ آپ مطمئن ہو گئے تھے اس کے بعد ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا تھا: ''اقراء'' اور آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا:

''میں کیونکر پڑھوں جب کہ میں پڑھنا نہیں جانتا''۔

اس پر جبریل علیہ السلام نے آپ کو پوری آیت پڑھ کر سنائی تھی اور آپؐ سے کہا تھا: ''اس طرح پڑھیے'' تب آپ نے سورہ اقراء کی پوری آیت تلاوت کی تھی۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی تھی۔ ان سے یعنی موسیٰ بن عقبہ نے مذکورہ بالا دونوں حضرات کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ شرفِ نبوت سے سرفراز ہو کر اپنے گھر تشریف لائے تو تمام اشجار و احجار سے ''السلام علیک یا رسول اللہ'' کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غارِ حرا میں گزرے ہوئے واقعے کے ساتھ یہ بھی سنایا تو انہوں نے آپ کو مبارک باد دے کر آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے صادق القول اور امین سے بجز خیر اور کسی طرح پیش نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گھر سے باہر جا کر دیکھا تو آپ کو عتبہ بن ربیعہ کا غلام عداس مل گیا جو نصرانی تھا۔ آپؐ نے اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ سنا کر اس سے اس کے عقیدے کے مطابق سوال کیا کہ اس کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ تو وہ بولا:

''سبحان اللہ' سبحان اللہ' جبریل سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لیے منتخب کر لیتا ہے زمین پر اور کسی کے پاس نہیں آتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وہ اسی لیے آئے تھے کہ وہ خدا کے نبی تھے۔ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے شوہر کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور وہ بھی خدا کے دوسرے پیغمبروں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے''۔

اتنا کہہ کر عتبہ بن ربیعہ کا غلام جب وہاں سے چلا گیا تو اتفاقاً اسی وقت ورقہ بن نوفل آپؐ کے پاس آ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بھی جب وہ واقعہ بیان کیا اور ان سے ان کے نصرانی عقیدے کے تحت اس بارے میں پوچھا تو وہ بولے:

''وہ (رسول اللہ ﷺ) اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان امین کی حیثیت رکھتے ہیں اور پیغمبروں کی صف میں شامل ہیں وہ خدا کے بندوں کو اس کا پیغام سنا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان پر نازل شدہ کتاب اس کے بندوں کو دیں گے جس کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے اور میں زندہ رہا تو میں بھی دیکھوں گا اور تم بھی دیکھ لینا کہ وہ لوگوں کی ایذا رسانی پر کس طرح صبر و شکر کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی کس

طرح مدد فرماتا ہے''۔

یہ کہہ کر ورقہ بن نوفل چلے گئے اور کچھ دن بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

زہری کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت نبی تصدیق کی۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ:

''جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کا معاملہ ہے تو وہ حلیمہ سعدیہ کے سامنے پیش آیا اور ممکن ہے کہ اس سے قبل بھی آپ کو یہ واقعہ پیش آیا ہو اور اس سلسلے میں حلیمہ سعدیہ کے سامنے جو واقعہ پیش آیا وہ آخری بار رہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعد آپ کی معراج سے قبل بھی یہ واقعہ پیش آیا ہو''۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکر نے ورقہ بن نوفل کے بیان کی سلیمان بن طرخان تمیمی کے حوالے سے اور اس کی سند کو تصدیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [1]

''ہم تک یہ بات متعدد مستند حوالوں سے پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اس وقت آپ کی عمر شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت بنائے کعبہ کے پچاسویں سال کا آغاز تھا لیکن پہلے پہل اس کے آثار آپ کو عالم رویا میں دکھائے گئے تھے اور آپ پر ان سے خوف طاری ہو گیا تھا' پھر آپؐ نے جب ان کے ذکر کے بعد غار حرا کا واقعہ اپنی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اللہ آپ کو بجز خیر کے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس سے قبل آپؐ عالم رویا میں دیکھے ہوئے مناظر کو اپنی قوم سے بیان فرماتے بھی تامل فرماتے تھے بلکہ سب سے بچ کر غار حرا میں کنج عزلت کے متلاشی رہتے تھے۔ جب وہاں آپؐ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو انہوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر پشت اپنی طرف دبائی اور کہا:

''یا اللہ ان کے سینے کو محفوظ و مامون اور ان کی انشراح صدر فرما اور اسے پاک کر دے''۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا:

''اے محمد! آپ کو بشارت ہو کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس امت کے نبی ہیں۔ اب پڑھیے''۔

جب آپؐ نے نوشت و خواند کی واقفیت سے انکار فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے آپ کو دوبارہ پھر اس طرح اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر اقراء کے بعد پوری آیت تلاوت کی تو آپؐ نے بھی اسے دہرایا جب جبریل علیہ السلام جانے لگے تو آپؐ نے ان سے دریافت کیا:

''میں اپنی قوم کو یہ سب باتیں کس طرح بتاؤں گا؟''۔

یہ سن کر جبریل علیہ السلام نے آپؐ کے سامنے آ کر کہا:

---

[1] یہاں الفاظ: ''بیہقی کہتے ہیں کہ ہم سے ابوعبداللہ الحافظ نے بیان کیا'' بھی ہیں جو نسخہ مصری میں نہیں ہیں۔ (مؤلف)

''اے محمدؐ! گھبرائیے نہیں، آپؐ رسول ہیں اور میں جبریل علیہ السلام اللہ کا پیغام رساں ہوں۔ اس سے پہلے بھی میں اللہ کے انبیاء کے پاس اس کے حکم سے اسی طرح آتا رہا ہوں''۔

جب جبریل علیہ السلام چلے گئے تو آپؐ نے اپنے صدر مبارک کو خاص طور پر روشن پایا اور جب گھر واپس ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان کیا تو وہ بولیں:

''آپ کو خائف نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرر نہیں پہنچائے گا''۔

پھر بولیں:

''میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں جس کی یہود نے خبر دی ہے اور وہ بھی آپؐ کے ظہور کے منتظر ہیں مجھے اس کی اطلاع میرے غلام ناصح اور راہب بحیری نے دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ عنقریب آپؐ سے میری شادی ہو گی جب کہ آپ کی عمر بیس سال سے زائد ہو جائے گی''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہوئے اور اکل وشرب میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسی راہب کے پاس تشریف لے گئیں جو مکے کے قریب ہی رہتا تھا۔ جب اس نے انہیں دیکھا تو فوراً پہچان گیا اور بولا:

''اے سیدۂ خواتین قریش! (یقیناً آپؐ وہی ہیں جن کے سامنے میں نے کچھ پیشگوئیاں کی تھیں)''۔ ❶

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا کہ جن باتوں کی پیشگوئی اس نے کی تھی وہ پوری ہو چکی ہیں اور پھر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظہور جبریل علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے سنایا تو وہ بولا:

''قدوس قدوس۔ یقیناً جبریل اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان ''امین'' یعنی امانت و دیانت کے ساتھ خدا کی طرف سے ذریعہ پیغام رسانی ہیں' آپ کے (محترم) شوہر جملہ انبیاء کی مسند پر متمکن ہو گئے ہیں جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) بھی ہیں''۔

پھر کچھ سوچ کر بولا:

''جبریل اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے جب خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا' اس کے علاوہ جبریل اس وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے جب اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر ان سے کلام فرمایا اور اس وقت بھی جب خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان کے ذریعہ آخر وقت مدد فرمائی تھی''۔

راہب بحیری کے پاس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئی تھیں تو اس نے بھی آپ سے وہی کچھ کہا تھا جو راہب بحیری پہلے کہہ چکا تھا۔ اس کے علاوہ ورقہ نے آپ سے یہ بھی کہا کہ غار حرا میں جبریل علیہ السلام ہی آنحضرتؐ

❶ یہ اضافی عبارت متن کتاب کے الفاظ ہی سے متبادر ہوتی ہے۔ (مترجم)

پر نازل ہوئے تھے۔ اور آپؐ سے پہلے صرف اقراء اور پھر پوری آیت پڑھنے کے لیے کہا تھا اور پڑھوائی تھی۔ اس کے بعد ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا تھا کہ شیطان جبریل کی شکل میں صرف اللہ کے گمراہ بندوں کے پاس انہیں بہکانے یا مزید ورغلانے کے لیے آتا ہے لیکن وہ دوسری بات ہے جب کہ آپؐ کے شوہر پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے جو خدا کی طرف سے صرف انبیاء ورسل پر نازل ہو کر انہیں خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں جبریل علیہ السلام زمین پر انبیاء کے سوا کسی کے پاس نہیں آتے ورقہ سے یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔

اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ سے ملے تو اس نے آپؐ سے جبریل علیہ السلام کے بارے میں ان کی شکل و شباہت کے متعلق دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا کہ جب وہ آپؐ پر نازل ہوئے تھے تو اس وقت غار حرا میں تاریکی تھی یا روشنی اور جب آپؐ نے انہیں جبریل علیہ السلام کی شکل و شباہت بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ غار حرا میں اس وقت روشنی تھی تو وہ بولا:

''اے ابن عبدالمطلب کے بیٹے (حضرت عبداللہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ کے پاس جبریلؑ ہی آئے تھے' مبارک ہو کہ آپ کو خدا نے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ کو آپ کی قوم کی اصلاح کے لیے یہ شرف بخشا ہے''۔

اس کے بعد ورقہ کے اس قول اور آپ کی نبوت کا لوگوں میں چرچا ہونے لگا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باقاعدہ نزول وحی کا آغاز ہوا اور یکے بعد دیگرے سورہ والضحیٰ اور الم نشرح مکمل نازل ہوئیں۔

بیہقی کہتے ہیں کہ ہم سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوالعباس' احمد بن عبدالجبار اور یونس نے ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یعنی ابن اسحٰق سے اسماعیل بن ابی حکیم آل زبیر کے غلام نے بیان کیا کہ اس کے آقا آل زبیر کا بیان یہ ہے کہ ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد نے کہا:

''اے میرے عم زاد! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف نبوت سے سرفراز ہونے اور غار حرا سے لوٹ کر گھر آنے کے بعد کا جو حال مجھ سے پوچھا ہے تو میں شروع سے بتاتی ہوں۔ ہوا یہ کہ آپؐ نے وہاں سے لوٹ کر سب سے پہلے صرف مجھے بتایا کہ انہوں نے وہاں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ آل زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا واقعی انہوں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا؟''۔

اس پر وہ بولیں:

''ایک جب ہی کیا وہ جب میرے حجرے میں تشریف فرما ہوتے تھے تو جبریل اکثر ان کے پاس آتے تھے اور آپ انہیں کھلی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ ویسے غار حرا کے واقعے کی آپ کے کردار و رفتار و گفتار کے پیش نظر سب سے پہلے میں نے ہی تصدیق کی کیونکہ مجھے اس کا کامل یقین تھا۔ اور جیسا میں نے ابھی بیان کیا جب میں آپؐ سے پوچھتی تھی کہ کیا اس وقت آپ کے پاس جبریل آئے ہیں؟ تو آپؐ مجھے اپنے دائیں پہلو کی طرف بیٹھنے کا اشارہ فرماتے' میں بیٹھ

جاتی اور پوچھتی کیا آپ اس وقت جبریل کو دیکھ رہے ہیں؟ تب بھی آپ اثبات میں جواب دیتے۔ پھر بھی جب میں آپ سے یہی سوال کرتی تو آپ مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ فرماتے اور اس وقت بھی آپ کا جواب اثبات میں ہوتا لیکن ان تمام مواقع پر جب بھی میرا دوپٹہ سر سے ڈھلک جاتا تو اس وقت رویت جبریل کے بارے میں آپ کا جواب نفی میں ہوتا۔ اس لیے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا اور مجھے بھی یقین ہے کہ آپؐ کے پاس آنے والا جبریل کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اگر شیطان جبریل کی شکل میں آپؐ کے پاس آیا کرتا تو اسے میرے کھلے یا ڈھکے سر سے کیا تعلق ہوتا یا اس کے لیے ان دونوں حالتوں میں کیا فرق ہوتا۔ لہٰذا میں نے آپؐ کے قول کی تصدیق کی اور آپؐ کے نبی برحق ہونے پر ایمان لے آئی''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ:

''مجھے عبداللہ بن حسن نے یہ حدیث سنا کر کہا تھا کہ انہیں یہ حدیث ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے سنائی تھی بیہقی یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب آپؐ کے حجرے میں جاتی تھیں تو یقیناً آپ کو کسی سے ہم کلام پا کر یہ سوال کرتی ہوں گی اور یہ سوالات وہ احتیاطاً اپنے ایمان کے استحکام کے لیے کرتی ہوں گی۔ اس کے علاوہ آیاتِ قرآنی کا وقتاً فوقتاً نزول بھی آپ کے پاس جبریل علیہ السلام کے آنے کا ثبوت ہے جو بجز انبیاء اور کسی کے پاس کبھی نہیں آئے' نیز شجر و حجر کا آپ کو ''یارسول اللہ'' کہہ کر سلام کرنا بھی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے آپ کی نبوت اور آپؐ کے نبی برحق ہونے کا مسلم ثبوت ہے''۔

حضرت امام مسلم اپنی کتاب صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

''ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ' یحییٰ بن بکر' ابراہیم بن طہمان اور ساک بن حرب نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر الذکر سے ارشاد فرمایا:''

''میں قبل بعثت مکے کے کسی پتھر کو بطور خاص نہیں پہچانتا تھا لیکن بعد بعثت جب وہ میری اپنے قریب سے آمد و رفت کے وقت مجھے سلام کرنے لگے ہیں تو مجھے ان کی پہچان ہوگئی ہے''۔

ابوداؤد طیالسی کہتے ہیں:

ہم سے سلیمان بن معاذ نے بالترتیب ساک بن حرب اور جابر بن سمرہ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں بعد بعثت رات کے وقت بھی اس پتھر کو پہچان لیتا ہوں جو اپنے پاس سے گزرتے وقت مجھے سلام کرتا ہے''۔

بیہقی نے (اس سلسلے میں) اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر کی زبانی بالترتیب عباد بن عبداللہ اور حضرت علی بن ابی

طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک اور حدیث بھی روایت کی ہے جو یہ ہے:

عباد بن عبداللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

''جب رسول اللہ ﷺ نواحی مکہ میں کسی طرف تشریف لے جاتے اور ہم آپؐ کے ہمراہ ہوتے تو ہر شجر و حجر سے آواز آتی: ''السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ مکے کی کسی وادی میں تشریف لے جاتے تو وہاں کا ہر شجر و حجر آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ'' کہہ کر سلام کرتا اور اس کی یہ آواز میں بھی سنتا تھا''۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ نزول وحی کے موقع پر پہلے تو رسول اللہ ﷺ گھبرائے لیکن جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اطمینان دلایا کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں تو آپ کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ پھر دوسرے اور اس سے اگلے روز تو آپ کو کسی قسم کی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کے اطمینان کے لیے انہیں الفاظ کا اعادہ کیا تھا۔

صحیحین میں معمر اور زہری کے حوالے سے عبدالرزاق کی روایت یہ ہے کہ ان سے ابوسلمہ عبدالرحمٰن نے جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک دفعہ میں نے چلتے چلتے آسمان کی طرف جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ نورانی ہیئت کا ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا آسمان سے زمین کی طرف آ رہا ہے اور اس کا رخ میری طرف ہے تو میں گھبرا گیا اور اپنی نظریں نیچی کر لیں اور گھر پہنچ کر (خدیجہؓ) سے کہا مجھے کمبل اڑھاؤ' مجھے کمبل اڑھاؤ''۔

بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ آپ کو دو پہاڑوں کے درمیانی راستے یا غار کی دراڑ سے آسمان کی جانب نگاہ کرتے ہوئے پیش آیا تھا اور جب آپؐ نے گھر میں واپس آ کر ''مجھے کمبل اڑھاؤ'' فرمایا تو آپؐ پر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ اس روایت سے پہلی روایت کی تردید تو نہیں ہوتی کہ آغاز وحی سورۂ اقراء سے ہوا لیکن جیسا کہ جابر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے آغاز وحی سورۂ مدثر سے ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر روایات کے سیاق و سباق کی بناء پر ہوگئی ہو اور حقیقت وہی ہو کہ پہلے سورۂ اقراء نازل ہوئی اور بعد ازاں سورۂ مدثر البتہ مقام نزول وحی میں فرق ہوسکتا ہے اور اسی بناء پر یہ دونوں روایات یہاں درج کر دی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

ویسے صحیحین میں اس بارے میں علی بن مبارک سے جو حدیث منقول ہے اور مسلم کے نزدیک وضعی ہے وہ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے دریافت کیا کہ آغاز وحی حقیقتاً کس سورت سے ہوا تو انہوں نے سورۂ مدثر کا ذکر کیا اور جب میں نے ان سے سورۂ اقراء کا ذکر کیا تو وہ بولے کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ سے یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے بھی سورۂ مدثر ہی کو آغاز حدیث بتایا تھا لیکن یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ آپؐ نے مقام حرا پر ایک آواز سن کر اوپر دائیں بائیں اور پس پشت نظر ڈالی تو آواز دینے والا نظر نہیں آیا لیکن اسی وقت جب دوبارہ آسمان کی طرف دیکھا تو وہاں سے کرسی پر بیٹھا ہوا ایک نورانی چہرہ زمین کی طرف آتا دکھائی

دیا' اس کے بعد جب آپؐ گھر تشریف لائے تو

''مجھے کمبل اوڑھاؤ''۔

فرمایا: اس کے بعد آپ کمبل اوڑھ چکے تو آپؐ پر سورۂ مدثر نازل ہوئی اور اسی کو آغاز وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن صحیحین ہی میں اس سے قبل جو روایات پیش کی گئی ہیں ان سے جو نتیجہ مجموعی طور پر اخذ کیا جاتا ہے وہ سورۂ اقراء کے حق میں ہے۔ ویسے بعض راویوں اور دیگر قاریوں نے سورۂ والضحیٰ کو بھی آغاز وحی قرار دیا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سورہ شریفہ ان راویوں کے سامنے تلاوت ضرور فرمائی تھی یا اس کا ذکر فرمایا تھا لیکن اس سے اس کا آغاز وحی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آغاز وحی کے بعد دو ڈھائی سال تک نزول وحی کا سلسلہ جاری رہنے کے بعد یہ سورت نازل ہوئی تھی جب کہ آپؐ دور و نزدیک اپنی رسالت کا پیغام پہنچا چکے تھے اور اسے جملہ شریف و نجیب لوگوں نے سن کر آپ کی رسالت کو تسلیم کر لیا تھا' تاہم سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی اور عورتوں میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تصدیق کی جس سے ان کا آپؐ پر ایمان لانا ثابت ہوتا ہے اللہ ان کی مغفرت کرے۔ لیکن ان تینوں تک آغاز وحی کے سلسلے میں سورہ اقراء ہی کے بارے میں تواتر سے روایات آئی ہیں۔ واللہ اعلم

نزول وحی کے سلسلے میں جنات یا شیاطین کے ملوث ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟

چونکہ عربوں کی کج نہادی‘ ان کے ضدی طبائع اور ان کی توہم پرستی کے پیش نظر اس بات کا قطعی امکان تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کو ابلیس یا کسی جن کی آواز ٹھہرائیں گے اور انہوں نے بہ استثنائے چند اوّل اوّل ٹھہرایا اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو جگہ اس کی صاف صاف تردید فرمادی پہلے ارشاد ہوا جس میں قوم جن کے بارے میں استماع وحی کے متعلق خبر دی گئی:

① ﴿ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ .... رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ تک

پھر یہ ارشاد ہوا:

② ﴿ وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ .... الخ ﴾

ان آیات کی تفسیر اور مقاصد کے سلسلے میں حافظ ابونعیم کہتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن احمد یعنی طبرانی نے عبداللہ بن محمد ابن سعید بن ابی مریم نے محمد بن یوسف فریابی نے اور اسرائیل نے بالترتیب ابی اسحٰق‘ سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ بعثت نبی آخر الزماں ﷺ سے قبل جنات دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحیوں کے الفاظ اس وقت سن لیا کرتے تھے جب وہ زمین سے آسمان کی طرف صعود کیا کرتے تھے اور ان الفاظ میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کر دیا کرتے تھے جسے باطل ٹھہرانا ضروری ہوتا تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنات پر استماع وحی کی پابندی عائد فرمادی تو کج فہم اور ضدی عربوں نے اس کی نسبت ابلیس کی طرف کرنا شروع کر دی کیونکہ اس وقت تک ابلیس کے آسمان کی طرف صعود میں ستارے تیر چلا چلا کر حائل نہیں ہوتے تھے جن کو اہل زمین شہاب کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں ابوعوانہ نے بالترتیب ابی بشر‘ سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بازار عکاظ کی طرف تشریف لیے جارہے تھے اور راستے میں آپؐ نے ان کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ اس سے قبل گروہ شیاطین آپ تک الفاظ وحی پہنچنے میں حائل ہوتا تھا اور جب اس سے اس کی قوم سوال کرتی تھی کہ تم نے کیا سنا تو وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا تھا کہ ہم کچھ سن نہیں سکے کیونکہ ہمیں نجوم نے تیر چلا چلا کر آسمان کی طرف صعود سے دور رکھا لیکن اس موقع پر جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا کچھ جنوں نے ایک درخت پر بیٹھ کر جہاں رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے انہوں نے وہ آیات سنیں جو آپؐ نے نماز میں تلاوت فرمائی تھیں۔ لیکن جب اس دفعہ ان کے (جنوں کے) ہم قوموں نے ان کے بارے میں

دریافت کیا تو ان کے جواب کو قرآن میں پورا بیان کیا گیا ہے:

﴿یَا قَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا ..... بِرَبِّنَا اَحَدًا﴾ تک

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ .... الخ﴾

اس آیت کا استخراج صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں یوں ہے:

ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن فضیل نے عطا بن سائب' سعید بن جبیر' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بالترتیب حوالوں سے بیان کیا کہ جنات کے قبیلے کے قبیلے سماعت قرآن کے لیے ٹھہر جاتے تھے لیکن نزول وحی کی بات کچھ اور ہے' اس وقت تو ملائکہ کو بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوہ صفا پر لوہے کی شدید چوٹیں پڑ رہی ہوں اور جب وہ وحی کی آواز سنتے تھے تو چیخیں مار کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور جب تک نزول وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا وہ اسی طرح سجدے میں پڑے رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟'' اس کے علاوہ جب واردات سماوی کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تو صرف اتنا کہتے تھے کہ ''ارشاد ربانی حق اور وہی بزرگ و برتر ہے''۔ لیکن جب کلام الٰہی واردات ارضی یا زمین پر موت وحیات کے بارے میں ہوتی تھیں جو اہل زمین کے لیے علم غیب کا درجہ رکھتی تھیں تو اس کی صورت یہ تھی کہ فرشتے فضائے سماوی میں ان پر باہم گفتگو کرتے تھے اور ان کی یہ گفتگو ابلیس یا قوم جنات میں سے کوئی سن لیتا تھا جب کہ وہ آسمان کی طرف پرواز کرتے ہوتے تھے۔ اگرچہ ابلیس اور جنات کو آسمان کی طرف پرواز سے ستاروں کے شہابوں کے ذریعہ روکا جاتا تھا' تاہم اس حالت میں فرشتوں کے مابین گفتگو سے جو کچھ ان کے پلے پڑ جاتا تھا وہ قوم جنات کے دوسرے افراد اور گروہ شیاطین تک ان کے ذریعہ جا پہنچتا تھا۔ اسی لیے عرب کے کاہن حرکات نجوم سے کچھ باتوں کا قیاس کر لیتے تھے۔ ان باتوں کا چرچا اہل تہامہ (عربوں) میں سب سے پہلے قبیلہ ثقیف میں ہوا جس کے پاس بے شمار بکریاں اور اونٹ تھے۔ ہوا یوں کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنات پر سے سماعت قرآن کی پابندی ہٹالی گئی۔ اس طرح جب نزول وحی کے بعد تلاوت قرآن کا آغاز ہوا اور جنات نے اسے سنا اور اپنی قوم کے دوسرے افراد کو سنایا تو شیاطین ان آیات کو لے اڑے جن میں واردات ارضی کا ذکر تھا اور انہوں نے اس کی خبر ابلیس کو دی جس نے قبیلہ ثقیف کے کانوں میں وہ باتیں پھونکیں۔ اس طرح وہ حرکات نجوم سے جو وقت نزول وحی پیدا ہوتی تھیں کچھ باتوں کا اندازہ لگانے لگے اور ان میں وہ لوگ جن کے پاس بکریاں تھیں بکریوں کو ذبح کرنے لگے اور جن کے پاس اونٹ تھے وہ اونٹوں کو ذبح کرنے لگے اور اس طرح ان کے اموال جن میں اگرچہ اہل قبیلہ شریک تھے کم ہونے لگے۔ چنانچہ اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ انہیں ان قیاسی باتوں پر اعتبار کر کے بکریوں اور اونٹوں کو ذبح کر کے روکا گیا۔ عطا بن سائب کے حوالے سے حماد بن سلمہ کی طرح یہ روایت بیہقی اور حاکم سے بھی مروی ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے اسامہ بن زید بن اسلم نے عمر بن عبدان عبسی اور کعب کے بالترتیب حوالوں سے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے وقت تک عربوں میں رمی بالنجوم کا عام رواج تھا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت تک یہ رواج چلا آتا تھا لیکن جب آپ کی بعثت کے بعد حرکات نجوم سے رمی بالنجوم غلط ثابت ہونے لگی تو قریش اپنی بکریوں اور اونٹوں کے گلے انہیں گالیاں دے دے کر کاٹنے لگے اور سمجھے کہ اب دنیا کے فنا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اسی زمانے میں ابوسفیان بن حرب ایک دفعہ اپنے اونٹوں اور بکریوں کے گلوں کی طرف گیا تو یالیل کے غلام نے اس سے رمی بالنجوم کی تغلیط کا ماجرا بیان کیا تو وہ بولا:

''معلوم ہوتا ہے کہ ظہور محمدی (ﷺ) کا وقت قریب آ گیا ہے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے''۔

اس کے بعد رمی بالنجوم سے آپؐ کے ظہور کا اندازہ لگایا گیا۔ لیکن جب وہ غلط ثابت ہوا تو لوگوں کو اور زیادہ یقین ہو گیا کہ روئے زمین پر نوع انسانی کے فنا کا وقت آ گیا ہے لیکن جب آپ کا ظہور وقوع پذیر ہوا تو رمی بالنجوم سے قیاس آرائی کے بارے میں لوگوں کا اعتقاد متزلزل ہونے لگا۔

اسی طرح کی روایات حرکات نجوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے زمانے کے مابین تغیر و تبدل اور رمی بالنجوم کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے عونی کی روایت کی طرح بیہقی اور حاکم سے بھی منسوب کی جاتی ہیں۔ بیہقی اور حاکم کی روایت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دن دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے حاضرین سے دریافت فرمایا:

''کیا آپ لوگ بھی پہلے رمی بالنجوم کے قائل تھے؟''۔

حاضرین نے عرض کیا:

''جی ہاں لیکن اس کو تغلیط سے ہم نے سمجھا تھا کہ سطح ارضی پر یا تو کسی عظیم شخص کی وفات ہونے والی ہے یا کسی عظیم شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے''۔

یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''لا و لا کن'' یعنی کسی عظیم شخص کی وفات تو ہونے والی نہیں تھی لیکن ایک عظیم شخصیت کا ظہور ہونے والا تھا۔ اس سے آپ کی مراد کسی عظیم شخص کی وفات کی نفی اور خود آنحضرت ﷺ کے ظہور مبارک کا اثبات تھا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ تخلیق سماوات کے وقت بھی کواکب کا بسلسلہ حدوث یہی حال تھا۔

ابن اسحٰق نے اپنی کتاب ''سیرت'' میں رمی النجوم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ قبیلہ ثقیف کے کسی بزرگ نے جب دیکھا کہ اس کا قبیلہ ستاروں کے تغیرات دیکھ کر اپنی مویشیوں کو گالیاں دے دے کر جلدی جلدی ذبح کرنے لگتا ہے تو اس نے انہیں اس سے روکا اور ان سے کہا کہ اگر نجوم کی شکست و ریخت مستقل صورت اختیار کر لے تو انہیں گھبرانا چاہیے اور اگر عارضی ٹوٹ پھوٹ کے بعد پھر اپنی اصلی شکل پر آ جائیں تو پھر اس ضیائے اموال سے کیا فائدہ ہے۔ ثقیف کے اس بزرگ کی یہ باتیں عمرو بن امیہ نے سنی تھیں۔ واللہ اعلم

ویسے سدی کا بیان یہ ہے کہ فضائے سماوی میں گڑبڑ اس وقت ہوتی ہے جب زمین پر کسی نبی کا ظہور ہونے والا ہو یا خدا کی

طرف سے کسی نئے دین و مذہب کا اظہار مقصود ہو۔ نیز یہ کہ ظہورِ محمدی (ﷺ) سے قبل شیاطین فلکِ اوّل تک چلے جاتے تھے اور اس سلسلے میں یا دوسرے امور میں احکام الٰہی سے واقفیت حاصل کر کے ابلیس کو ان سے مطلع کرتے جو انہیں اہل زمین پر منکشف کر دیتا تھا۔ تاہم نجوم ان شیاطین اور جنات کو اپنے اپنے شہابوں کے تیر چلا چلا کر آسمان کی طرف صعود سے روکتے تھے اور قبیلہ ثقیف کے لوگ نیز دیگر اہل تہامہ آسمان میں تیر اندازی کو دیکھ کر زمین پر نزول بلیات کا شگون لیتے تھے اور ان افعال کا ارتکاب کرتے تھے جن کا ابھی ذکر کیا گیا۔

ظہور محمدی (ﷺ) کے وقت جب اہل طائف نے آسمان پر شکست و ریخت کے مناظر کے علاوہ فضائے آسمانی میں آگ بھی بھڑکتی دیکھی تو وہ حد درجہ خائف ہو گئے اور انہوں نے جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا اپنے اپنے مویشیوں کو یہ سمجھ کر کہ اہل زمین فنا سے ہمکنار ہونے والے ہیں جلدی جلدی سب و شتم کے ساتھ ذبح کرنا شروع کر دیا تو ان کے ایک بزرگ نے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا انہیں سمجھایا۔ یہ روایت بعض راویوں نے عبد یالیل بن عمرو ابن عمیر سے منسوب کی ہے اور بعض کا بیان ہے کہ وہ ابن ابی کبشہ تھا۔ واللہ اعلم

زمین پر ظہور محمدی اور بعثت نبوی (ﷺ) کے وقت جب شیاطین و جنات آسمان کی طرف پرواز سے بالکل قاصر رہے تو انہوں نے فضائے آسمانی سے شعلہ فشانی کا واقعہ اپنے سربراہ ابلیس کو سنایا تو اس نے آپ کی بعثت کے بعد آپ پر نزول وحی کے زمانے میں کچھ جنات کو مکے کی جانب روانہ کیا۔ ان جنات نے وہاں تلاوت قرآن سنی تو جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام میں ان کے تحیر کی خبر دی یعنی وہ کلام الٰہی سن کر حیران رہ گئے بلکہ جیسا کہ بعض مستند روایات سے ثابت ہے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

واقدی ظہور محمدی (ﷺ) کے زمانہ کا واقعہ محمد بن صالح کی زبانی ابن ابی حکیم یعنی اسحٰق اور عطا بن یسار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعثت نبوی (ﷺ) کی اگلی صبح شیاطین نے بتوں کو سربسجود یعنی اوندھا پڑا دیکھا تو انہوں نے اس کی خبر اپنے سربراہ ابلیس کو دی۔ اس پر وہ بولا:

''یہ زمین پر کسی انسان کی بحیثیت نبی بعثت کی علامت ہے اور انہیں اریاف کی بستی کی طرف خبر لانے کے لیے بھیجا لیکن وہ آپ کو نہ دیکھ سکے تو وہ خود مکے پہنچا اور جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سن کر بیان کیا کہ اس نے آپ کو قرن ثعالب میں دیکھا اور اپنے چیلوں سے واپس آ کر بولا: ''میں (نعوذ باللہ) اسے دیکھ آیا ہوں اور اس کے پاس جبریل علیہ السلام بھی تھے مگر میں اس پر ضرور غالب آؤں گا لیکن تم نے اس سلسلے میں کیا کارروائی کی ہے؟''۔

اس سوال کا جواب ابلیس کے چیلوں نے یہ دیا کہ انہوں نے اس شخص کے ساتھیوں کو دیکھا ہے اور ان کی آنکھوں میں طمع کی آگ بھڑکا دی ہے۔ یہ سن کر ابلیس مطمئن ہو گیا اور بولا:

''چلو یہ اچھا ہوا''۔

واقدی نے طلحہ بن عمرو کی زبانی ابن ابی ملیکہ اور عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے بقول نبی کریم ﷺ کی بعثت کے دن جب شیاطین کو آسمان کی طرف پرواز سے تاروں کے شہابوں کے ذریعہ روکا گیا تو انہوں نے اس کا ذکر ابلیس سے کیا اور اس نے ان سے وہی کہا جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں اور انہیں شام کی طرف روانہ کیا۔ جب انہوں نے شام سے واپس آ کر ابلیس کو اطلاع دی کہ انہوں نے تو وہاں کسی نبی کو نہیں دیکھا تو وہ بولا:

''تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں''۔

اس کے بعد وہ مکے کی طرف گیا اور حرا میں آپ کو اور جبریل کو دیکھا۔ پھر وہاں سے واپس آ کر شیاطین سے یہ واقعہ بیان کیا اور ان سے پوچھا:

''اب تم کیا کہتے ہو؟''۔

وہ بولے:

''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ روئے زمین پر نوع انسانی اس شخص کی طرف رجوع کر کے ہم پر سبقت لے جائے گی''۔

اور جیسا کہ اب صورت حال ہے درحقیقت وہی ہوا۔ تاہم اس وقت جیسا کہ واقدی نے طلحہ ابن عمرو کی زبانی عطاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابلیس نے شیاطین سے سارا واقعہ سن کر کہا:

''یہ واقعہ کوہ ابوقبیس پر پیش آیا ہے (ابوقبیس روئے زمین پر سب سے پہلا پہاڑ ہے) اس کے بعد ابلیس نے رسول اللہ ﷺ کو مقام نزولِ وحی کے عقب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور گروہ شیاطین میں سے ایک سے کہا: اس کی گردن توڑ ڈالو''۔

اس وقت جبریل علیہ السلام آپؐ کے پاس تھے اور انہوں نے اس شیطان کو مار کر بھگا دیا اس واقعے کو واقدی اور ابواحمد زبیری دونوں نے رباح بن ابی معروف' قیس بن سعد اور مجاہد کے بالترتیب حوالے سے بیان کیا ہے۔ مجاہد کا بیان یہ ہے کہ ابلیس خود (بمطابق حدیث) آپ پر حملہ آور ہوا تھا تو جبریل علیہ السلام نے اس کے اپنی ایڑی ماری تھی اور وہ بھاگ کر عدن کی طرف چلا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کے طریقے اور اس وقت آپ کی جسمانی کیفیت

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ .... ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ الخ ﴾

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ .... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا الخ ﴾

یہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے کا ذکر ہے جب آنحضرت ﷺ کو جبریل علیہ السلام کی زبانی کلام الٰہی سن کر اسے تلاوت میں شامل کرنے کا بے حد اشتیاق رہا کرتا تھا اس لیے اللہ جل شانہٗ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ پہلے استماع وحی پر اکتفا کریں اور اسے اس کی تلاوت و تبلیغ سے قبل اسے صرف اپنے سینہ مبارک میں محفوظ رکھیں۔ پھر اسے سمجھ کر دوسروں کے لیے اس کی تفسیر و ضاحت فرمائیں جو اس کا مقصد ہے۔ ان آیات ربانی میں اوقاف و رموز کے تعلق سے آنحضرت ﷺ کو جو حکم دیا گیا اس کی حکمت خود ان آیات خصوصاً رب زدنی علماً سے بخوبی واضح ہے۔ ویسے صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں موسیٰ بن ابی عائشہ کی سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ استماع وحی کے دوران میں بوجہ اشتیاق بے حد اس کے اعادے کے لیے لب ہائے مبارک کھولا کرتے تھے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسے صبر کے ساتھ سماعت فرمانے' اسے اپنے سینے میں محفوظ رکھنے اور جبریلؑ کے چلے جانے کے بعد اس کی قرأت اور دوسروں کے سامنے اس طرح درجہ بدرجہ اس کی وضاحت کا حکم دیا اور کلام الٰہی کے تحفظ کا بھی وعدہ فرمایا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس کے بعد قرآن شریف رسول اللہ ﷺ پر نزول ہوتا رہا اور آپ اس کے مصدق و متحمل ٹھہرے' تحمل وحی کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئی اور پھر اسی کے حکم سے اس کی تلاوت و تشریح و توضیح ان پر فرض کی گئی جو کلام الٰہی کے نزول پر انبیاء کا مقصد تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی احکام خداوندی پر عمل فرمایا' یہ بات الگ ہے کہ جب آپؐ نے اپنی نبوت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا جو اس کے حکم کے عین مطابق تھا تو لوگوں نے آپ کو طرح طرح سے اذیتیں دیں اور حد درجہ تکالیف پہنچائیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر پہلی بار نزول وحی کے بعد سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد آپؐ پر ایمان لائیں آپؐ پر کلام الٰہی کے نزول اور اس کے معانی و مفاہیم کی تصدیق کی۔ اس کے بعد جوں جوں اشاعت اسلام کی

ہدایات پرمبنی آیات آپؐ پر نازل ہوتی رہیں آپؐ ان کا اعادہ بلا خوف وخطر لوگوں کے سامنے فرماتے رہے لیکن آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے آپ پر ایمان لانے والی اور سب سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہی تھیں۔

ابن اسحٰق اپنے والد عبداللہ بن جعفر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''(درحقیقت) مجھے خدا کی طرف سے القا ہوا تھا کہ میں اپنی نبوت کی بشارت سب سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قصب میں دوں جہاں کوئی صخب ونصب نہیں تھا''۔

اس حدیث کی روایت صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں ہشام سے منسوب ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ قصب کو اب (عموماً) ''لولوئے مجوف'' کہا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے اپنے اہل خاندان کی طرف سے مطمئن ہونے کا حکم دیا گیا اس کے بعد یہ حکم آیا کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کریں اور انہیں احکام الٰہی پہنچائیں۔ تاہم یہ کام بھی پہلے خفیہ طریقے سے ہو۔ جب آپ اپنے اہل خانہ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نماز فرض ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والی اور آپ کی تصدیق کرنے والی خاتون خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) تھیں۔

پانچ وقت کی نماز شب اسراء میں فرض ہوئی لیکن اوّل اصل نماز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی زندگی ہی میں واجب ہو چکی تھی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والی اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی نوع انسانی میں پہلی ہستی تھیں۔ جب جبریل علیہ السلام نے آپؐ کے پاس آ کر پہلی بار آپ کو خدا کی طرف سے نماز کی فرضیت کا حکم پہنچایا تو آپؐ نے وادی میں نماز پڑھی اور آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوکر جبریل علیہ السلام نے وضو کیا اور چار سجدوں کے ساتھ نماز کی دو رکعتیں ادا کیں۔ اس کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لائے جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھوں کو خنک اور اپنے فضل وکرم سے آپؐ کے نفس کو طیب وطاہر فرما چکا تھا اور آپ کو واجبات حیات کا حکم دے چکا تھا۔ گھر پہنچ کر آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور انہیں چشمہ زمزم پر لائے' پھر آپؐ نے اور آپ کی زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آب زمزم سے اسی طرح وضو کیا جس طرح جبریل علیہ السلام نے بتایا تھا اور اس کے بعد دونوں۔ نے چار سجدوں کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آئندہ گھر کے اندر ہی راز داری کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے جبریل علیہ السلام کے ساتھ آپؐ نے پہلی بار نماز پڑھی تھی اس کے بعد شب اسراء میں پانچ وقت کی نماز فرض ہونے سے پہلے اوّل وآخر صرف دو بار گھر میں نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل ثقاہت کے ساتھ ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کی جائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ

متقدمین صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ میں اسلام لانے والے پہلے اشخاص

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک روز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں آئے جب آپؐ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز پڑھ رہے تھے جب آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے دریافت کیا:

''آپؐ لوگ یہ کیا کر رہے تھے؟''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

''یہ اللہ کا دین ہے جس نے مجھے پاک صاف بنا دیا ہے۔ اس دین کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس نے لات و عزیٰ کے پجاریوں کو مشرک اور کافر قرار دیا ہے''۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے:

''میں نے یہ بات پہلے کبھی نہیں سنی۔ میں اس کے بارے میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اپنے والد ابی طالب سے نہ پوچھ لوں''۔

یہ سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متفکر ہوئے کہ کہیں علی رضی اللہ عنہ اس راز کو اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ اس کے انکشاف کا حکم دے فاش نہ کر دیں۔ اس لیے آپؐ نے ان سے کہا:

''اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ابھی اس کا اظہار نہ کرنا''۔ [1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین اس گفتگو کو ایک رات ہی گزری تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کے لیے وقعت پیدا کر دی تھی اور آتے ہی بولے:

''آپؐ نے مجھ سے کل کیا ارشاد فرمایا تھا؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له و تکفر باللات و العزیٰ و تبرأ من الانداد.

''یعنی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور لات وعزیٰ کی پرستش سے انکار کر دو

---

[1] مصری نسخے میں ''اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے'' کی جگہ ''اگر تم نہیں سنتے'' تحریر ہے۔

اور جملہ برائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرو''۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان جملہ باتوں کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے لیکن انہوں نے ابی طالب کے خوف سے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور اس کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے ایک ماہ بعد ابی حارثہ یعنی زید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا کہ وہ قبل اسلام بھی رسول اللہ ﷺ کے سب سے پہلے ساتھی ٹھہرائے گئے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ابن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہیں اللہ نے اوّل المسلمین بنا کر اپنے کرم سے نوازا وہ بلحاظ اصابت قریش میں حد سے زیادہ عظمت کے حامل تھے حالانکہ ان کے والد بزرگوار ابی طالب بڑے کثیر العیال شخص تھے۔ لیکن وہ بھی اس کے باوجود بلحاظ اصابت بڑے ذمہ دار آدمی تھے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے ان کی کثیر العیالی کے پیش نظر ان کے اقتصادی بار میں تخفیف کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی تھی اور اس طرح علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی اتباع کی اور آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کی یحییٰ بن اشعث الکندی کے حوالے سے جو اہل کوفہ میں سے تھے اس سلسلے میں جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ ان سے اسماعیل بن ابی ایاس بن عفیف نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا (عفیف اپنی ماں کے رشتے سے اشعث بن قیس کے بھائی تھے) عفیف نے اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا سے جو بیان نقل کیا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

عفیف کے دادا نے بیان کیا:

''میں جو کوفے کے امراء اور بڑے تاجروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر منیٰ پہنچا اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے جو خود بھی مکے کے امراء اور تاجروں میں سے تھے ایک روز وہاں کچھ خرید و فروخت کی باتیں کر رہا تھا کہ ہم دونوں کے پیچھے سے آ کر ایک جوان شخص ہمارے درمیان سے گزرا اور پھر خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد وہاں ایک عورت آئی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے لگی' پھر اسی وقت ایک نوعمر لڑکا آیا اور وہ بھی اس جوان آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر میں نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ جوان آدمی کون ہے؟''۔

وہ بولے:

''کیا تم اسے نہیں جانتے؟''۔

میں نے کہا: ''نہیں''۔

تو انہوں نے مجھے بتایا کہ:

''یہ میرا بھتیجا محمد (ﷺ) بن عبداللہ ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ اسے خدا نے اس سرزمین پر بطور نبی مبعوث کیا ہے''۔

میں نے ان سے پوچھا کہ:

''یہ کون سا دین ہے؟''۔

تو وہ بولے:

''یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن یہ خود کو خدا کا رسول بتاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے عنقریب اس کے لیے کھل جائیں گے اور یہ عورت اس کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد ہے اور یہ لڑکا میرا بھتیجا علی بن ابی طالبؓ ہے۔ ان دونوں نے اس کا لایا ہوا دین جسے یہ اسلام کہتا ہے قبول کر کے اس کی رسالت کی تصدیق کر دی ہے''۔

جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے عباس ابن عبدالمطلب کی زبان سے یہ سن کر عفیف نے کہا:

''کاش میں آج ہی اور اسی وقت مسلمان ہو کر اس لڑکے کے بعد (مردوں میں) دوسرا مسلمان ہو جاتا''۔

اسی قسم کی ایک روایت ابن اسحٰق کے حوالے سے ابراہیم بن سعد سے مروی ہے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ان کے پیچھے سے سامنے آ کر خانہ کعبہ کے قریب پہنچ کر ایک شخص نے نماز پڑھی۔ ابن اسحٰق نے اپنی اس روایت میں خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کے نماز پڑھنے کا ذکر بھی کیا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبید المحاربی اور سعید بن خثیم نے اسد بن عبدہ بجلی اور یحییٰ بن عفیف کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر زمانہ جاہلیت میں مکہ گیا اور عباس بن عبدالمطلب کے مکان پر ٹھہرا۔ دوسرے دن جب سورج نکلا اور آسمان پر خوب روشنی پھیل گئی تو اس نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھا جہاں ایک جوان شخص آسمان کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں نکل کر سیدھی آسمان کی طرف جا رہی تھیں' پھر وہ شخص حریم کعبہ کی طرف بڑھ گیا اور وہاں جا کر جم کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ذرا دیر بعد ایک نوعمر لڑکا آیا اور اس جوان کے داہنی طرف کھڑا ہو گیا' پھر ایک عورت آئی اور ان دونوں کے پیچھے جم کر کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ جوان شخص گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکا تو وہ دونوں بھی اس کے ساتھ جھک گئے اور جب وہ شخص سجدے میں گیا تو وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی سربسجود ہو گئے یہ دیکھ کر ابن عفیف نے عباس ابن عبدالمطلب سے کہا: ''یہ تو بڑی عجیب و عظیم بات ہے''۔ اس پر عباس بن عبدالمطلب نے کہا: ''واقعی یہ بڑی عظیم بات ہے''۔ پھر انہوں نے ابن عفیف سے پوچھا: ''کیا تم اس جوان شخص کو جانتے ہو؟'' ابن عفیف بولا: ''نہیں'' اس پر عباس بن عبدالمطلب نے اسے بتایا: ''یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے''۔ پھر انہوں نے ابن عفیف سے پوچھا: ''کیا تم اس لڑکے کو جانتے ہو؟''۔ اور ابن عفیف کے انکار پر انہوں نے اسے بتایا:

''یہ میرے ایک دوسرے بھائی کا بیٹا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہے''۔

پھر انہوں نے ابن عفیف سے کہا:

''تم شاید اس عورت کو بھی نہ جانتے ہو گے''۔

جب ابن عفیف نے پھر انکار کیا تو وہ بولے:

''یہ میرے بھتیجے محمد کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے ابن عفیف سے کہا:

''میرے اس بھتیجے محمد بن عبداللہ کی طرح یہ دونوں بھی یہی کہتے کہ زمین وآسمان اور ساری مخلوقات کو پیدا کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اس لیے ہر انسان کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے''۔

اس کے بعد وہ بولے:

''میرے خیال میں اس وقت ان تین افراد کے علاوہ روئے زمین پر اس دین کو ماننے والا کوئی اور نہیں ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے ابن حمید' عیسیٰ بن سوادہ بن ابی جعد' محمد بن منکدر' ربیعہ بن عبدالرحمٰن' ابو حازم اور کلبی نے بیان کیا کہ:

''علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے والوں میں پہلے شخص ہیں''۔

اس پر کلبی نے یہ بھی اضافہ کیا کہ علی کی عمر اسلام لانے کے وقت نو سال تھی مگر ہم سے ابن حمید اور سلمہ نے ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نماز پڑھی دس سال تھی نیز یہ کہ وہ قبل اسلام بھی آپ ہی کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ واقدی کہتے ہیں کہ انہیں یہ اطلاعات ابراہیم کے ذریعہ نافع' ابن ابی نجیح اور مجاہد کے حوالے سے فراہم ہوئیں۔ ابراہیم نے مذکورہ بالا حضرات کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کے جملہ ساتھیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سال بعثت ہی میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد تھیں اور مردوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے۔ محمد بن کعب نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور یہ بھی کہ وہ اپنے اسلام لانے کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے' تاہم جب ایک دن ان کا اپنے والد ابی طالب سے سامنا ہوا تو انہوں نے ان سے پوچھا ''کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جی ہاں یہ صحیح ہے''۔ اس پر ان کے والد بولے: تم ان کے یعنی اپنے ابن عم کے ساتھ رہو اور ان کی مدد بھی کرو۔ محمد بن کعب نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اپنے ایمان لانے کا سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اظہار کیا تھا۔ ابن جریر نے اپنی کتاب تاریخ میں شعبہ کا جو بیان ابی بلج' عمرو بن میمون اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم سے عبدالحمید بن یحییٰ اور شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل اور جابر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پیر کے روز ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتداء میں منگل کے دن نماز پڑھی۔ شعبہ کا یہ بیان عمرو بن مرہ اور انصار میں سے ایک شخص ابی حمزہ کے حوالے سے مروی ہے کہ آخر الذکر نے زید بن ارقم کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے اور آپ پر ایمان لانے والے پہلے شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے لیکن جب زید بن ارقم کی یہ بات نخعی

سے بیان کی گئی تو اس نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ اس سے عبید اللہ بن موسیٰ اور علا نے ضرور کہا تھا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز یہ فرمایا کہ:

''میں اللہ کا بندہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے بڑا یعنی سب میں پہلا شخص ہوں' میرے بعد اگر کوئی شخص اس بات کے خلاف کچھ کہے گا تو وہ کاذب اور افترا پرداز ہوگا' میں نے سات سال کی عمر میں نماز پڑھی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول ابن ماجہ نے محمد بن اسماعیل رازی اور عبید اللہ بن موسیٰ فہمی کے حوالے سے روایت کیا ہے نیز اس سلسلے میں علا بن صالح ازدی کوفی کا حوالہ دیا ہے (عبید اللہ بن موسیٰ فہمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صادق القول اشخاص میں سے تھا اور اس کے شیعہ ہونے کے باوجود علا بن صالح ازدی کوفی نے اس کے ثقہ ہونے کی تصدیق کی ہے) لیکن ابوحاتم کے بقول وقدیم شیعوں میں سے تھا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ فہمی نے ابن عمرو کے حوالے سے جو روایات پیش کی ہیں وہ متنازعہ اور مختلف فیہ ہیں اگرچہ خود ابن عمرو کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ بہرکیف عبید اللہ بن موسیٰ فہمی کی اس روایت کو خود اس کے ایک بزرگ عباد بن عبد اللہ نے جو الاسدی کوفی کے نام سے مشہور ہیں ضعیف بتایا ہے اور علی بن مدینی نے بھی یہی کہا ہے نیز بخاری بھی اسے محل نظر کہتے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود کہ ابن حبان نے اس راوی کو ثقات میں شمار کیا ہے یہ روایت بہرحال حدیث منکر سمجھی جاتی ہے۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ انہوں نے سات سال کی عمر میں دوسروں سے قبل نماز یقیناً نہیں پڑھی ہوگی۔ ان امور کے پیش نظر اس امکان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے خدا بہتر جانتا ہے۔ متاخرین کے بیانات یہ ہیں کہ مردوں میں سب سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے اس وقت وہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور یہ بات بہت مشہور ہے اور جملہ اہل بیت کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ بہرحال احرار میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا کیونکہ اس وقت قریش میں سب سے زیادہ صاحب تعظیم و تکریم اور دولت مند شخص وہی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت سب سے زیادہ دی اور وہی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محبت میں پیش پیش تھے اور آپؐ کے زیر فرمان اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرتے تھے جس کا ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیل سے کریں گے۔

یونس ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ بعد بعثت نبویؐ سب سے پہلے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپؐ سے ملے تو انہوں نے دریافت کیا:

''یا محمدؐ! جو کچھ آپؐ نے اہل قریش سے فرمایا ہے کیا وہ سچ ہے؟ کیا آپؐ نے فرمایا ہے کہ ہمارے معبود معبود نہیں ہیں' کیا آپ ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں' ہماری عقلوں کو کمتر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کافر تھے؟''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں بے شک میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں' خدا نے مجھے اپنے پیغام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہے میں تمہیں بھی قبول حق کی دعوت دیتا ہوں جو واقعی حق ہے' اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں جو واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی معبود حقیقی ہے تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کیا کرو''۔

اس کے بعد آپ نے انہیں قرآن کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں جس کے بعد وہ بھی بت پرستی کو کفر اور پرانی روایات کو غلط سمجھ کر حق کے دائرے سے رجوع کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گئے اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا اس کی حرف بہ حرف تصدیق کی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حصین تمیمی نے (رسول اللہ ﷺ) کی یہ حدیث روایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے کسی ایسے شخص کو اسلام کی دعوت نہیں دی جس کے پاس عقل و ذہانت نہ تھی اور اس پر غور و خوض نہیں کر سکتا تھا اور ایسے لوگوں میں سب سے پہلے شخص ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تھے اور انہوں نے کسی فکر و تردد کے بغیر فوراً اس کی تصدیق کی''۔

یہ حدیث ایسی ہے جس میں کوئی التباس و اختلاف نہیں ہے۔ خود ابن اسحاق نے بجائے خود کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ ابن اسحٰق وغیرہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل بھی آپؐ کے دوست تھے اور آپ کی صداقت' امانت' خوبی کردار اور مکارم اخلاق سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ آپؐ نے کسی سے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی تھی۔ چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں (نعوذ باللہ) کذب سے کس طرح کام لے سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کی رسالت کو اس کے بارے میں آپ کی زبان مبارک سے سنتے ہی تصدیق کر دی۔ ہم نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے اسلام لانے کی تفصیل اپنی اس کتاب میں پیش کی ہے جو ہم نے ان کی سیرت پر لکھی ہے اور اس میں ان کی سیرت اور خصائل و شمائل پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے بعد ہم نے اسی طرح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں بھی سیرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور ان دونوں کتابوں میں وہ جملہ احادیث بھی درج کر دی ہیں جو ان دونوں حضرات رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ نیز ان کتابوں میں ان کے احوال و آثار کے علاوہ ان کے احکام اور فتوے بھی بحمد اللہ تفصیل سے پیش کیے ہیں۔ ان کتابوں کی تین جلدیں ہیں۔ ویسے صحیح بخاری میں بھی ابی درداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان دونوں حضرات کے فضائل و خصائص بیان کیے گئے ہیں جو احادیث نبوی پر مبنی ہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں میں بحیثیت نبی مبعوث فرمایا ہے' تم بتاؤ کیا میں غلط کہتا ہوں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم میرے ساتھیوں میں سے میری رسالت کی تصدیق کرنے والے پہلے شخص ہو''۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بات دوبارہ ارشاد فرمائی اور یہ حدیث شریف نصوص قطعی کی طرح مستند ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے شخص تھے۔ اس سلسلے میں ترمذی اور ابن حبان نے شعبہ کی یہ روایت سعید بن جریری' ابی نضرہ اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے کہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آخر الذکر سے ایک دفعہ یہ سوال کیا:

''کیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے والوں اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں پہلا شخص نہیں ہوں؟''۔

بہلول بن عبید کی طرح ابن عساکر کا بیان یہ ہے کہ ان سے ابواسحاق سبیعی نے حارث کے حوالے سے جو کچھ کہا وہ یہ ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول مسلمان مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھنے والے وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ شعبہ عمرو بن مرہ' ابی حمزہ اور زید بن ارقم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) تھے۔ شعبہ کی یہ روایت احمد' ترمذی اور نسائی سے منقول ہے۔ خود ترمذی نے شعبہ کی اس روایت کو روایات حسن میں شمار کیا ہے۔ تاہم شعبہ ہی کے ذریعے عمرو بن مرہ' ابی حمزہ اور زید بن ارقم کے حوالے سے جو روایت آئی ہے اس کے مطابق سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے شعبہ کی بیان کردہ روایت ابراہیم نخعی کو بتائی تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ بہرکیف جماعت اسلاف میں ابی اروی دوسی اور ابومسلم بن عبدالرحمٰن کی اسناد کے ساتھ واقدی کا بیان یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے یعنی اسے قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ یعقوب بن سفیان بھی یہی کہتے ہیں کہ ان سے ابوبکر حمیدی اور سفیان بن عیینہ نے مالک بن مغول کے حوالے سے بیان کیا کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ میں نے حسان بن ثابت کے اس سلسلے میں جو اشعار سنے ہیں ان سے بھی اس آخری روایت کی تصدیق ہوتی ہے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار یہ ہیں:

ترجمہ: ''جب تم میرے ثقہ بھائیوں میں کسی کا تذکرہ کرو تو بلحاظ اعمال ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرو وہ بلحاظ عدل دو فاخیر خلائق ہیں۔ وہی بعد نبیؐ ذمہ دار اور اوّل الایمان ہیں' آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نیک ترین اور قابل تعریف اور سب سے پہلے آپ کی رسالت کے مصداق وہی ہیں وہی آپ کی زندگی اور آپؐ کے بعد بھی اتباع احکام الٰہی اور احکام رسول میں سب سے آگے ہیں''۔

ابوبکر بن شعبہ کی روایت یہ ہے کہ ان سے ان کے استاد نے مجالد اور عامر کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا یا ان سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے اسلام کس نے قبول کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جو کچھ سنا تھا وہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ایسی ہی ایک روایت ہیثم بن عدی کی مجالد اور عامر شعبی کے حوالے سے منقول ہے کہ آخر الذکر نے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے اسے بھی وہی جواب دیا کہ میں اسے پہلے ہی بیان کر چکا ہوں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ایمان لانے والوں میں پہلے شخص تھے ابوالقاسم بغوی کا بیان ہے

کہ ان سے سریج بن یونس اور یوسف بن ماجشون نے اپنے بزرگوں کے حوالے سے جن میں محمد بن منکدر' ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن' صالح بن کیسان اور عثمان بن محمد شامل ہیں۔ بیان کیا کہ ان بزرگوں کے بیانات کے مطابق اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان کی قوم یعنی عربوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔

جہاں تک میری اپنی معلومات کا تعلق ہے تو مجھ تک یہ روایت ابراہیم نخعی' محمد بن کعب' محمد بن سیرین اور سعد بن ابراہیم کے حوالے سے پہنچی ہے۔ آخر الذکر جمہور اہل سنت میں مشہور شخصیت ہیں۔ ان تمام حوالوں سے سابقہ روایات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سعد بن ابی وقاص اور محمد بن حنفیہ کا بیان بھی یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ صرف اوّل الاسلام بلکہ افضل الاسلام ہیں یعنی ایمان لانے والوں میں عظمت و بزرگی کی حیثیت سے افضل ہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ خود ان سے قبل پانچ اشخاص مسلمان ہو چکے تھے۔ صحیح بخاری میں عمار بن یاسر کے حوالے سے ہمام بن حارث کی بیان کردہ یہ روایت درج ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچ اشخاص کو نماز پڑھتے دیکھا جن میں دو عورتیں اور ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے عاصم بن ابی نجود کی روایت زر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یوں بیان کی ہے کہ پہلے پہل اسلام کا اظہار کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سات افراد تھے اور وہ آپ کے علاوہ ابوبکر' عمار' ان کی والدہ سمیہ' صہیب' بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اوّل اوّل اپنے چچا سے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم کے سامنے اظہار اسلام کو خود اللہ تعالیٰ نے ممانعت کر دی تھی۔ باقی لوگوں کو کافروں نے زنجیریں پہنا کر دھوپ میں تپتی زمین پر (بارہا) کھڑا رکھا لیکن خدا کے فضل سے ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ ان کے مالک نے انہیں اپنے دو بیٹوں کے سپرد کر دیا تھا جو ان کی گردن میں رسی ڈال کر انہیں مکے کی سڑکوں پر ہر طرف گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن وہ خدا کے عشق میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ ان کی زبان سے احد احد کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔ اسی قبیل کی ایک روایت نوری نے منصور اور مجاہد کے حوالے سے پیش کی ہے۔ ابن جریر یہ روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سے ابن حمید اور کنانہ بن جبلہ[1] نے ابراہیم بن طہمان' حجاج بن قتادہ' سالم بن ابی جعد اور محمد بن سعد بن ابی وقاص کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والوں میں سب پر سبقت رکھتے ہیں تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان سے قبل پچاس آدمیوں میں سے اکثر اشخاص مسلمان ہو چکے تھے تاہم وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ منکر روایات میں سے ایک روایت ہے جو ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ابن جریر نے متاخرین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارثہ مسلمان ہوئے تھے۔ پھر ابن جریر ہی واقدی کی طرح ابن ابی ذئب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے زہری سے دریافت کیا کہ عورتوں میں سب سے پہلے کون سی خاتون مسلمان ہوئی تھی تو انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا اور جب میں نے مردوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ اسی طرح عروہ اور سلیمان بن

---

[1] دو اصلی نسخوں میں حبلہ ہی لکھا ہے لیکن ابن جریر نے محمود امام کے حوالے سے جبلہ تحریر کیا ہے۔ (مؤلف)

یسار وغیرہ نے بھی مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والا شخص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کو بتایا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان جملہ اقوال میں صرف یہ قول قابل قبول ہے اور انہوں نے صرف اسی کو تسلیم کیا ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا' غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور اس کا اظہار بھی کر دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں استقامت کی دعا کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے خیر خواہ اور اس سے محبت کرنے والے تھے اور نسباً بھی قریش کے اعلیٰ ترین لوگوں میں سے تھے۔ وہ قریش کی تمام بھلی بری باتوں سے بخوبی واقف تھے اور ایک تاجر کی حیثیت سے لوگوں میں خلیق اور بامروت مشہور تھے اور ان کی قوم قریش بھی آپ کے علم وفضل' علم مجلسی اور اخلاق وعادات حسنہ کی بناء پر آپ کو حد سے زیادہ چاہتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دوستوں اور شناساؤں میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جن پر انہیں مکمل اعتماد تھا اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے انہیں کی کوشش سے زبیر بن عوام' عثمان بن عفان' طلحہ بن عبید اللہ' سعد بن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم مسلمان ہونے پر آمادہ ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ جب آپؐ نے ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں تو یہ سب لوگ فوراً ایمان لے آئے۔ اسی طرح وہ آٹھ افراد بھی تھے جو سابق الاسلام کہلاتے ہیں اور جنہیں آپ کی رسالت کی تصدیق میں ذرا سا بھی تامل نہیں ہوا تھا اور انہوں نے کلام الٰہی کو فوراً کلام الٰہی تسلیم کر لیا تھا۔

محمد بن عمر واقدی کا بیان ہے کہ انہیں ضحاک بن عثمان نے مخرمہ بن سلیمان والبی اور ابراہیم بن محمد بن ابی طلحہ کے حوالے سے بتایا کہ جب ایک دن آخر الذکر حضرت سوق بصری کی عبادت گاہ میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے تو انہوں نے ان سے دریافت کیا تھا:

''اے اہل عرب! کیا تمہارے ساتھ اہل حرم میں سے بھی کوئی شخص یہاں موجود ہے؟''۔

اس پر خود طلحہ نے جواب دیا تھا:

''جی ہاں' میں خود انہیں میں سے ہوں''۔

یہ سن کر حضرت سوق بصری نے پوچھا:

''کیا تم میں سے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعلانِ رسالت کیا ہے؟''۔

طلحہ نے ان سے دریافت کیا: ''کون احمدؐ؟''۔

یہ سن کر انہوں نے بتایا: ''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب''۔ پھر بولے:

''یہی وہ مہینہ ہے جس میں وہ خدا کی طرف بہ حیثیت نبی مبعوث ہونے والے تھے۔ ان کا شمار حرم والوں میں ہے اور وہ خدا کے آخری نبی ہیں' وہی مکے سے نخلستان کی سرسبز وشاداب زمین (مدینہ) کی طرف ہجرت کریں گے اور تم ان پر

ایمان لانے والے پہلے لوگوں میں سے ہوگئے''۔

طلحہ کہتے ہیں کہ:

''حضرت سوق بصری کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی جب میں مکے پہنچا اور لوگوں سے پوچھا تو کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے اعلانِ رسالت کی تصدیق کی پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے پوچھا: کیا تم نے ان کے اعلانِ رسالت اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق کی ہے؟۔ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو میں بھی آپ کی تصدیق رسالت پر مائل ہوکر اسے برحق سمجھنے لگا۔ اس کے بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگیا اور حضرت سوق بصری کی باتیں بھی آپ کے گوش گزار کیں''۔

جب حضرت ابوبکر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہو چکے تھے تو ایک دن انہیں نوفل بن خویلد بن عدویہ نے جو''شیر قریش'' کے نام سے مشہور تھا راستے میں پکڑ کر رسی سے مضبوط باندھ دیا' بنوتمیم بھی اس میں مخل نہیں ہوئے۔ نوفل نے حضرت ابوبکر اور حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہما) کو شیر وشکر' کہہ کر ان کے اسلام کو ان دونوں کی ملی بھگت بتایا۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''یا اللہ تو ابن عدویہ کے شر کو اسی تک محدود رکھ اور ہمیں اس سے پناہ دے''۔

یہ روایت بیہقی کی ہے۔

حافظ ابوالحسن خثیمہ بن سلیمان طرابلسی کہتے ہیں کہ ان سے عبیداللہ بن محمد بن عبدالعزیز عمری قاضی' مصیصہ' ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ' ابی عبیداللہ' عبداللہ (بن محمد) بن عمران ابن ابراہیم بن محمد بن طلحہ نے بیان کیا کہ آخرالذکر کو ابی محمد بن عمران نے قاسم بن محمد بن ابی بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بتایا کہ ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں بھی آنحضرت ﷺ کے دوست تھے ایک دن آپؐ سے ملاقات کے لیے اپنے گھر سے نکلے اور جب آپؐ سے ملے تو بولے:

''اے ابوالقاسم! اب آپؐ اپنی قوم کو برا بھلا کہتے ہیں' کیا درست ہے؟''۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں''۔

جب آپؐ نے ان سے یہ بات کہی تو وہ اسے سنتے ہی آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد آپؐ ان سے جدا ہوکر آگے تشریف لے گئے۔ آپؐ ان کے اسلام قبول کرنے سے حد درجہ مسرور تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خوشخبری عثمان بن عفان' طلحہ ابن عبیداللہ' زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو سنائی تو وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگلے دن عثمان بن مظعون' ابی عبیدہ بن جراح' عبدالرحمٰن بن عوف' ابی سلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم کے پاس گئے اور انہیں اپنے اور مذکورہ اصحاب کے مسلمان ہونے کا حال سنایا تو وہ بھی سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ ان سے ابن محمد بن عمران نے قاسم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک اور روایت بھی بیان کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ ایک جگہ جمع ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد اڑتیس تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے ان سب کی طرف سے جس میں وہ خود بھی شامل تھے اظہار اسلام کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہم لوگوں کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے''۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے وہی درخواست پھر کی تو آپؐ نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ سب لوگ جو اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے دس دس کی تعداد میں بٹ کر مسجد کے مختلف گوشوں میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ان کے درمیان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کے قریب بیٹھے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس طرح مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جس نے پہلی بار ان کے سامنے تقریر کی اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنتے ہی کفار نے ہر طرف سے آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور انہیں شدید ضربات پہنچائیں۔ سب سے زیادہ چوٹیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آئیں۔ انہیں فاسق و فاجر عتبہ بن ربیعہ نے اپنے جوتوں کی ایڑیوں سے زدوکوب کیا تھا اور اس سے آپؓ کے چہرے پر اتنی شدید ضربات آئی تھیں کہ اس کی پہچان مشکل تھی۔ عتبہ بن ربیعہ آپ کے پیٹ پر ضربیں لگا رہا تھا کہ وہاں بنو تمیم انہیں بچانے آ گئے تو ان حملہ آوروں نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ تاہم ابو تمیم کے کچھ لوگوں نے کسی نہ کسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی چادر میں لپیٹ کر ان کے گھر پہنچا دیا لیکن کسی کو ان کے جانبر ہونے کی امید نہ تھی حتیٰ کہ ان کی بے ہوشی کو وفات سمجھ لیا گیا تھا۔ بنو تمیم کے ان لوگوں نے آپ کے گھر سے واپس آ کر مسجد میں اعلان کیا کہ عتبہ بن ربیعہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد شام ہوتے ہوتے وہ پھر آپ کے مکان پر دریافت حال کے لیے پہنچے تو دیکھا کہ آپ کی سانس چل رہی ہے۔ انہوں نے اپنی زبانوں سے آپ کے جسم کو چاٹنا شروع کر دیا اور اسی طرح ان کا پورا جسم صاف کر دیا۔ اس کے بعد جب آپ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی تو سب سے پہلے آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ پھر آپ نے ان لوگوں سے دوبارہ یہی سوال کیا۔ جب ان لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں تو آپ نے اطمینان سے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ ان لوگوں نے آپ کی والدہ سے کہا کہ انہیں کھانے پینے کے لیے تھوڑا تھوڑا کچھ دیا جائے اور پھر وہاں سے چلے گئے۔ جب وہ سب لوگ جا چکے اور آپ کی والدہ تنہا رہ گئیں تو آپ نے ان سے پوچھا: ''رسول اللہ کیسے ہیں؟''۔ انہوں نے جواب دیا: ''مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے''۔ یہ سن کر آپ نے ان سے کہا: ''آپ جا کر ام جمیل بنت خطاب سے آپ کی خیریت دریافت کیجیے''۔ جب آپ کی والدہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس پہنچیں اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولیں:

''میں آپ کے بیٹے کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبداللہ کو، پھر دوسرے کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ویسے آپ فرمائیں تو

میں آپ کے بیٹے کے پاس چل سکتی ہوں''۔

چنانچہ ام جمیل بنت خطاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ہمراہ ان کے گھر پہنچیں تو اول الذکر کا حال دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ میں کسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کر کے انہیں آ کر بتا جاؤں گی۔ لیکن اس کے باوجود اب آپ کو یہ دھن ہوگئی کہ آپ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لیں گے' پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پئیں گے حالانکہ ام جمیل نے دریافت حال کے بعد انہیں بتا دیا تھا کہ آپ خیریت سے ہیں۔ ام جمیل نے یہ بھی کہا کہ جن بدکار لوگوں نے آپ کو اس درجہ زدوکوب کیا تھا خدا آپ کا بدلہ ان سے لے گا لیکن انہوں نے پوچھا:

''رسول اللہ اس وقت کہاں ہیں؟''۔

ام جمیل نے کہا:

''آپ اس وقت ابن ارقم کے مکان میں ہیں اور آپ کے سب ساتھی بھی وہیں ہیں''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی کہا جو پہلے بھی بار بار کہہ چکے تھے یعنی آپ اس وقت تک کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ انہیں کسی نہ کسی طرح ابن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر لے جایا گیا۔ ان کی حالت دیکھ کر دوسروں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آب دیدہ ہوگئے۔ بلکہ زار وقطار رونے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے:

''حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے اپنا کچھ ملال نہیں' مجھے صدمہ اس بات کا تھا کہ وہ لوگ میرے منہ پر آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے''۔

اس کے بعد دم لے کر انہوں نے آپ سے عرض کیا:

''یہ میری والدہ برہ ہیں۔ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیجیے اور خدا سے دعا فرمایئے کہ وہ انہیں آتش جہنم سے نجات دے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کو جب اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً مسلمان ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ نے اور دوسرے مسلمانوں نے جو وہاں موجود تھے دونوں ماں بیٹوں کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ارقم کے مکان میں ایک مہینے تک ٹھہرے رہے۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی روز مسلمان ہو گئے تھے جس روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قریب قریب ہلاکت کی حد تک زدوکوب کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ابوجہل دونوں میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدھ کے روز اسلام کی دعوت دی گئی لیکن وہ جمعرات کے دن مسلمان ہوئے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت یعنی ان لوگوں نے جو ابن ارقم کے مکان میں آپ کے ساتھ تھے نعرہ تکبیر بلند کیا جو مکے میں دور دور تک سنائی دیا بلکہ مکے کے قرب وجوار کی پہاڑیوں تک سے اس کی صدائے باز گشت سنائی دی۔ اسی وقت ابوالارقم جو اندھے اور کافر تھے مکان سے باہر نکل کر بولے:

''یا اللہ بنی عبد ارقم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ کافر ہے''۔

اور اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے دین کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم حق پر ہیں جب کہ کافر اپنے دینی عقائد کا علی الاعلان اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب سراسر باطل ہے''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''ہم تعداد میں تھوڑے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ انہوں نے ہمیں کتنی تکلیف پہنچائی ہے؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا:

''خدا جس کا دین ہم نے قبول کیا ہے کیا ہماری مدد نہیں کرے گا؟ ہم اس مجلس کفر میں جوان شاء اللہ باقی رہنے والی نہیں ہے آخر کب تک اس طرح خاموش بیٹھے رہیں گے؟ آپ بھی اپنے دین حق کا اظہار فرمائیے''۔

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور جا کر خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگے جہاں ان سے ابوجہل کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ بولا:

''اے عمر! کیا تم بھی اس شخص کو برحق سمجھ کر مسلمان ہو گئے ہو؟''۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند فرمایا:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له و اشهدان محمدا عبده و رسوله.

ان کی زبان سے یہ کلمہ شہادت سن کر کفار ان کی طرف حملے کے ارادے سے بڑھے جن میں عتبہ سب سے آگے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے اس کے سر پر ایک بھاری ضرب لگائی اور پھر اس کی آنکھوں میں اپنی دونوں انگلیاں گاڑ دیں۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''جو شخص اسے بچانے کے لیے آگے بڑھا میں فوراً اس کی گردن اڑا دوں گا''۔

یہ دیکھ کر لوگ سہم کر پیچھے ہٹ گئے اور بے بسی سے عتبہ کو تڑپتا دیکھتے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر مجلس میں اپنے اسلام کا کھل کر اظہار کرنے لگے۔ پھر جب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب کے سامنے بطور حق اپنی زبان سے وہی کلمات ادا کیے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' اب میں جہاں اور جس مجلس میں جاتا ہوں وہاں اپنے مذہب کا اظہار کیے بغیر نہیں رہتا اور میں اس کا اظہار کسی خوف وخطر کے بغیر کرتا ہوں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ابن ارقم کے مکان سے باہر آئے کہ آپؐ کے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور پیچھے دوسرے لوگ تھے۔ وہاں سے آگے بڑھ کر آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر کھلم کھلا نماز پڑھی۔ وہاں سے لوٹ کر بھی پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (احتیاطاً) ابن ارقم کے مکان میں داخل ہوئے اور ان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اگرچہ بہت سی روایات ان واقعات کی تصدیق کرتی ہیں لیکن صحیح اور امر واقعہ یہ

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب کچھ مسلمان مکے سے ہجرت کر کے حبشہ جا چکے تھے اور یہ واقعہ آنحضرتؐ کی بعثت کے چھٹے سال پیش آیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ آگے چل کر اس کے موقع پر پیش کریں گے۔ ویسے بھی ہم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی انفرادی سیرتوں پر اپنی مخصوص کتابوں میں الگ الگ گفتگو کی ہے۔

صحیح مسلم میں عمرو بن عبسہ سلمی کے حوالے سے ابی امامہ کی روایت کردہ یہ حدیث درج ہے کہ آخر الذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکے میں آپ کی بعثت کے آغاز ہی میں ملے تھے جب کہ آپ کی بعثت عام لوگوں سے پوشیدہ رکھی جا رہی تھیں۔ انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا تھا: ''درحقیقت آپ کون ہیں؟'' تو آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا: ''میں اللہ کا نبیؐ ہوں''۔ پھر انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا: ''کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے؟''۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے''۔ انہوں نے پوچھا: ''کیوں بھیجا ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''تاکہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاؤں کہ وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' نیز اس لیے کہ میں بتوں کو توڑوں اور لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی ترغیب دوں''۔

انہوں نے آپؐ سے پوچھا:

''پھر آپ کی رسالت کو تسلیم کر کے اب تک کون کون لوگ خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے ہیں؟''۔

اس پر آپؐ نے فرمایا: دو آدمی ابوبکرؓ اور بلالؓ یعنی ایک آزاد شخص اور ایک غلام۔ اس کے بعد جب انہوں نے خود عمرو سے دریافت کیا تو وہ بولے کہ وہ چوتھے مسلمان تھے اس کے بعد وہ خود مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد آزاد اور غلام کا تعلق ہے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کے اسلام کا تو اس سے آپ کی مراد اس وقت تک مردوں کے مسلمان ہونا تھی حالانکہ یہ روایت بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے قبل کئی دوسرے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ نیز یہ کہ بلال رضی اللہ عنہ سے قبل زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہو گئے تھے پھر وہ یعنی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ چوتھے مسلمان کیسے ہو سکتے تھے' اس قول کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک مسلمان دوسرے لوگوں سے تو کیا خود اپنے قریبی عزیزوں سے بھی اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے اس لیے انہیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ چوتھے مسلمان تھے۔ صحیح بخاری میں ابی اسامہ کے ذریعہ اور ہاشم بن ہاشم اور سعید بن مسیب کے حوالے سے یہ روایت آئی ہے کہ آخر الذکر نے سعد بن ابی وقاص کو یہ کہتے سنا کہ جس روز وہ (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) مسلمان ہوئے اس روز کوئی اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ دوسرے کئی لوگوں سے قبل مسلمان ہو چکے تھے غلط ہو گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس روز جب وہ مسلمان ہوئے کوئی اور مسلمان نہ ہوا ہو ورنہ ان سے قبل حضرت ابوبکرؓ' حضرت علیؓ' حضرت خدیجہؓ' حضرت بلال اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو چکے تھے' ایمان لانے کے بارے میں تقدیم و تاخیر کے متعلق دوسرے لوگوں کی روایات کی طرح ابن اثیر کو بھی اس روایت کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے جو سطور بالا سے صاف ظاہر ہے۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی میرے لیے بعید الفہم ہے۔ ممکن ہے اپنی معلومات کی بنیاد پر

یہ نتائج اخذ کیے ہوں۔ واللہ اعلم

ابوداؤد طیالسی کہتے ہیں کہ ان سے حماد بن سلمہ نے عاصم زر اور عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول وہ جب ایام طفلی میں مکے کے قریب اُجرت پر عقبہ بن ابی معیط کے لیے گلہ بانی کیا کرتے تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو کافروں کے ظلم وتشدد سے جان بچا کر ادھر آ گئے تھے۔ آپ نے یا دونوں نے ان سے کہا: ''کیا تم ہمیں پینے کے لیے کچھ دودھ دے سکتے ہو؟''۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں دوسرے کا گلہ بان ہوں آپ کو اس کے کسی جانور کا دودھ کیسے دے سکتا ہوں۔ اس پر وہ بولے کہ قیمت لے کر بھی نہیں دے سکتے تو انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول جب وہ بعد میں رسول اللہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ ملے تو انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے اس شیریں کلام یعنی قرآن پاک کی کچھ آیات دیجیے تو آپ نے مجھے جو ستر آیات دی تھیں ان میں اور قرآن شریف میں جو وہ آیات اب درج ہیں ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا (مردوں میں) سب سے پہلے ایمان لانا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ نے عفان' حماد بن سلمہ کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے۔ یہی روایت حسن بن عرفہ کے ذریعے ابی بکر بن عیاش اور عاصم بن ابی نجود یہ کے حوالے سے بھی منقول ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوعبداللہ بن بطہ اصفہانی حسن بن جہم' حسین بن فرج' محمد بن عمر' جعفر ابن محمد بن خالد بن زبیر اور آخر الذکر نے اپنے والد کے حوالے سے یا محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے حوالے سے بیان کیا کہ خالد بن سعید بن عاص پہلے مسلمان ہونے والے لوگوں میں سے تھے یعنی ان کا شمار قدماء میں ہوتا ہے لیکن ان سے قبل ان کی بہن مسلمان ہو چکی تھیں۔ خالد بن سعید بن عاص کے ایمان لانے کی بناء یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے آپ کو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے کھڑا ہوا دیکھا تھا۔ واللہ اعلم

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آگ کے اس گڑھے سے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکالا تھا۔ وہ اس خواب سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوئے تھے اور دل میں کہا تھا کہ یہ خواب بالکل سچا ہے۔ پھر جب انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا تو وہ بولے کہ اللہ کے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں آگ سے نکال کر تمہاری بھلائی چاہتے ہیں جب کہ تمہارا باپ اس دام آتش میں گرفتار ہے' اسلام تمہیں اس آگ سے بچانا چاہتا ہے' پس اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپؐ سے دریافت کیا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کی طرف بلاتے ہیں؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' تم ان پتھروں کی پرستش چھوڑ دو' جو نہ کچھ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے نہ فائدہ۔ کیا تم ان کی عبادت کو درست سمجھتے ہو؟''۔

خالد کہتے ہیں کہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ سنتے ہی میں نے کہا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اس کے رسول ہیں''۔

رسول اللہ ان کے ایمان لانے سے خوش ہوئے لیکن جب اس کے بعد انہوں نے اپنے والد سے اپنے مسلمان ہو جانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس سے چھپتے پھرے لیکن جب اس نے انہیں دیکھا تو اپنی چھڑی ان کے ہاتھ پر ماری اور پھر ان کے سر پر اس سے ایسی سخت ضرب لگائی کہ وہ چھڑی ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد وہ ان سے بولا:

''میں تجھے کھانے کو کچھ نہیں دوں گا''۔

یہ سن کر انہوں نے جواب دیا:

''اگر آپ مجھے کھانا نہیں دیں گے تو میرا رزاق مجھے کھلائے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے''۔

یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے اور آپؐ نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا تو وہ آپؐ ہی کے ساتھ رہنے لگے۔
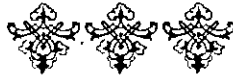
آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا قبولِ اسلام

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق کے حوالے سے جو اس وقت مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے مسلمان ہونے کو چھپا رہے تھے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کے بیان کے مطابق ایک دن ابوجہل اور آنحضرت ﷺ کا صفا کے قریب آمنا سامنا ہوا تو ابوجہل آپ کو مارنے اور گالیاں دینے لگا نیز ساتھ ہی ساتھ آپ کے دین کو بھی برے برے ناموں سے یاد کرتا جا رہا تھا۔ اسی راوی کا بیان ہے کہ اسی وقت کہیں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ابوجہل کے سر پر کمان سے ایک سخت ضرب لگائی۔ اس وقت وہیں بنی مخزوم کے کچھ اشخاص کھڑے ہوئے تھے' وہ ابوجہل کو بچانے کے لیے آگے بڑھے اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بولے:

''ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم بھی صابی (مسلمان) ہو گئے ہو''۔

یہ سن کر حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا:

''اگر میں یہ کہوں کہ یہ درحقیقت اللہ کے رسول ہیں اور جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں تو کیا تم لوگ مجھے روک سکتے ہو؟ اگر تم میں ہمت ہے اور تم سچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ''۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر ابوجہل ان لوگوں سے بولا:

''چلو جانے دو' میں نے بھی اس کے بھائی کے بیٹے کو مارا اور بری بری گالیاں دی ہیں''۔

جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے تو مسلمانوں کی قوت میں اور اضافہ ہو گیا اور اہل قریش نے آتے جاتے آپ کی مزاحمت کم کر دی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں کچھ اشعار بھی کہے تھے۔ [1]

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب وہاں سے لوٹ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر پہنچے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی' بولا:

---

[1] مجھ سے کسی نے ان اشعار کا ذکر تو کبھی نہیں کیا نہ مجھے سنائے' البتہ سہیلی نے ''روض الانف'' میں ان اشعار کا ذکر کیا ہے اور اسی کتاب میں ان میں سے ایک قطعہ بھی درج کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

''میں نے اللہ کا اسی وقت شکر ادا کیا تھا جب اس نے مجھے دین حق اسلام قبول کرنے کی ہدایت فرمائی''۔ (مؤلف)

''تم قریش کے سردار ہو کیا تم نے اس صابی (رسول اللہ ﷺ) کے اتباع کا فیصلہ اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر اس کے دین میں شامل ہونے کا ارادہ کرلیا ہے؟ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ تم مرجاؤ''۔

شیطان سے یہ سن کر انہوں نے اپنے نفس پر قابو پانے کی کوشش کی اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے یہ دعا کی۔

''اے اللہ! جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں اگر وہ درست ہے تو اس کی صداقت میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ مجھے راہ راست کی ہدایت فرما''۔

اس دعا کے بعد وہ اپنے مکان میں آرام سے سوئے اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں سے ان کا دل یکسر خالی ہوگیا۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بولے:

''اے میرے بھتیجے! میرے دل میں جو خیالات آرہے ہیں' میں ان کے بارے میں مشکوک ہوں' جو کچھ میں تمہارے دین کے بارے میں سوچ رہا ہوں اگر وہ سچ ہے تو تم اس کی وضاحت کرو کیونکہ مجھے تمہارے عقائد کے بارے میں تمہاری زبان سے سننے کا بہت اشتیاق ہے''۔

حمزہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے انہیں اسلام کے بارے بارے میں وضاحت سے بتایا اور خدا کے خوف اور بشارت کی بھی باتیں بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں نورِ ایمان بخشا تو وہ فوراً بولے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ نے جو کچھ فرمایا درست فرمایا' اے میرے بھائی کے بیٹے! آپؐ اپنے دین کا کھل کر اظہار کیجیے' میں بھی اس میں پیش پیش رہوں گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اس دین کے بارے میں اب تک جو خدشات میرے دل میں تھے میں ان میں مزید گرفتار رہوں میں اس دین کی حمایت میں (ان شاء اللہ) آگے آگے رہوں گا''۔

چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے جنہیں ان سے قبل اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی روشنی سے سرفراز فرمایا تھا۔ بیہقی نے بھی یہ روایت حاکم' عصم' احمد بن عبدالجبار اور یونس بن بکیر کے حوالے سے پیش کی ہے۔

ابی ذر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الحافظ حسین بن محمد بن زیاد' عبداللہ بن رومی' نضر بن محمد اور عکرمہ بن عمار نے ابی زمیل سماک بن ولید' مالک بن مرثد نے ان کے والد اور ابی ذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے بتایا کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں میں چوتھے فرد تھے یعنی ان سے قبل تین دوسرے افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے آپ کو سلام کیا' پھر کہا:

''اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و ان محمداً رسول اللّٰہ''۔

یہ سن کر میں نے دیکھا کہ آپؐ کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔ یہ روایت مختصراً اسی طرح بیان ہوئی ہے۔ (مؤلف)

ابی ذر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ ان سے عمرو بن عباس اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے مثنیٰ' ابی حمزہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو وہ اپنے بھائی سے بولے:

''تم ابھی گھوڑے پر سوار ہو کر مکے جاؤ اور اس شخص کو دیکھو جو یہ کہتا ہے کہ وہ خدا کا نبی ہے اور اس کے پاس خدا کی طرف سے پیغام آتے ہیں۔ تم اس کے بارے میں مجھے آ کر بتاؤ''۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے بھائی مکے گئے اور وہاں سے واپس آ کر انہوں نے وہ باتیں انہیں بتائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہاں لوگوں سے اور خود آپؐ سے سنی تھیں نیز انہیں آپؐ کے حسن اخلاق کے بارے میں بھی بتایا تو وہ بولے:

''اچھا! مگر مجھے تمہاری باتوں سے تسلی نہیں ہوئی' میں خود جا کر دیکھتا ہوں''۔

چنانچہ وہ پانی کا صرف ایک مشکیزہ اپنے ساتھ لے کر مکے پہنچے تو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے سوچا:

''یہ تو کوئی اور شخص ہیں''۔

پھر ایک رات انہیں مکے میں گزری اور دوسرے دن انہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص ملا لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی سے سوال کرتے ہوئے جھجکتے رہے۔ پھر اگلا دن بھی اس طرح گزر گیا تو وہ مسجد الحرام پہنچے۔ لیکن پھر بھی آپؐ انہیں نہیں ملے۔ اگلے روز بھی انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ملے لیکن اس روز ان کے آگے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے۔ ابوذرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ صاحب جو آپ کے آگے چل رہے ہیں کون ہیں؟''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے:

''اگر تمہارا ارادہ نیک ہے اور تم یہ وعدہ بھی کرو کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا وہ تم کسی اور کو ابھی نہیں بتاؤ گے تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں''۔

جب ابی ذر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلایا اور رازداری کا وعدہ بھی کرلیا تو وہ بولے:

''یہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ اپنے قول میں بالکل سچے ہیں''۔

پھر اگلے دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کی طرف جا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے پیچھے چل رہے تھے تو ابوذر رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے مسجد میں داخل ہو گئے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں نے محسوس کیا جیسے صاف شفاف پانی میں تیر رہا ہوں۔ جب میں نے آپؐ کے قریب پہنچ کر آپ کو سلام کیا اور آپؐ نے جو کچھ فرمایا اسے غور سے سنا تو میرا دل نورِ ایمان سے منور ہو گیا''۔

آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

''جاؤ' جو تم نے سنا اس سے اپنی قوم کو مطلع کر دو اور وہیں ٹھہر کر انتظار کرو جب تک تمہیں میرا کوئی حکم نہ ملے''۔

آپ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ بولے:

''آپؐ بے شک اللہ کے نبی ہیں اور آپ کا دعویٰ برحق ہے مگر میں اب اس راز کو دو گھڑی بھی اپنے سینے میں روک کر نہیں رکھ سکتا''۔

یہ کہہ کر وہ آپؐ کے پاس سے چلے آئے لیکن واقعی ابھی دو گھڑی نہیں گزری تھیں کہ وہ پھر مسجد میں پہنچ گئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نہیں تھے اور بآوازِ بلند بولے:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ.

یہ کہہ کر وہ مسجد میں کچھ دیر ہی ٹھہرے تھے کہ لوگوں نے انہیں زدوکوب کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ زخمی ہو کر فرشِ زمین پر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر عباس رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور لوگوں سے بولے:

''خدا تمہیں غارت کرے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں اور تم برائے تجارت شام جانے کے لیے انہیں کے قبیلے کی طرف سے گزرتے ہو؟''۔

عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان مشرکوں سے ابوذر رضی اللہ عنہ کا پیچھا چھڑایا لیکن وہ اگلے دن پھر صبح ہوتے ہی مسجد میں آ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بآوازِ بلند اعلان کرنے لگے تو لوگ پھر انہیں زدوکوب کرنے لگے۔ چنانچہ اگلے روز بھی عباس رضی اللہ عنہ ہی نے انہیں لوگوں کی مار سے بچایا۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید بن ہارون' سلیمان بن مغیرہ نے اور حمید بن ہلال نے عبداللہ ابن صامت کے حوالے

سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اپنے بھائی کے ساتھ مکے جانے' وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لوگوں کے خیالات سے آگاہ ہونے' مکے میں تیس روز بھوکا پیاسا رہنے اور آخر کار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور پھر مسجد میں اس کا اعلان کر کے مشرکوں کی زدوکوب کا نشانہ بننے اور پھر اپنے قبیلے میں لوٹ کر انہیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے ہجرت کرنے اور وہاں آپ کی قربت کے واقعات خود ابوذر رضی اللہ عنہ کی زبانی تفصیل سے بیان کیے جن سے دوسری روایات کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلم نے بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعات اپنے طور پر ہدبہ بن خالد اور سلیمان بن مغیرہ کے حوالے سے تفصیلاً بیان کیے ہیں جن میں بہت سے عجیب وغریب واقعات شامل ہیں۔ واللہ اعلم

کتاب البشارات میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے واقعات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعات کے بعد درج کیے گئے ہیں جن میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

مسلم اور بیہقی نے داؤد بن ابی ہند کی یہ روایت عمرو بن سعید' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کی ہے کہ ضمادؓ جو قبیلہ ازدشنوہ اور اسی نام کی ایک بستی سے تعلق رکھتے تھے جب مکے آئے تو یہاں کے لوگ' ان کی وضع قطع اور اطوار و عادات سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے مکے کے نچلے طبقے کے لوگوں سے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک (نعوذ باللہ) پاگل شخص ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے ان سے دریافت کیا:

''یہ شخص کہاں ہے؟''۔

پھر بولے:

''خدا نے چاہا تو میرے ہاتھوں عنقریب اسے شفا حاصل ہو جائے گی''۔

پھر جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو دیکھتے ہی بولے:

''میں انہیں بہت جلد صحت یاب کر دوں گا''۔

ضماد کی زبان سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینه من یھدہ اللہ فلا مضل له و من یضل فلا ھادی له اشھد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک له.

یہ الفاظ آپؐ نے تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے۔ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر ضمادؓ حیرت سے بولے:

''بخدا میں نے کاہنوں اور جادوگروں کی باتیں سنی ہیں لیکن ایسا کلام کسی سے نہیں سنا''۔

یہ کہہ کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں اسلام کے لیے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا''۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد رضی اللہ عنہ سے بیعت لے کر انہیں حلقہ اسلام میں داخل کر لیا۔ پھر آپؐ نے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی کر دی۔ جب یہ لوگ ازدشنوہ پہنچے تو انہوں نے ایک شخص سے جو اس قوم سے واقف تھا پوچھا:

''تم نے اس قوم کی کوئی خاص بات نوٹ کی ہے؟''۔

وہ بولا۔

''یہ لوگ پاک صاف رہتے ہیں''۔

چنانچہ وہ اس بستی اور قوم میں جا پہنچے جو حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کی بستی تھی۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ سوال خود حضرت ضماد رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا اور انہیں نے وہی جواب دیا تھا جو اوپر درج کیا گیا۔ یہ روایت ہم نے بحر القاموس سے لی ہے۔

ابونعیم نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ اسلام'' میں ان عرب روداروں کے نام اور احوال وکوائف تفصیل سے بیان کیے ہیں جو اوائل اسلام میں مسلمان ہوئے تھے۔

ابن اسحاق نے اوائل اسلام میں ایمان لانے والے صحابیوں اور صحابیات کے نام بالترتیب اس طرح دیئے ہیں:

''ابوعبیدہ اور ابوسلمہ' ارقم بن ارقم' عثمان بن مظعون' عبیدہ بن حارث' سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب' اسماء بنت ابی بکر' اور عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہم جو اس وقت نوعمر تھیں' قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون' خباب بن ارت' عمیر بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود' مسعود بن قاری' سلیط بن عمرو' عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کی بیوی اسماء بنت سلمہ[1] بن مخرمہ تمیمی' خنیس بن حذافہ' عامر بن ربیعہ' عبداللہ بن جحش یا احمد بن جحش' جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس' حاطب بن حارث اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار' معمر بن حارث بن معمر جمحی' سائب بن عثمان بن مظعون' مطلب بن ازہر بن عبد مناف اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف بن صبیرہ بن سعید بن سہم' نہام جن کا پورا نام نعیم بن عبداللہ بن اسید ہے' ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ' خالد بن سعید' امینہ بنت خلف بن سعد بن عامر بن بیاضہ بن خزاعہ' حاطب بن عمرو بن عبد شمس' ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ' واقد بن عبداللہ بن عرین بن ثعلبہ تمیمی جو بنی عدی کے حلیف تھے' خالد ابن بکیر اور عامر بن بکیر اور عاقل بن بکیر نیز ایاس بن بکیر بن عبد یالیل بن تاشب بن غیرہ جو بنی سعد بن لیث میں سے تھے (عاقل بن بکیر کا نام پہلے غافل تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عاقل رکھ دیا تھا) یہ لوگ ہی عدی بن کعب کے حلیفوں میں سے تھے' عمار بن یاسر' صہیب بن سنان رضی اللہ عنہم۔ اس کے بعد دوسرے لوگ ان وفود کے ذریعہ مسلمان ہوئے جو مکے سے بھیجے گئے تھے جس کے بعد اسلام کو مکے کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی استقامت حاصل ہوئی''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے بعثت کے تین سال بعد اگر چہ کھل کر اسلام کے اظہار کا حکم دے دیا تھا لیکن پھر بھی مسلمان مشرکین کی طرف سے اذیت کے خوف سے پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں ان سے چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ذریعہ دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب کے سامنے نماز پڑھا کریں

[1] ابن ہشام کی کتاب ''سیرت'' میں ان کا نام اسماء بنت سلامہ بن مخرمہ تمیمیہ لکھا ہے۔

اور کافروں کی طرف سے جو انہیں اذیت پہنچے اس پر صبر کیا کریں۔ جو لوگ پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے ان میں سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر کچھ مشرک بھی وہاں آ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کے ساتھ قاتلانہ حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔ اسی موقع پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان مشرکین میں سے ایک کو جو اونٹ کی طرح لحیم شحیم تھا داڑھی پکڑ کر پچھاڑا اور اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ اس قتل کو اگر قتل کہا جا سکتا ہے تو یہ اسلام آنے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں پہلا قتل تھا۔

اموی نے وقاص کی طرح اپنی کتاب ''مغازیہ'' زہری' عامر بن سعد اور ان کے والد کے حوالے سے اس واقع کو کافی تفصیل سے لکھا ہے کہ ان مشرکین میں جنہوں نے اس پہاڑی گھاٹی میں نماز پڑھنے والے مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ ایک مشجوج بھی تھا جس کا پورا نام (خدا کی اس پر لعنت ہو) عبداللہ بن خطل تھا۔

باب ؟

ابلاغِ رسالت کے لیے حکم خداوندی

جاہلوں' دشمنوں اور جھوٹوں پر اتمام حجت کے ساتھ ساتھ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور تمام عام وخاص مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اس کے بعد آپؐ اور آپؐ کے اصحاب ایسے لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کریں اور صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْن .... اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم ﴾ تک

یعنی جس نے آپؐ پر تبلیغ دین فرض کی اور احکام قرآنی کو اس کے بندوں تک پہنچانا واجب ٹھہرایا تا کہ وہ آپؐ کے ذریعہ اپنی عاقبت سے آگاہ ہو جائیں وہ اس بارے میں آپؐ سے سوال کرے گا اور یہ بھی فرمایا:

﴿ فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی آیات قرآنی اور احادیث نبوی (ﷺ) موجود ہیں جنہیں ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے جہاں سورہ شعراء میں اللہ تعالیٰ کے حکم:

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْن ﴾

کی تفسیر پیش کی گئی ہے اور وہیں جملہ متعلقہ احادیث بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن نمیر نے اعمش' عمرو بن مرہ اور سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیہ شریفہ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو آواز بلند بلایا تو جو لوگ وہاں جمع ہوئے آپؐ نے ان سے فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! اے بنی فہر اور اے بنی کعب اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں دشمن جمع ہو گئے ہیں اور تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو بتاؤ کہ کیا تم میری اس اطلاع کو درست سمجھو گے؟''۔

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں ان سب نے اثبات میں جواب دیا تو اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''تو پھر سمجھ لو کہ (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرے پاس تمہارے لیے سخت عذاب کی اطلاع ہے''۔

یہ سن کر ابولہب بولا:

''(نعوذ باللہ) تو ہمیشہ برباد رہے' کیا تو نے بس یہی سنانے کے لیے یہاں بلایا تھا؟''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ابولہب کے انہی نازیبا کلمات کے بعد قرآنی سورت:

﴿ تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ...... الخ ﴾

الخ نازل ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں اعمش کی روایت کا استخراج اسی آیہ شریفہ سے ہے۔ اس کے علاوہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے معاویہ بن عمرو' زائدہ اور عبدالملک بن عمیر نے موسیٰ بن طلحہ اور ابی ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کی بیان کردہ روایت یہ ہے کہ جب آیت:

﴿ و انذر عشیرتک الاقربین ﴾

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش عوام وخواص سب لوگوں کو بلا کر ارشاد فرمایا:

''اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اے بنی کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اے بنی عبدالمطلب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ' اے فاطمہؓ بنت محمدؐ اپنے آپ کو آگ سے بچا۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تمہارے لیے حکم خداوندی کے خلاف سوائے اس کے کچھ نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے رحم اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کی دعا کروں''۔

اس روایت کو مسلم نے عبدالملک بن عمیر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ صحیحین میں یہ روایت زہری کی زبانی سعید بن مسیبؒ، ابی سلمہ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بطریق معلوم مسند امام احمدؒ وغیرہ میں بھی آئی ہے۔ اس کے علاوہ امام احمدؒ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے وکیع بن ہشام نے اپنے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آیت: ﴿ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

''اے فاطمہؓ بنت محمد! اے صفیہؓ بنت عبدالمطلب! اور اے بنی عبدالمطلب! میں خدا کے سامنے تمہاری طرف داری نہیں کرسکتا۔ البتہ جو میرے پاس ہے تم اس کا مجھ سے سوال کرسکتے ہو''۔

یہ روایت مسلم نے بھی بیان کی ہے۔ حافظ ابوبکر بیہقی اپنی کتاب ''دلائل'' میں فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبدالحافظ' ابوالعباس محمد بن یعقوب' احمد بن عبدالجبار اور یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے عبداللہ بن حارث بن نوفل کا ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سنا ہوا یہ واقعہ بیان کیا کہ جب یہ آیت یعنی: ﴿ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے بقول آپؐ نے یہ سمجھا کہ آپ کی قوم میں جو برائیاں ہیں ان سے آپ کو خوف دلایا گیا اور آپ کے نزدیک آپ کی قوم میں جو جو برائیاں ہیں ان سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

''اس آیت کی وضاحت اس وقت ہوئی جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مجھ سے کہا: ''اے محمد! (ﷺ) اگر آپؐ خدا کے اس حکم پر عمل نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی آگ کا عذاب دے گا''۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے علیؓ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی عزیزوں کو اس کے خوف سے ڈر کر قبول اسلام کی ہدایت کروں۔ چنانچہ تم یوں کرو کہ ایک بڑے برتن ایک صاع (عربی وزن تقریباً برابر

ایک سیر) کھانا لاؤ اور ایک برتن میں دودھ لاؤ تا کہ ہم انہیں اسلام کی دعوت دینے سے قبل کچھ کھلا پلا بھی سکیں اس کے بعد تم بنی عبدالمطلب کو میری طرف سے بلا کر جمع کرلو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپؐ کے اس ارشاد کی میں نے تعمیل کی تو جو لوگ جمع ہوئے ان کی تعداد چالیس یا ان سے ایک کم یا ایک زیادہ تھی جن میں ابو طالب' حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ کے علاوہ خبیث ابولہب بھی شامل تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے وہ برتن لیا جس میں کھانا تھا اور اسے لے کر حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ اسی کھانے سے سب نے پیٹ بھر کر کھایا''۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

''اے علیؓ! اب انہیں دودھ بھی دو''۔

چنانچہ میں نے ان سب کو دودھ دیا اور ان سب نے سیر ہو کر دودھ بھی پیا۔ بخدا میں نے اتنے تھوڑے سے کھانے سے اتنے لوگوں کو سیر ہو کر کھاتے پیتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب یہ لوگ سیر ہو کر کھا پی چکے تو ابولہب بولا:

''لوگو! تم نے دیکھا کہ اس شخص نے تم پر کیسا جادو کیا اور جادو کا تماشہ تمہیں دکھایا ہے''۔

اس کی مراد ایک معمولی برتن سے چالیس آدمیوں کا سیر ہو کر کھا لینا اور اسی ایک چھوٹے سے برتن سے اتنے ہی لوگوں کا سیر ہو کر دودھ پینا تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے اگلے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہی حکم دیا جو اس سے پہلے روز دے چکے تھے یعنی اسی طرح آپؐ نے مجھ سے ایک برتن میں دودھ منگوا کر میرے ہی ذریعہ بنی عبدالمطلب کو جمع کیا اور پہلے روز کی طرح انہیں ایک ہی برتن سے آپؐ نے کھانا اور دودھ تقسیم کیا جسے انہوں نے سیر ہو کر کھایا پیا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اس سے پہلے میں نے اپنی آنکھ سے ایسی کوئی دعوت نہیں دیکھی تھی جس میں ایسے معمولی ایک ایک برتن سے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے سیر ہو کر کھایا پیا ہو لیکن ابولہب نے اس روز بھی وہی کچھ کہا تھا اور پہلے دن کی طرح لوگ پھر اٹھ کر چلے گئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے روز اس سے اگلے روز مجھے حکم دے کر یہی عمل دہرایا اور ابولہب آپؐ کے اس معجزے کو جادو بنا کر لوگوں کو بہکاتا اور انہیں آپ کا ارشاد سننے لوگوں کو منتشر ہونے کے لیے کہتا رہا تا آنکہ آپؐ نے آخری دن لوگوں سے فرمایا:

''اے بنی عبدالمطلب! میں نہیں جانتا کہ قوم عرب کا کوئی جوان اپنی قوم میں اس چیز سے بہتر کوئی چیز لایا ہو جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ کیونکہ میں دنیا اور آخرت دونوں کے واسطے احکام لے کر آیا ہوں''۔

اسی طرح یہ روایت بیہقی نے یونس بن بکیر کے ذریعہ ابن اسحٰق اور ایک بزرگ جن کے نام میں مجھے ابہام معلوم ہوتا ہے اور عبداللہ بن حارث کے حوالے سے بیان کی ہے نیز یہی روایت ابو جعفر بن جریر نے محمد بن حمید رازی' سلمہ بن فضل الابرش محمد بن اسحٰق' عبدالغفار' ابومریم بن قاسم' منہال بن عمرو' عبداللہ بن حارث' ابن عباس رضی اللہ عنہما' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

انی جئتکم بامر الدنیا و الآخرۃ

میں لفظ ''خیر'' کا اضافہ کیا ہے اور یہ الفاظ بھی بڑھائے ہیں:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ کہ اس سلسلے میں میرا بھائی بن کر کون میری مدد کرے گا؟''۔ وغیرہ وغیرہ

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر کسی نے نہ آپ کی طرف سے چار روز تک کھانے پینے کا کچھ خیال کیا نہ عزیز داری اور آپؐ سے قربت کا کچھ خیال بلکہ سب کے سب بڑی بے اعتنائی سے منہ پھیر کر چل دیئے۔ اس پر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں آپ کی مدد اور حمایت کے لیے تیار ہوں''۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کلائی پکڑ کر فرمایا:

''یہ میرا بھائی اور میرا وزیر ہے' اب تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو''۔

آپ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سب لوگ ہنسنے لگے اور ابو طالب سے بولے:

''کیا اب ہمیں (تمہارے بھتیجے کے علاوہ) تمہارے بیٹے کی بات سننی اور اس کی اطاعت کرنا پڑے گی؟''۔

اس روایت پر ابن قاسم ابو مریم نے خاص طور پر زور دیا ہے لیکن اس پر علی بن مدینیؒ وغیرہ نے کذاب غالی شیعہ ہونے کی تہمت لگا کر اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ذکر ہے اسے اس کی من گھڑت بتایا ہے اور کچھ دوسرے راویوں نے بھی اسے ''حدیث ضعیف'' ٹھہرایا ہے۔ تاہم ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد حسین بن عیسیٰ بن میسرہ حارثی' عبداللہ بن قدوس' اعمش' منہال بن عمرو اور عبداللہ بن حارث کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی ہاشم کو جمع کرنے کے لیے کہا اور مجھ سے ایک برتن میں کھانا اور ایک برتن میں دودھ لانے کے لیے فرمایا جب میں نے بنی ہاشم کو بلا کر وہاں جمع کر لیا تو آپؐ نے پہلے انہیں اسی ایک برتن سے کھلایا اور اسی ایک برتن سے دودھ پلایا جن کی تعداد چالیس یا ان سے ایک کم یا ایک زیادہ ہوگی جو ماجرا میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا اور جب وہ سیر ہو کر کھا پی چکے تو آپؐ نے ان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی طرف سے خود کو رسول فرما کر ان سے کہا کہ تم سب ہی یوں تو میرے قریبی عزیز ہو لیکن تم میں سے کون شخص میرا بھائی بن کر اشاعت اسلام میں میری مدد کرے گا؟ یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے۔ عباسؓ غالباً اس لیے چپ رہے کہ شاید آپؐ ان سے کسی مالی امداد کے طالب تھے۔ میں بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سن و سال اور اپنی نوعمری کے خیال سے خاموش رہا لیکن جب آپؐ نے وہی سوال پھر دہرایا اور سب کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی خاموش رہے تو میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں''۔

آپؐ نے حیرت سے میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''تم؟''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میری عمر تو اس وقت کم تھی لیکن میں جسمانی لحاظ سے کافی تومند تھا۔ میری بات سن کر آپؐ نے اظہار مسرت فرمایا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی اس روایت میں سب باتیں وہی ہیں جن کا ذکر پہلی روایت کے حوالے سے سطور بالا میں کیا جا چکا ہے باسوا اس کے کہ اس میں عباسؓ والی بات کا ذکر نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں عباد بن عبداللہ اسدی اور ربیعہ بن ناجد کی بیان کردہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی اس طرح پیش کی ہے جیسے وہ اس کے عینی شاہد ہوں۔ واللہ اعلم

امام احمد کی اس روایت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی عزیزوں سے شاید اس لیے کہا تھا کہ اگر خدانخواستہ ابلاغ رسالت کی بنا پر آپ کو کوئی قتل کر دے تو اشاعتِ اسلام کی ذمہ داری آپ کی وفات کے بعد کون لے گا اور مشرکین عرب کو راہِ راست پر لانے کے علاوہ خود بنی ہاشم کی اصلاح کا بیڑا کون اٹھا سکتا ہے؟ بہر حال آپ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ .... مِنَ النَّاسِ ﴾ تک

اس حکم سے اللہ تعالیٰ کا بدیہی منشا یہ تھا کہ آپ رات دن' صبح وشام' محفلوں میں یا لوگوں کے چھوٹے مجمعوں میں خواہ ان میں اپنے ہوں یا غیر' حج کے موقعوں پر بھی طاقت ور یا کمزور اور ضعیف لوگوں کا لحاظ کیے بغیر آپؐ اپنی رسالت کی ذمہ داریوں کو پوری طرح انجام دیں اور یہ کہ اس سلسلے میں خود اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے بغیر کسی خوف وخطر کے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر پورا پورا عمل فرمایا حالانکہ مشرکین مکہ میں دوسروں کے علاوہ خود آپ کا چچا ابولہب سب سے زیادہ آپ کا درپئے آزار بلکہ دشمن جاں ہو گیا تھا۔ ابولہب کا پورا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا' اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ تھی جو ابوسفیان کی بہن تھی۔ ابولہب کو آپ کی مخالفت کرنے اور آپ کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے باز رکھنے میں سب سے آگے آپؐ کے ایک دوسرے چچا ابو طالب تھے جو ویسے بھی طبعاً نیک اور رحمدل تھے۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل میں اتباع شریعت اور دین کی قبولیت سے قطع نظر آپ کی محبت اور حمایت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا ان کے اندر اپنی قوم کے دین پر جمے رہنے کے باوجود آپ کی امداد اور حمایت کا جذبہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مشرکین یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد وحمایت پر ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے ان کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھانے اور ان کے احترام کو پس پشت ڈال کر ان کو برا بھلا کہنے تک کی جرأت نہیں کرتے تھے اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کے دو چچاؤں ابو طالب اور ابولہب میں سے ہر چند کہ ان میں سے ایک نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا اوّل الذکر کو ممکن ہے اللہ تعالیٰ عذاب جہنم سے محفوظ رکھے لیکن دوسرے یعنی ابولہب کو یقیناً دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں جگہ ملے گی جو قولِ باری تعالیٰ:

﴿ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ وَّ امْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ﴾

سے صاف ظاہر ہے اور اس ذکر تمام اسلامی مجالس اور مواعظ خطبات میں آج تک ہوتا رہتا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابراہیم بن ابی عباس اور عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے اپنے باپ کے حوالے سے زمانہ

جاہلیت کے ایک شخص کا جسے بنی دیل کے لوگ ربیعہ بن عباد کہتے تھے اور وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا یہ قول بیان کیا کہ اس نے زمانہ جاہلیت میں ایک روز ذی مجاز کے بازار میں رسول اللہ ﷺ کو لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''اے لوگو! تم لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے''۔

جب کہ اسی بازار میں ایک دوسرا شخص جو بھینگا تھا اور اس کے رخساروں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے یہ کہہ رہا تھا:

''لوگو! اس کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ دیوانہ ہے اور (نعوذ باللہ) جو چاہتا ہے بکتا رہتا ہے''۔

یہ دوسرا شخص وہی ابولہب تھا جس نے اس سے قبل جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنو ہاشم کو جمع کرنے اور انہیں صرف ایک ہی پیالے سے کھلانے اور صرف ایک معمولی سے پیالے سے دودھ پلانے کا حکم دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول انہوں نے اس سے قبل کبھی اس قدر تھوڑی مقدار میں کھانے اور دودھ سے اتنی کثیر تعداد کے لوگوں کو سیر ہو کر کھاتے پیتے نہیں دیکھا تھا اور جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے یہ واقعہ یکے بعد دیگرے چار روز تک پیش آیا لیکن جب آپ بنی ہاشم سے کچھ کہنے لگے تو ہر بار لوگوں سے یہی کہا تھا:

''لوگو! تم اس کھانے اور دودھ کی اس ذرا سی مقدار سے سیر ہو کر کھانے پینے سے اندازہ لگا لو کہ یہ شخص کتنا بڑا جادوگر ہے''۔

اسی وجہ سے اس سے قبل کہ رسول اللہ ﷺ بنی ہاشم سے کچھ فرماتے وہ ہر بار آپ کی زبان مبارک سے کچھ سنے بغیر منتشر ہو جاتے تھے۔ یہی روایت بیہقی نے عبدالرحمٰن بن ابی زناد کے حوالے سے اسی طرح پیش کی ہے۔ بیہقی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے ابو طاہر فقیہ' ابوبکر محمد بن حسن قطان' ابوالفہر' محمد بن عبداللہ انصاری اور محمد بن عمر نے محمد بن منکدر او ربیعہ دیلی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ذی مجاز میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ لوگ آپ کے پیچھے قدم قدم چلے جا رہے تھے اور آپ انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ اس نے آپ کے پیچھے پیچھے اسی حلیے کے ایک شخص کو چلتے دیکھا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔ وہ کہتا جا رہا تھا:

''لوگو! یہ شخص کہیں تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر نہ دے' تم اس کی بات مت سنو''۔

راوی کہتا ہے:

''میں نے لوگوں سے پوچھا: ''یہ کون شخص ہے؟''۔

تو وہ بولے: ''یہ ابولہب ہے''۔

بیہقی نے اس روایت کو شعبہ کے ذریعے اشعث بن سلیم کے حوالے سے یوں بھی بیان کیا ہے کہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے بازار ذی المجاز میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''لوگو! کہو لا الہ الا اللہ' تم فلاح پاؤ گے''۔

اس شخص نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کے پیچھے ایک اور شخص چلا جا رہا تھا۔ اور آپ پر مٹی پھینکتا ہوا یہ کہتا جاتا تھا:

''لوگو! یہ شخص کہیں تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر نہ دے کہ تم لات وعزّیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دو''۔

اور دوسری روایت میں اس شخص کا نام اگرچہ ابوجہل بتایا گیا ہے لیکن جیسا کہ پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے یہ شخص (اس پر خدا کی لعنت ہو) ابولہب ہی تھا۔ اس کی جملہ باتوں اور حرکات قبیحہ کا ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ اس کی وفات کے ذکر کے ساتھ کریں گے جو غزوۂ بدر کے بعد ہوئی۔ (مؤلف)

ابولہب کی ان حرکات کے برعکس ابو طالب میں فطری طور پر آنحضرت ﷺ کے لیے انتہائی شفقت تھی جو آپؐ کے معاملات میں ان کے اموال واقوال سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے اور ان کے اس اعتماد واستقلال سے بھی جو انہوں نے آپؐ کے اور آپؐ کے ساتھیوں کی حمایت وامداد میں ظاہر کیا۔ یونس بن بکیر' طلحہ بن یحییٰ اور عبداللہ بن موسیٰ بن طلحہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخرالذکر کو عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ:

ایک دن قریش کے کچھ لوگ ان کے والد ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں اور ہماری عبادت گاہوں کو برا بھلا کہتا ہے اور انہیں تباہ وبرباد کرنے کی فکر میں ہے حالانکہ وہ ہمیں میں سے ہے۔ پھر وہ ہمارا بدخواہ کیوں ہے؟''۔

ان سے یہ سن کر ابوطالب نے عقیل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو آپؐ کے پاس لے جائیں اور جو بات یہ لوگ کہتے ہیں وہ انہیں بتا دیں۔ عقیلؓ کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر ایک تنس یا خنس یعنی ایک چھوٹے سے مکان میں گئے۔ اس مکان سے رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو اس وقت باہر سخت دھوپ پڑ رہی تھی اور بڑی گرمی تھی۔ آپ کو دیکھ کر ان لوگوں نے کہا:

''کیا یہی تمہارے چچا کا بیٹا ہے جو ہمارے بتوں اور ہمارے عبادت خانوں کو برا بھلا کہتا ہے؟''۔

یہ کہہ کر وہ آپ کی طرف جھپٹے' لیکن آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر آواز بلند فرمایا:

''لوگو! کیا تم اس سورج کو دیکھ رہے ہو؟''۔

وہ لوگ بولے: ''ہاں''۔

ان سے آپؐ نے فرمایا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس سے کہوں کہ وہ اپنے شعلوں سے تمہیں جلا کر خاک کر دے۔ لیکن میں ایسا نہیں چاہتا حالانکہ میرے لیے یہ بالکل ممکن ہے''۔

جب ان لوگوں نے عقیل رضی اللہ عنہ کے والد یعنی ابوطالب سے یہ بات کہی تو وہ بولے:

''میرا بھتیجا قطعاً جھوٹ نہیں کہتا''۔

یہ سن کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ بخاری نے اپنی مرتب کردہ تاریخ میں محمد بن علا اور یونس بن بکیر کے حوالے سے یہ روایت بھی پیش کی ہے۔ بیہقی نے بھی حاکم' عصم اور احمد بن عبدالجبار کے حوالے سے بالکل انہی الفاظ میں یہ روایت بیان کی ہے۔

بیہقی کی یونس کے ذریعہ ابن اسحٰق کے حوالے سے یہ روایت بھی ہے کہ آخر الذکر کہتے ہیں کہ ان سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے بیان کیا کہ جب مشرکین قریش ابی طالب کے پاس آنحضرت ﷺ کے خلاف مذکورہ بالا شکایت لے کر آئے تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ قریش آپؐ کے خلاف یہ شکایت لے کر آئے تھے تو تم جو کچھ بھی تمہارا مذہب ہوا سے علی (رضی اللہ عنہ) اور اپنے آپ تک محدود رکھو اور دوسرے لوگوں کو شکایت کا موقع نہ دو بلکہ مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں یہ سن کر آپؐ نے تھوڑی دیر کچھ غور کیا' پھر یہ سوچ کر کہ اب آپ کو اپنے چچا کے پاس قیام کرنا بھی ناممکن ہوگا لیکن جو بھی ہو آپؐ نے ان سے کہا:

''اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اظہارِ حق سے باز نہیں رہ سکتا''۔

یہ کہہ کر آپ آب دیدہ ہو گئے' یہ دیکھ کر جناب ابوطالب نے آپؐ سے کہا:

''جو کچھ میں نے کہا اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہوں یا تمہاری حمایت سے ہاتھ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ جو تم کہتے ہو سچ ہے تو پھر جو تم پسند کرتے رہو' میں آئندہ تمہیں کبھی اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کروں گا''۔

اس سلسلے میں جناب کے کچھ اشعار بھی آج تک مشہور چلے آتے ہیں اور بیہقی نے بھی ان اشعار کا ذکر کیا ہے جن سے جناب ابوطالب کا آپؐ کے ساتھ شفقت و محبت اور ہمیشہ آپ کی حمایت پر آمادگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یونس بن بکیر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن اسحٰق اور چالیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا مصر کے ایک بوڑھے شخص نے عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک طویل قصہ بیان کیا تھا جس میں مشرکین مکہ اور آنحضرت ﷺ کے مابین اختلافی واقعات کا ذکر تھا اور یہ بھی کہ جب آپؐ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا تو ابوجہل بن ہشام نے قریش مکہ کو جمع کر کے ان سے کہا تھا:

''تم دیکھ رہے ہو کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین ہی کو نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتا اور ہمارے دیوتاؤں کو گالیاں دیتا ہے۔ چنانچہ آج میں نے یہ پختہ ارادہ کیا ہے کہ کل صبح ہوتے ہی ایک بڑا پتھر لے کر اس کی تاک میں بیٹھ جاؤں گا اور وہ جیسے ہی حرم میں نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں جائے گا میں اس کا سر اس بڑے پتھر سے پاش پاش کر دوں گا تاکہ بنو عبد مناف پہلے کی طرح اپنے دیوتاؤں کی پرستش سکون و اطمینان سے کرتے رہیں''۔

چنانچہ اگلی صبح جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے حسبِ معمول خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے لگے تو اس وقت قیام آپ حجر اسود اور حجر یمانی کے درمیان کھڑے تھے اور آپ کا رخ شام کی طرف تھا جب کہ خانہ کعبہ درمیان میں تھا اور جب آپ سجدے میں گئے تو ابوجہل جو ایک طرف چھپا ہوا تاک میں بیٹھا تھا پتھر لے کر آپ کی طرف بڑھا۔ اس وقت کچھ دوسرے مشرکین قریش بھی ایک گوشے میں چھپے ہوئے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے لیکن جب ابوجہل نے پتھر آپؐ کے سر مبارک پر مارنا چاہا تو وہ پتھر اس کے ہاتھوں میں ایسا چپکا کہ وہ اسے بصد ہزار کوشش پھینکنے پر قادر نہ ہو سکا بلکہ خوف سے کانپتا ہوا الٹے پاؤں بھاگا تو

دوسرے لوگوں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا: ''کیا ہوا ہے؟''۔ ان کے اس سوال پر اس نے پتھر کا اپنے ہاتھ سے چپک جانے کا ماجرا بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ایک عظیم تجیم اونٹ اس کی طرف لپکا تھا اور اگر وہ بھاگ نہ آتا تو وہ خوف ناک اونٹ اپنے کھلے ہوئے منہ میں اس کا سر لے کر اسے ضرور چبا ڈالتا۔ اس نے ان سے یہ بھی کہا کہ اس ہیئت کا اونٹ اس نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ راوی نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بقول ابوجہل نے جسے اونٹ سمجھا تھا وہ جبریل علیہ السلام تھے اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ابوجہل آپؐ کے سر پر پتھر مارتا تو ملائکہ اسے روک لیتے' تاہم اسے اس حرکت سے جبریل علیہ السلام ہی نے باز رکھا تھا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ' ابونصر' عثمان دارمی' عبداللہ بن صالح اور لیث بن سعد' نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ' آبان بن صالح' علی بن عبداللہ اور ان کے والد نیز عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر کے بقول جب رسول اللہ ﷺ اس روز نماز کے لیے خانہ کعبہ تشریف لے گئے تھے اور ابوجہل (اس پر خدا کی لعنت ہو) آپؐ کے پیچھے پیچھے چلا تھا تو وہ بھی کسی نہ کسی طرح آپؐ کے ساتھ ہو لیے تھے اور جب ابوجہل آپ کی تاک میں بیٹھا تھا تو انہوں نے آپ کو اس کے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن ان کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اس روز کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ اسی لیے وہ آپ کو ابوجہل کے ارادے سے آگاہ کرنے کے باوجود آپؐ کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا تھا تاکہ حتی الامکان آپ کو ابوجہل کی حرکت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر سکیں۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

> رسول اللہ ﷺ نے نماز کی نیت باندھ کر آیت قرآنی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ کے بعد ﴿کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی﴾ کے قرآنی الفاظ تلاوت فرمائے اور میں نے کچھ لوگوں کو ابوجہل سے یہ کہتے سنا: ''اے ابوالحکم' دیکھو یہی محمدؐ ہیں''۔ اور اس نے یہ جواب دیا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں اور دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں کیا کرنے والا ہوں''۔ تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ان قرآنی الفاظ میں لفظ ''انسان'' سے مراد واقعتہً اس وقت صرف ابوجہل ہی تھا''۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بقول ان آیات کی تلاوت کے بعد آنحضرت ﷺ (رکوع و قیام کے بعد) سجدے میں چلے گئے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے عبدالکریم اور عکرمہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی کہ جب ابوجہل پتھر لے کر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھا تھا اور آپؐ اس وقت خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو خود آپؐ کے بقول آپ کو پہلے سے اس کی اطلاع ہو گئی تھی اور یہ کہ بفرض محال ابوجہل پتھر پھینکنے میں کامیاب بھی ہو جاتا تو ملائکہ اسے (پتھر کو) راستے ہی میں یقیناً روک لیتے۔

بخاریؒ نے بھی یہ روایت یحییٰ اور عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کی ہے داؤد بن ابی ہند عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے

حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب اس روز آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمار ہے تھے تو ابوجہل نے آپؐ کے قریب آ کر کہا تھا:

''اے محمدؐ! میں تمہیں نماز ہرگز پڑھنے نہیں دوں گا۔ کیونکہ تم نماز میں جس احد (اللہ) کا ذکر کرتے ہو وہ کہیں نہیں ہے اور دوسرے بھی مجھ سے یہی کہتے ہیں اب تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟ تم اپنے اللہ سے کہو کہ وہ تمہیں مجھ سے بچا لے''۔

تاہم آپ کو اس کے ارادے کی پہلے ہی سے خبر تھی اور جبریل علیہ السلام آپ کو خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَه سَنَدْعُ الزَّبَانِيَة ﴾

سنا گئے تھے۔ چنانچہ اگر آپؐ اللہ سے بطور دعا یہی الفاظ کہتے تو یقیناً ابوجہل پر عذابِ الٰہی نازل ہو جاتا۔

امام احمدؒ، ترمذیؒ اور نسائی نے بھی داؤد (ابوداؤد) کی طرح یہ روایت پیش کی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ ان سے اسماعیل بن یزید ابوزید اور فرات نے عبدالکریم' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ابوجہل کا یہ قول بھی بیان کیا ہے:

''اگر میں محمد کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لیتا تو یقیناً ان کی گردن اڑا دیتا''۔

روایت کے مطابق ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا:

''چاہے مجھ پر کوئی عذاب آتا یا جو کچھ بھی ہوتا''۔

ابوجعفر بن جریر کہتے ہیں کہ ان سے ابن حمید' یحییٰ بن واضح اور یونس بن ابی اسحاق نے ولید بن عیذار اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان یہ ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا:

''اگر میں نے محمد (ﷺ) کو یہاں پھر نماز پڑھتے دیکھا تو میں اسے قتل کر دوں گا''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی نازل فرمائی:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ﴾

حتیٰ کہ یہ آیت:

﴿ نَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ فَلْيَدْعُ نَادِيَة سَنَدْعُ الزَّبَانِيَة ﴾

پھر جب رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائی تو ابوجہل سے پوچھا گیا:

''اب تمہیں انہیں قتل کرنے سے کون سی چیز مانع ہے؟''۔

تو اس نے جواب دیا:

''میرے اور اس کے درمیان بہت سے کتبوں کی سیاہی حائل ہو گئی''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر ابوجہل بالفرض کوئی ایسی حرکت کرتا بھی تو خدا کی قسم ملائکہ آسمان سے نازل ہو کر اسے پکڑ لیتے اور پھر یہ تماشا وہاں موجود سب لوگ دیکھتے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے ابن عبدالاعلیٰ اور معتمر نے اپنے باپ یعنی آخر الذکر

کے باپ نعیم بن ابی ہند ابی حازم اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول جب ابوجہل سے پوچھا گیا کہ آیا اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ آپ کو سب دوسرے لوگ دیکھ رہے تھے تو وہ بولا:

''لات وعزیٰ کی قسم میں نے اسے نماز پڑھتے تو دیکھا لیکن اس طرح کہ اس کا سر نیچے اور پاؤں اوپر تھے اگر اس کا سر اوپر ہوتا تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے اور میرے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہے''۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں آ کر حسب معمول نماز پڑھی تھی۔ ویسے جب ابوجہل سے پوچھا گیا تھا تو اس نے نہ صرف آپ کے اور اپنے درمیان آگ سے بھری خندق کا ذکر کیا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ اس نے آپ کے گرد اور عقب میں بہت سے (مہیب) پرندے بھی دیکھے تھے۔ اس بیان کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) ارشاد فرمایا:

''اگر وہ (ابوجہل) میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کے جسم کا ہر عضو الگ الگ کر کے اس کے چیتھڑے اڑا دیتے''۔

آنحضرت ﷺ نے آیت (جو مجھے معلوم نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں کہیں ہے یا نہیں۔ مؤلف)

﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنَا ..... الخ ﴾

کے نزول کا بھی ذکر فرمایا تھا جس کا سطور بالا میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس روایت کو احمد، مسلم، نسائی، ابن حاتم اور بیہقی نے معتمر بن سلیمان بن طرخان تمیمی کی بیان کردہ روایت کی حیثیت سے پیش کیا ہے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ان سے وہب بن جریر اور شعبہ نے ابی اسحٰق، عمرو بن میمون اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دفعہ کے سوا کبھی قریش کو بد دعا دیتے نہیں دیکھا اور وہ دن وہ تھا جب آپ نماز پڑھ رہے تھے تو مشرکین قریش کے کچھ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے جلوس کی شکل میں جا پہنچے۔ ان میں سے کسی کے پاس اوجھڑی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری تھی۔ ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کیا:

''یہ ٹوکری اس کی پیٹھ پر کون الٹے گا؟''۔

یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط بولا: ''میں''۔

یہ کہہ کر اس نے اوجھڑی سے بھری ہوئی وہ ٹوکری لی اور رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر اس وقت الٹی جب آپ سجدے میں تھے۔ آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا حتیٰ کہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تشریف لائیں اور وہ اوجھڑی آپ کی پشت مبارک سے اٹھا کر الگ پھینکی۔ اس کے بعد آپ نے سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا:

''اے اللہ! اس قبیح حرکت کا بدلہ ان قریشیوں سے تو ہی لے گا، اے اللہ! اس کا بدلہ عتبہ بن ربیعہ سے تو ہی لے گا، اے اللہ! اس کا بدلہ شیبہ بن ربیعہ سے تو ہی لے گا اے اللہ! اس کا بدلہ ابوجہل بن ہشام سے تو ہی لے گا، اے اللہ! اس کا بدلہ عقبہ بن ابی معیط سے تو ہی لے گا، اے اللہ! ابی بن خلف (یا امیہ بن خلف) سے اس کا بدلہ تو ہی لے گا''۔

بخاریؒ نے اپنی صحیح کتاب احادیث میں کئی جگہ لکھا ہے۔ مسلم نے بھی اس روایت کو ابن اسحٰق کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ لیکن اس روایت میں ابی خلف کی جگہ امیہ بن خلف ہی صحیح ہے جو جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اس کا بھائی ابی خلف جنگ احد میں قتل ہوا جس کا ذکر ہم عنقریب آگے چل کر کریں گے۔ (مؤلف)

اس کے بعد ابوالفدا حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ سلا (اوجھڑی) دراصل وہ نال ہوتی ہے جو بچے کی ولادت کے بعد کسی اونٹنی یا عورت کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے) بعض صحیح روایات سے معلوم ہوا کہ اس قبیح حرکت کے بعد وہ لوگ ہنستے ہنستے ایسے لوٹ پوٹ ہوئے کہ ایک دوسرے کے اوپر گرنے لگے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی پیٹھ سے وہ غلاظت اٹھالی تو پھر وہ ان لوگوں کو جو وہاں جمع ہو کر آپؐ پر ہنس رہے تھے برا بھلا کہنے لگیں اور ان کے والد محترم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر اٹھا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ان لوگوں کے لیے جن کا اوپر ذکر کیا گیا بد دعا کی تو لوگ خوف سے اپنی ہنسی بھول گئے۔ آپؐ نے ان لوگوں میں سے سات کو نام بنام بد دعا دی تھی لیکن ان میں سے چھ کا ذکر اکثر روایات میں آیا ہے جو عتبہ اور شیبہ (ربیعہ کے بیٹے) ولید بن عتبہ ابوجہل بن ہشام عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف ہیں۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ وہ ساتویں شخص کا نام بھول گئے ہیں۔ وہ شخص عمارہ بن ولید تھا جس کا نام صحیح بخاریؒ میں آ گیا ہے۔ (مؤلف)

اراشی کا قصہ ❶

یونس بن بکیر محمد بن اسحق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کو عبدالملک بن ابی سفیان ثقفی نے بتایا کہ اراشی کا ایک شخص اونٹ لے کر مکہ آیا تو اسے ابوجہل بن ہشام مل گیا اور اس نے اراشی کے اس شخص سے اس کا اونٹ چھین لیا تھا وجہ یہ تھی کہ اس نے ابوجہل سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تھا اور اس سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آپؐ سے ملنا چاہتا ہے کیونکہ اراشی کے کچھ بزرگوں کی زبانی اس نے سنا تھا کہ مکے میں ایک شخص کہتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نبی کے طور پر بھیجا گیا ہے اور جیسا کہ ان بزرگوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا وہ سچا ہوگیا۔ اس کے بعد وہ شخص مسجد کے قریب آیا اور قریش کے جو لوگ وہاں تھے ان سے کہا کہ ابوجہل نے اس کا اونٹ زبردستی چھین لیا ہے پھر اس نے اپنے اور ابوجہل کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی انہیں سنا کر ان سے پوچھا کہ ابوجہل میں اور آنحضرت ﷺ کے مابین ایسی کیا دشمنی ہے جو ان کا نام سنتے ہی وہ اس حرکت پر اتر آیا یعنی اس سے اس کا اونٹ چھین لیا اور اسے برا بھلا بھی کہا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ ایک غریب مسافر ہے' وہ لوگ ابوجہل سے اس کا اونٹ واپس دلائیں۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے جو وہاں موجود تھے اس سے کہا کہ محمد (ﷺ) تم جنہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کے لیے یہاں آئے ہو یہی ہیں اور سارے مکے میں اگر ابوجہل سے کوئی شخص تمہارا اونٹ اور سامان واپس دلا سکتا ہے تو وہ شخص صرف یہی ہے کیونکہ یہ ہمیشہ سے امین اور دیانت دار مشہور ہیں اور قریش ان کی تضحیک ❷ اور ان کی مخالفت کے باوجود ان کی بات اب تک مان لیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص آپؐ سے فریاد کرنے لگا تو آپؐ اسے لے کر ابوجہل کے مکان پر پہنچے اور کچھ دوسرے لوگ بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے وہاں گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب وہ باہر آیا تو آپؐ نے اس سے اس اراشی کا اونٹ اور اس کا سامان واپس دینے کے لیے کہا۔ پہلے تو ابوجہل نے کچھ تامل کیا لیکن پھر اس شخص کا سامان اور اونٹ واپس کر دیا۔ اس شخص نے آپ کا شکریہ ادا کیا تو لوگ اس سے بولے کہ اس نے آپ کو کیسا پایا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ:

''واقعی جیسا میں نے سنا تھا انہیں ایسا ہی پایا۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ اس نے آپؐ کے سر پر ایک خاص قسم کی روشنی دیکھی تھی اور یہ کہ آپؐ یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں''۔

جب لوگوں نے ابوجہل کے غرور و تکبر اور اس کی لن ترانیوں کے پیش نظر اس سے دریافت کیا کہ:

''اس نے آپؐ کے کہنے سے اس شخص کا اونٹ اور سامان کیوں واپس کر دیا؟''۔

---

❶ اراش ایک جگہ کا نام ہے جس کا قصہ یاقوت نے بیان کیا ہے۔ مؤلف)

❷ حلبی نسخے میں یہاں ''یہزدن'' لیکن مصری نسخے میں ''یبرون'' لکھا ہے۔ (مؤلف) میں نے یہاں ''یہزدن'' ہی کو صحیح سمجھ کر اس کا ترجمہ ''تضحیک'' کیا ہے۔ (مترجم)

تو ابوجہل نے جواب دیا کہ:

''میں کیا کرتا' محمد (ﷺ) کی پشت پر ایک خوف ناک اونٹ اس طرح منہ کھولے کھڑا تھا کہ اگر میں نے انکار کیا تو وہ مجھے فوراً ہڑپ کر لے گا''۔

بخاری کہتے ہیں کہ ان سے عیاش بن ولید' ولید بن مسلم اور اوزاعی نے یحییٰ بن ابی کثیر اور محمد بن ابراہیم تیمی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو عروہ بن ابی زبیر نے ابی العاص کی زبانی بتایا کہ ابوالعاص نے میرے دریافت کرنے پر کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قریش نے حد سے زیادہ برائی کس موقع پر کی' کہا کہ:

''ایک بار آپؐ خانہ کعبہ میں حجر اسود کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ عقبہ بن ابی معیط ایک کپڑے کو بل دے کر آپ کی طرف بڑھا اور وہ کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر اسے آپ کی گردن کے گرد کسنے لگا لیکن اسی وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عقبہ کو پیچھے دھکیل دیا اور بولے'' کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ اللہ اس کا رب ہے اور تمہارے رب کی نشانیاں نہیں بتاتا ہے''۔ (آیہ قرآنی)

ابوالعاص کی زبانی یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں یہ واقعہ یحییٰ بن عروہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ عبداللہ بن عمرو کو بھی یہ واقعہ ان کے والد ہی نے سنایا تھا۔ عبدہ اپنے والد اور ہشام کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابوالعاص کو یہ واقعہ کسی دوسرے نے سنایا تھا محمد بن عمرو ابی سلمہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کو یہ واقعہ خود ابوالعاص نے سنایا بیہقی اور اسی طرح سلیمان بن بلال نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے وہی روایت پیش کی ہے جو عبدہ نے بیان کی۔ بخاری نے ذاتی تحقیق کے بعد اپنی کتاب احادیث ''صحیح بخاری'' میں جہاں جہاں یہ روایت بیان کی ہے اور اسے جہاں جہاں بھی پیش کیا ہے تو ان میں بعض جگہ اسے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے منسوب کیا ہے کیونکہ انہوں نے عروہ کے بیان کو مشتبہ سمجھتے ہوئے اس روایت کو عمرو کی بیان کردہ روایت سے بھی پہلے کی روایت بتایا ہے۔

بیہقی' حاکم' عصم' احمد بن عبدالجبار' یونس اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر نے یحییٰ بن عروہ اور ان کے والد عروہ کے حوالے سے بیان کیا کہ عروہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے پوچھا کہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے میں مستقل مزاجی کا ثبوت دینے والوں میں بظاہر کون کون لوگ پیش پیش تھے جنہوں نے آپ کی دشمنی میں حد کر دی ہو تو وہ بولے کہ انہوں نے ایک روز دیکھا کہ قریش کے کچھ معزز لوگ حجر اسود کے قریب جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے:

''ہم نے اس سے قبل اس شخص کے سوا کوئی ایسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا جو ہمیں برا ٹھہراتا۔ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتا' ہمارے دین کو معیوب بتاتا بلکہ ہمارے دیوتاؤں کو گالیاں تک دیتا ہو۔ کیا یہ ہمارے لیے سب سے زیادہ ناقابل برداشت نہیں ہے؟''۔

وہ کہتے ہیں کہ اسی وقت آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور اندرون حرم جانے لگے تو ان میں سے ایک ایک کر کے چھپتے چھپاتے آپؐ کے پیچھے ہو لیے لیکن آپؐ نے اچانک پلٹ کر ان سے فرمایا:

''اے گروہ قریش! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگ مجھے قتل کرنے آئے ہو''۔

ان میں سب سے آگے جو شخص تھا اور قریب قریب آپ کے سر پر پہنچ چکا تھا' اس نے پیچھے آ کر بتایا کہ آپ کے سر پر ایک مہیب طائر سایہ کیے ہوئے تھا اس لیے وہ لوگ ڈر کر سب کے سب وہاں سے پلٹ آئے جب کہ آگے والے نے ایک آواز بھی سنی تھی کہ:

''اے ابوالقاسم (آپ کی کنیت) ان جاہلوں سے نہ الجھو''۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی وقت وہاں سے تشریف لے گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ

''دوسرے دن وہ لوگ پھر حجر اسود کے نزدیک جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے تو وہ لوگ آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر بولے: ''تمہیں وہ شخص ہو جو ہمارے دیوتاؤں کو اور ہمارے مذہب کو برا بتاتا ہے؟''۔

اس کا جواب آپ نے یہ دیا:

''ہاں میں ہی وہ شخص ہوں''۔

اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ:

''یہ سن کر ان میں سے ایک شخص (آپ کے گلے میں پھندا ڈالنے کے لیے) اپنی چادر کو رسی کی طرح بل دینے لگا۔ لیکن ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے جو آپ کے قریب آ پہنچے تھے ان سے کہا: ''خدا تم لوگوں کو غارت کرے! کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو (صرف) یہ کہتا ہے کہ اس کا رب اللہ ہے؟''۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور میں نے سب سے زیادہ آپ کے ساتھ قریش کی عداوت کا جو مظاہرہ دیکھا بس وہ اسی روز تھا۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں باوجود اس کے کہ آپ کے چچا ابوطالب انہیں اس سے روکنے اور آپ کی حمایت کرتے رہے کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن چونکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طاقت تھی اس لیے وہ آپ کا بال بیکا نہ کر سکے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیعؒ نے حماد بن سلمہ اور ثابت وانس کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی:

''درحقیقت میں نے خدا کی راہ میں اذیتیں برداشت کیں لیکن کسی کو اذیت نہیں دی' میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرا اور ایک دن اور ایک رات کے درمیان ایک مہینہ ایسا بھی گزرا کہ مجھے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اس کے سوا کہ جو کچھ تھوڑا بہت ان کے پاس تھا کھانے کو کچھ نہیں ملا''۔

اس حدیث کا استخراج ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حماد کی بیان کردہ روایت سے کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حدیث ''حسن'' بتایا ہے۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ آپ کی حفاظت کا خیال رکھا اور آپ کے قریب رہے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ اپنے دین کے اظہار میں ثابت قدم رہے اور آپ کو اس سے کوئی چیز باز نہ رکھ سکی۔ جب قریش نے

یہ دیکھا کہ آپؐ اپنے دین کے اظہار اور ان کے مذہب کی خرابیاں نیز ان کے دیوتاؤں کو برا کہنے سے باز نہیں آتے اور آپؐ کے چچا ابو طالب ہر موقع پر آپ کی حمایت اور امداد پر آمادہ رہتے ہیں اور جب بھی وہ آپ کو ایذا رسانی یا ختم کرنے کے لیے اجتماعی طور پر آگے بڑھتے ہیں تو وہ آڑے آ جاتے ہیں اپنا ایک شریف اور معزز شخص ان کے پاس بھیجا جس کے ہمراہ ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی کے دونوں بیٹے عتبہ و شیبہ' ابو سفیان صخر بن امیہ بن عبد شمس' ابو البختری جس کا پورا نام عاص بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی' اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ' ابو جہل جس کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھا۔ ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی اور اس کے قریبی عزیز یعنی حجاج بن عامر بن حذیفہ ابن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی اور اس کے دونوں بیٹے اور عاص بن وائل بن سعید بن وغیرہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے ابو طالب کے پاس جا کر کہا:

''اے ابو طالب! اگر آپ کے بھائی کا بیٹا ہمارے دین و مذہب اور جن دیوتاؤں کی ہم عزت کرتے ہیں کو اسی طرح برا کہتا رہا اور آپ اسی طرح اس کی امداد و حمایت کرتے رہے تو ہم سمجھیں گے کہ آپ نے بھی ہمارے خلاف ہو کر صرف اس کی امداد کی ٹھان رکھی ہے' پھر ہم جو کچھ بھی کریں آپ شکایت نہ کرنا''۔

بہر کیف جناب ابو طالب نے ان کو نرمی اور شیریں کلامی کے ساتھ سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ میں حسب سابق مصروف رہے۔ چنانچہ قریش کے مذکورہ بالا اور دوسرے بہت سے معزز لوگ ایک بار پھر جمع ہو کر جناب ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ:

''اگر آپ نے اب بھی اپنے بھتیجے کو ہمارے دین و مذہب اور ہمارے دیوتاؤں کو برا کہنے سے اب بھی نہ روکا تو آپ کے جو ہمارے معزز ترین' بلند مرتبہ اور باعزت لوگوں میں سے ہیں اور ہمارے مابین کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مارا جائے''۔

تاہم جناب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کے معمولات یعنی اظہار دین حق اور اس کی تبلیغ میں کوئی مزاحمت نہیں کی نہ آپ کی امداد و اعانت سے ہاتھ روکا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے بیان کیا کہ اخنس کی روایت یہ ہے کہ جب قریش کے مذکورہ بالا لوگ جمع ہو کر جناب ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان کی ان سے مذکورہ بالا گفتگو ہوئی تو جناب ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر قریش کے اور اپنے مابین گفتگو آپ کو سنائی پھر بولے:

''تم میرے ساتھ ضرور رہو اور میں تمہاری ہر طرح امداد و اعانت اور حفاظت کا وعدہ بھی تم سے کرتا ہوں لیکن اپنے دین و مذہب کے اظہار کے سلسلے میں اتنا بوجھ مجھ پر مت ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں''۔

اپنے چچا جناب ابو طالب کی زبان سے یہ گفتگو سن کر آنحضرت ﷺ ایک لمحہ خاموش رہے اور پھر گریہ فرماتے ہوئے ان سے بولے:

’’چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ کر مجھ سے کہیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس سے باز آ جاؤں تو میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا' چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے‘‘۔

آپ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سن کر جناب ابو طالب نے آپ کو اپنے قریب بلایا جب آپؐ ان کے قریب گئے تو وہ آپ کو پیار کر کے بولے:

’’اے میرے بھائی کے بیٹے! تم جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو میں آئندہ تمہیں اس پر کبھی نہیں ٹوکوں گا‘‘۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب مشرکین قریش نے یہ دیکھا کہ جناب ابو طالب آپ کو اظہار اسلام سے روکنے پر تیار نہیں ہیں بلکہ وہ اس سلسلے میں اپنی قوم کی مخالفت اور عداوت مول لینے پر بھی آمادہ نظر آتے ہیں تو وہ سب مل کر آخری بار عمارہ بن ولید بن مغیرہ کی سربراہی میں ان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

’’اے ابو طالب! آپ عمارہ بن ولید سے جو اس وقت بطور ہمارے سربراہ کے ہمارے ساتھ آئے ہیں اچھی طرح واقف ہیں اور ان کی حیثیت اور قریش میں ان کے بلند مرتبے سے بھی بخوبی آگاہ ہیں' لہٰذا آپ ان کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے ان کی اور ہماری مدد کیجیے۔ رہی یہ بات کہ آپ نے اپنے بھائی کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے اسے آپ جانیں لیکن وہ جو اپنی قوم بلکہ خود آپ سے منحرف ہو کر ہمارے اور آپ کے دین و مذہب اور ہمارے دیوتاؤں کو برا کہنے لگا ہے اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔ وہ صرف ایک ہی شخص تو ہے اس کے نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا بلکہ اس نے جو ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا ہے بلکہ ساری قوم میں افتراق و انشقاق کے بیج بو کر فتنہ و فساد پیدا کر دیا ہے اس سے ان تمام باتوں کا خاتمہ ہو جائے گا‘‘۔

اس طویل گفتگو کا جواب جناب ابو طالب نے صرف اتنا دیا:

’’بڑے غضب کی بات ہے! فرض کرو میں تم میں سے کسی کے بیٹے کو صرف اپنی مخالفت کی بناء پر اس سے لے کر اسے قتل کرنا چاہوں تو کیا وہ شخص اس بات پر میری دلجوئی کی خاطر راضی ہو جائے گا؟ پھر تم خود سوچو کہ میں اپنے لختِ جگر کو تمہارے کہنے سے صرف تمہاری خوشنودی کے لیے تمہارے ہاتھوں کس طرح قتل کرا سکتا ہوں میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا نہ کروں گا‘‘۔

جناب ابو طالب کا یہ جواب سن کر وہ سب لوگ یک زبان ہو کر بولے:

’’اے ابو طالب! تم اپنی قوم میں (صرف ایک شخص کے لیے) تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہو بلکہ تم نے اپنے بھتیجے کی خاطر ساری قوم کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے‘‘۔

مشرکین قریش کی طرف سے اس گفتگو میں سب سے پیش پیش مطعم جو بنی حرب اور بنی عبد مناف کی اس طرح تذلیل پر سب سے زیادہ غصے میں تھا۔

جناب ابو طالب نے سب سے زیادہ مطعم کی گفتگو کو بنیاد بنا کر اس واقعے کے سلسلے میں جو اشعار کہے تھے وہ ادبیات اور تاریخ عرب میں آج تک مشہور چلے آتے ہیں۔ ابن ہشام نے دو بیت کے علاوہ سب لکھ دیئے ہیں۔

قریش کی طرف سے ہر مسلمان کو ایذا رسانی کی انتہا

جب آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب نے یہ دیکھا کہ قریش نے آپؐ پر ایمان لانے والے ہر شخص پر ظلم و جور کی انتہا کر دی ہے تو انہوں نے ان سب کو ایک بار پھر جمع کیا۔ ان میں مسلمان بھی تھے اور کفار قریش بھی لیکن ابولہب نہیں آیا۔

حضرت ابی طالب نے کفار قریش کی حسب روایت اہل عرب اشعار کی صورت میں تعریف کرتے ہوئے اور ان کی روایتی سخاوت' تواضع اور مہمان نوازی کا حوالہ دیتے ہوئے ان سے مسلمانوں کو ایذا رسانی سے باز رہنے کو کہا۔[1] ان کی تقریر ایسی مؤثر تھی کہ کفار قریش کی اکثریت سوائے ان کے جو ازلی جابر و ظالم تھے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

کفار قریش میں سے وہ لوگ بھی جو ابی طالب کی تقریر سے متاثر ہوئے تھے اس لیے متاثر نہیں ہوئے تھے کہ انہیں راہ حق کی تلاش تھی بلکہ وہ بھی ان کا روایتی جوش تھا ورنہ ان کا فطری عناد بھلا کہاں جانے والا تھا۔

چنانچہ ایسے لوگوں ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں ارشاد فرمایا:

① ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ .... اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ تک

② ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ .... اَلْعَذَابِ الْعَلِيْمِ﴾ تک

③ ﴿وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُرْسِلَ بِالْاٰيَاتِ .... الآيَاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ تک

④ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا .... اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ تک

ہم ان آیاتِ شریفہ اور اس قبیل کی چند دیگر آیات کی تشریح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی تفسیر میں حسب موقع کر چکے ہیں جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ثابت ہے مکہ میں کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کو بارہا ڈھیروں سونا چاندی کا لالچ دیا' عرب کی حسین ترین لڑکیوں کو آپ کی زوجیت میں دینے کا وعدہ کیا۔ ان کی ایک یہی شرط تھی کہ آپؐ تبلیغ اسلام سے کنارہ کش ہو جائیں لیکن آپؐ نے انہیں ہمیشہ یہی جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر اس لیے نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے اس لیے رسول بنایا ہے کہ میں تمہیں صرف اس کی پرستش کی تلقین کروں' تمہیں نیکی کی راہ دکھاؤں' تمہیں بدی کی راہ پر چلنے سے روکوں اور تمہیں خدا کا خوف دلا کر اس کے عذاب سے بچاؤں''۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے:

---

[1] اشعار کے بارے میں مؤرخین میں باہم اختلاف ہے۔ (مؤلف)

''اگر آپؐ واقعی اللہ کے نبی ہیں تو یہاں عراق اور شام کی طرح کی نہریں بہا کر اور باغات اُگا کر دکھائیے''۔
اس کے جواب میں بھی آپ یہی فرماتے تھے:

''میں اللہ کا رسول ہوں' اس نے مجھے زمین پر یہ کرشمے دکھانے نہیں بھیجا بلکہ تمہیں بتوں کی پرستش چھوڑنے' صرف اسی کو ماننے' اسی کی عبادت کرنے' بدی سے باز آنے' نیکی اختیار کرنے ورنہ بصورتِ دیگر تمہیں عذابِ آخرت سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے''۔

یا جیسا بھی آپؐ نے ارشاد فرمایا ہو۔

ان روایات کو یونس وزیاد ابن اسحٰق اور چند دوسرے اہل علم کے حوالے سے بھی بیان کرتے ہیں۔ ان میں مصر کے شیخ محمد بن ابی محمد بھی ہیں۔ انہوں نے سعید بن جبیر' عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا۔

ایک دن قریش کے فلاں فلاں معزز لوگ بعد مغرب کعبہ کے عقب میں جمع ہوئے اور آپس میں مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ وہ سب مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور آپ کو دین اسلام کی تبلیغ سے روکیں۔ چنانچہ یہ طے کرنے کے بعد وہ آپؐ کے پاس جا پہنچے۔

بہر حال آپ کو انہیں دیکھتے ہی ان کی آمد کی غرض و غایت معلوم ہو گئی لیکن چونکہ آپ کا مقصد تو صرف رشد و ہدایت تھا' اس لیے آپؐ نے اخلاق اور حسب معمول نرم کلامی سے کام لیا۔

وہ لوگ آپؐ کے پاس بیٹھ کر بولے:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے عرب میں آج تک کوئی شخص اپنی قوم کے پاس ایسا دین لے کر نہیں آیا جیسا آپؐ اپنی قوم قریش کے پاس لائے ہیں' اس کے علاوہ آپؐ ہمارے آباواجداد کے اعمال کو برا کہتے ہیں' ان کے مذہب کو بھی برا کہتے ہیں ان کی اور ہماری روایات و رسوم کو بھی برا بتاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ ہمارے معبودوں کو بھی برا بھلا کہتے ہیں اور اس طرح قوم میں تفرقہ اندازی کر رہے ہم آپؐ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ کو ان دل آزار باتوں سے روکیں۔ اس کے بدلے میں ہم آپ کو اپنا حاکم اور سردار تسلیم کر کے آپؐ کے قدموں میں زر و جواہر کے ڈھیر لگا دیں گے اور آپ کی ہر خواہش پوری کی جائے گی لیکن اگر آپؐ ہماری یہ درخواست منظور کرنے پر تیار نہیں تو پھر یہ ثابت کیجیے کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ پہلے آپؐ ان پہاڑوں کو جو اہل مکہ کے سروں پر چڑھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں پیچھے ہٹا کر دکھائیے؟''۔

کفار قریش کے ان سربرآوردہ لوگوں کی یہ باتیں سن کر آپؐ نے فرمایا:

''میں تمہاری حکومت چاہتا ہوں نہ سرداری اور نہ مال و دولت۔ اس کے علاوہ مجھے دنیا کی کسی اور چیز کی بھی خواہش نہیں۔ میں تمہیں کوئی کرشمہ دکھا کر اپنی نبوت کا ثبوت بھی دینا نہیں چاہتا۔ تاہم میں آپ لوگوں سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے تمہارے پاس اپنے رسول کی حیثیت سے بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے برے اعمالوں میں تمہیں خدا کا

خوف دلاؤں اور نیک اعمال کے لیے تمہیں اس کی طرف سے بہترین جزا کی خوشخبری سناؤں۔ اس لیے میں اپنی رسالت کا فرض ادا کرنے کے لیے تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارا ہی بھلا ہوگا۔ اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل نہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ فرما دے''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر وہ لوگ بولے:

''خیر آپ اللہ کے پیغمبر ہوں یا نہ ہوں اور جس کام کے لیے آپ آئے ہیں اسے آپ جانیں' یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی آپ سے کسی حیثیت سے کم نہیں ہے' ہم اپنی پیشکش آپ کے سامنے رکھ چکے۔ اگر آپ اس پر راضی نہیں ہیں تو پھر آپ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا' اپنے پیغمبر ہونے کا ثبوت پیش کیجیے مکے کے ان پہاڑوں کو پیچھے ہٹا دیجیے۔ ہمارے شہروں کو اور وسیع کر دیجیے عراق اور شام کی سی نہریں حجاز میں بھی بہا کر دکھائیے اور ویسے ہی باغات یہاں بھی لگا کر دکھائیے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تو ہمارے آباد اجداد کا سارا زر و مال جمع کر کے دکھا دیجیے اور انہیں زندہ بھی کر دیجیے۔ خصوصاً ان میں سے قصی بن کلاب کو زندہ کر دیجیے وہ ہمارے سب سے زیادہ سچے بزرگ تھے۔ اگر وہ دوبارہ زندگی پا کر یہ کہہ دیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو ہم آپ کی وہ سب باتیں مان لیں گے جو آپ کہتے ہیں''۔

ان کی یہ باتیں سن کر آپ نے پھر انہیں وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ اس کے بعد وہ بولے:

''اچھا اگر یہ نہیں کرنا چاہتے تو اپنے خدا سے جسے آپ ہر بات پر قادر بتاتے ہیں کہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی فرشتہ بھیج دے جو تمہاری ان باتوں کی تصدیق کرے اور ہماری چیزوں کو سونے اور چاندی میں تبدیل کر دے' ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہو کر ہماری طرح سب چیزوں کو چھوئے اور اس کے ہاتھ لگاتے ہی وہ سب چیزیں دفعتہً سونے کی بن جائیں۔ اس کے بعد ہم تمہارا پیغمبر ہونا تسلیم کر لیں گے''۔

ان لوگوں کی یہ باتیں سن کر آپ نے پھر وہی جواب دیا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان باتوں کے لیے نہیں بھیجا بلکہ ان کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے اگر وہ آپ کی ہدایت پر عمل کریں گے تو دنیا و آخرت دونوں جگہ سرخرو ہوں گے ورنہ عذاب الٰہی کے متعلق قرار پائیں گے۔

آخر میں وہ لوگ بولے:

''خیر اب ہم جا رہے ہیں لیکن آپ کو اتنا بتاتے جائیں کہ ہمیں یہ شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) جس کا نام رحمٰن ہے اور یہ یمامہ کا رہنے والا بڑا معزز آدمی ہے آپ کے پاس لایا تھا اور ہم اس کے اصرار پر آپ کے پاس آئے تھے۔ اگر آپ کو ان میں سے کچھ بھی منظور نہیں جو ہم نے آپ سے ابھی کہا ہے تو اب آخر میں صرف دو باتیں رہ جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ یا تو ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں ہلاک کر ڈالیں''۔

جب وہ لوگ آپ کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے اور آپ اپنے گھر کی طرف جانے لگے تو آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بن

معیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم وہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے یعنی آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے راستے میں آپؐ سے کہا:

''یا محمد! (ﷺ) ان لوگوں نے آپؐ کے سامنے دو باتیں رکھی تھیں لیکن آپؐ نے ان میں سے ایک بھی نہیں مانی۔ میں بھی آپؐ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپؐ میرے ہی سامنے از کر آسمان پر جائیں اور وہاں سے کوئی احکام خداوندی پر مشتمل کتاب اور کم سے کم چار فرشتوں کو اپنے ساتھ لے کر زمین پر اتریں تو میں آپؐ پر ایمان لے آؤں گا۔ ورنہ ہرگز نہیں''۔

یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو کر دوسری طرف چلے گئے اور آپؐ ان لوگوں کی ذہنیت پر افسوس کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جیسا کہ آپؐ نے بعد میں فرمایا:

''یہ سوچتے ہوئے لوٹے کہ خدا کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ انہیں راہِ ہدایت دکھا دے''۔

ویسے کفار قریش کی کئی صحبتیں اسی طرح آپؐ کے ساتھ ہوئیں اور آپؐ نے انہیں راہِ راست پر لانے کی حد درجہ کوشش فرمائی لیکن ان کے دل بغض وعناد سے معمور تھے اس لیے وہ اس طرح ماننے والے نہ تھے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ان سے عثمان بن محمد اور جریر نے اعمش، جعفر بن ایاس، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا:

''اہل مکہ نے رسول اللہ (ﷺ) سے کہا تھا کہ آپؐ ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں اور باقی پہاڑوں کو دور ہٹا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا کہ اس کے بعد بھی یہ لوگ اگر کفر پر قائم رہے تو پہلی قوموں کی طرح تباہ کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے یہ بھی دریافت فرمایا تھا کہ آپؐ ان میں رہ کر انہیں راہ راست پر لانا چاہتے ہیں یا انہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ نے اوّل الذکر بات کو پسند فرمایا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ وَ مَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ .... وَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ تک

یہی روایت نسائی نے جریر کے حوالے بیان کی ہے۔

ایک اور روایت امام احمد سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن اور سفیان نے سلمہ بن کہیل، عمران بن حکیم اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ وہ اپنے خدا سے درخواست کر کے کوہ صفا کو ان کے لیے سونے کا بنوا دیں تو وہ آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا:

''کیا پھر تم واقعی مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟''۔

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں وہ یک زبان ہو کر بولے: ''یقیناً'' لہٰذا آنحضرت ﷺ نے خدا سے دعا کی۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا اور فرماتا ہے کہ میں قریش کے لیے آپ کی خاطر سے صفا کو سونے کا بنا دوں گا، لیکن اگر اس کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں انہیں ایسا عذاب دوں گا کہ اس سے قبل

کسی قوم کو نہیں دیا تھا۔ تاہم اگر ان کے لیے اپنی رحمت اور توبہ کے دروازے کھولے دیتا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن کر آپ نے فرمایا: ''میں یہی چاہتا ہوں''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر توبہ کے دروازے کھول دے تاکہ یہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے راہِ راست پر آ جائیں یہ روایات اسناد کے لحاظ سے سب سے زیادہ پختہ روایات ہیں۔

اس سلسلے کی کچھ روایات جماعت تابعین سے بھی منقول ہیں۔ ان راویوں میں سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن جریج کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

امام احمدؒ اور ترمذی عبداللہ بن مبارک کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر سے یحییٰ بن ایوب نے عبیداللہ بن زحر، علی بن یزید، قاسم[1] اور ابی یمامہ کے یکے بعد دیگرے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دیا تھا کہ میں چاہوں تو وہ اپنے فضل و کرم سے مکے کے اردگرد پہاڑوں کو میرے لیے سونے کا بنا دے لیکن میں نے اس سے عرض کیا کہ میں ایک دن کھانا اور ایک دن بھوکا رہنا پسند کرتا ہوں تاکہ میں ان سے بالترتیب ایک دن اس کا شکر ادا کروں اور دوسرے دن اس کی حمد کروں''۔

یا شاید آپؐ کے الفاظ یہ تھے کہ:

''ایک دن تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور دوسرے دن تیرا شکر اور حمد کروں''۔

یہ الفاظ امام احمد سے منقول ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو حدیثِ حسن بتایا ہے تاہم علی بن یزید کی روایت کردہ احادیث ضعیف ہوتی ہیں۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے قریباً چالیس سال قبل مصر کے ایک بزرگ نے عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ قریش مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کے بڑے عالموں کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ وہ ان سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھ کر آئیں اور انھیں یہ بتائیں کہ آپؐ اپنے آپ کو خدا کا رسول اور نبی کہتے ہیں آیا یہ درست ہے یا غلط؟ کیونکہ قریش مکہ کا خیال تھا کہ یہود کے وہ عالم اہل کتاب ہیں لہٰذا توریت کے حوالے سے آپؐ کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کر سکتے ہیں جو انہیں (قریش مکہ کو) معلوم نہ تھیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا دونوں اشخاص یہودیوں کے بزرگ علماء کے پاس پہنچے اور ان سے آنحضرت ﷺ کا ذکر کر کے کہا کہ آپؐ خود کو اللہ کا رسول اور نبی اور یہ یہ باتیں کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگ بتائیں کہ آیا آپ کا یہ دعویٰ درست ہے اور آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہے؟۔

---

[1] اصلین (مسند امام احمد اور ترمذی) میں اس جگہ قاسم بن یمامہ درج ہے۔ ویسے یہ وہی قاسم بن عبدالرحمان ہے جو بنی امیہ دمشقی کا غلام تھا اور اس نے صحابہؓ میں سے اپنے مالک کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ (مؤلف)

مدینے کے یہودی علماء نے قریش کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی باتیں غور سے سنیں۔ اس کے بعد ان سے کہا: آپ لوگ جا کر قریش مکہ سے کہیے کہ جو شخص وہاں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس سے وہ تین باتیں پوچھیں جو توریت کے حوالے سے صرف ہمیں جانتے ہیں۔ اگر وہ شخص ان تینوں باتوں کا جواب دے دے تو اس کے جوابات ہمیں آ کر بتائیے' پہلی بات اس سے یہ پوچھیے کہ ''فیتہ'' کون لوگ تھے اور ان کا کیا معاملہ تھا؟ دوسری بات یہ پوچھیے کہ جن لوگوں نے مشرق سے مغرب تک دنیا کا چکر لگایا وہ کون تھے؟ تیسری بات یہ پوچھیے کہ روح کیا چیز ہے؟ اگر اس کے تینوں جواب درست ہوئے تو وہ یقیناً خدا کا رسول ہے اور وہی ہے جس کے بارے میں توریت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدا کا آخری نبی ہوگا۔ پھر آپ لوگ اس کی اتباع کیجیے گا کیونکہ اس کی ہر بات برحق ہوگی۔

مدینے میں علمائے یہود کے یہ تینوں سوالات اچھی طرح ذہن نشین کر کے مذکورہ بالا دونوں اشخاص واپس مکہ پہنچے اور قریش مکہ کو بتا دیئے اور وہ انہیں سن کر بہت خوش ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپؐ کے سامنے علمائے یہود کے وہ سوالات دہرا کر آپؐ سے ان کے جوابات دینے کے لیے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سوالات سن کر کسی قدر تامل فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

''آپ لوگ کل آیئے تو میں ان تینوں سوالات کے جوابات آپ کو دے دوں گا''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے اگلے روز آنے کے لیے غالباً اس لیے فرمایا تھا کہ آپؐ اس دوران میں وحی الٰہی کے منتظر تھے لیکن جب پندرہ روز تک آپؐ کے پاس جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی نہیں آئی تو آپؐ واقعی پریشان ہوئے اور جب قریش مکہ نے اس کے بعد آ کر کہا:

''آپؐ نے اگلے روز کا وعدہ کیا تھا لیکن ہم قصداً پندرہ دن کے بعد آئے ہیں تاکہ آپؐ اس دوران میں ان سوالات پر اچھی طرح سے غور کر لیں۔ لہٰذا آپؐ ہمیں ان سوالات کے جواب دیجیے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاید سوچ رہے تھے کہ ان لوگوں کو اب کیا عذر کر کے ٹالا جائے کہ اس وقت جبریل علیہ السلام آپؐ کے پاس آ گئے اور ان تینوں سوالات کے جواب آپ کو بتا دیئے۔ چنانچہ آپؐ نے وہی جوابات حرف بہ حرف قریش مکہ کو دے دیئے دنیا کے دور اوّل میں آنے والے کا جواب آپؐ نے اصحابِ کہف بتایا جن کا ذکر سورۂ کہف میں پایا جاتا ہے اور تیسرے سوال یعنی روح کیا چیز ہے؟ کا جواب آپؐ نے جو دیا وہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے ارشاد فرمایا تھا:

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَ مَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

ہم نے ان سب باتوں کی تشریح حسب موقع اپنی تفسیر قرآن میں کر دی ہے اور جو وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ آنحضرت نے جو جوابات قریش مکہ کو دیئے تھے وہ انہوں نے علمائے یہود کو مدینے بھیج دیئے تھے۔ البتہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات پر مشتمل مکمل آیاتِ قرآنی مکے میں آپؐ پر نازل ہوئی تھیں یا بعد میں مدینے میں بطور ذکر نازل ہوئیں۔ بہرحال مذکورہ بالا سوالات کے جواب میں آپؐ نے جو سکوت فرمایا تھا وہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپؐ ان سوالات

کے مکمل جوابات اللہ تعالیٰ کی جانب سے موصول ہونے کے منتظر تھے۔ اس لیے ان سوالات کے جواب دیتے وقت آپؐ نے اپنی طرف سے ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں فرمایا تھا پہلے سوال کے جواب دیتے وقت آپؐ نے اپنی طرف سے ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں فرمایا تھا پہلے سوال کے جواب میں لفظ ''رقیم'' سے آپ کی مراد حضرت ذوالقرنین سے تھی دوسرے سوال کے جواب میں جیسا کہ ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں' آپ نے ''اصحاب کہف'' فرمایا تھا۔ تیسرے سوال کا جو جواب آپؐ نے دیا تھا وہ بھی مندرجہ بالا آیت قرآنی سے دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات پر تفصیلی گفتگو ہم نے اپنی تفسیر قرآن میں حسب موقع کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابی طالب نے باوجود اس کے کہ وہ آپؐ پر باقاعدہ ایمان نہیں لائے تھے اس خوف سے کہ قریش مکہ آپ کو مکے سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیں آپؐ کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار ایک خاصے طویل قصیدے میں کیا جو انہوں نے حریم کعبہ میں بیٹھ کر کہا تھا۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اس قصیدے کا جواب سبعہ معلقہ کے علاوہ عربی ادب میں کہیں نہیں ملتا۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب تاریخ میں یہ پورا قصیدہ درج کیا ہے بلکہ اس میں تین ایسے اشعار کا اضافہ بھی کیا ہے جو کسی اور تاریخ میں نہیں ملتے۔

حضرت ابی طالب کے اس قصیدے کی بعض اہل علم ان کی طرف نسبت کرنے کی تردید کرتے ہیں لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ انہوں نے مکمل تحقیق کے بعد اسے ان سے منسوب کیا ہے۔ اس لیے اس کی صحت کے بارے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ حضرت ابی طالب کے عربی زبان پر کامل عبور اور ان کی قادر الکلامی کے پیش نظر اس قصیدے کو کسی اور ہم عصر کے نام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں ابن ہشام نے جو کچھ کہا ہے بالکل حق بجانب ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس کے بعد کفار قریش نے مکے کے ان تمام قبائل کو تکلیفیں دینا شروع کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر آپؐ پر ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے ایسے لوگوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی' انہوں نے انہیں بھوکا پیاسا رکھا' مارا پیٹا اور موسم گرما میں تپتی زمین پر لٹا کر ان کے سینے پر پتھر رکھے۔

کفار قریش نے ان میں سب سے زیادہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ سختی برتی جو امیہ کے حبشی غلام تھے۔ ان کی ماں کا نام حمامہ تھا۔ وہ حد سے زیادہ صادق الاسلام تھے۔ بہت سے دوسرے لوگ ان تکالیف سے تنگ آ کر بظاہر اسلام سے پھر گئے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کی مجبوری کے پیش نظر انہیں معاف فرما دیا تھا کیونکہ وہ دل سے اسلام پر قائم تھے۔ البتہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معاملہ ان لوگوں سے بالکل الگ تھا۔ انہیں کفار قریش نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں بلکہ ان پر جور وستم کی انتہا کر دی۔ انہیں بھوکا پیاسا رکھا گیا' گرمی کے موسم میں انہیں تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھے گئے اور ان سے کہا گیا کہ تمہارے ساتھ مسلسل یہی سلوک ہوتا رہے گا۔ اگر تم اسلام سے بت پرستی کی طرف واپس نہ آئے یا اسی حالت میں مر نہ گئے۔ وہ تپتی زمین پر پشت کے بل لیٹے رہتے تھے جب کہ ان کے سینے پر بھاری بھاری پتھر رکھے جاتے تھے۔ لیکن ان کی زبان سے اس وقت جو الفاظ نکلتے تھے وہ احد احد ہوتے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک بار جب وہ یعنی عروہ کے والد

ورقہ بن نوفل کے ہمراہ اس راستے سے گزر رہے تھے جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر عذاب نازل کیا جا رہا تھا لیکن ان دونوں نے ان کی زبان سے اس شدت ظلم و جور اور جبر و استبداد کے صرف احد احد ہی سنا۔ لوگ کہتے تھے کہ اگر کفار انہیں قتل بھی کر ڈالتے تو وہ حلف سے کہنے کو تیار ہیں کہ پھر بھی ان کی زبان سے احد احد کی آواز آتی رہتی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب میں نے ابن اسحٰق کو اس روایت کے بارے میں اس کے راویوں سے کہا کہ ورقہ بن نوفل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے فوراً ہی بعد انتقال کر گئے تھے تو وہ عروہ کے والد کے ساتھ اس وقت کس طرح ہو سکتے تھے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس عذاب سے دوچار تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ عروہ کے بقول ابن اسحٰق کی روایت میں آگے چل کر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عروہ کے والد کے ساتھ اس وقت غالباً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں گے کیونکہ انہی نے بلال رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھ کر امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی کئی دوسرے حبشی غلام بھی جن پر ایسا ہی عذاب توڑا جاتا تھا خرید کر آزاد کر دیئے گئے تھے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہیں مسلمانوں کی ایک جماعت نے جن میں عبیدہ وغیرہ شامل تھے خرید کر آزاد کیا تھا۔ ان حبشی غلاموں میں بلال، عامر بن فہیرہ اور ام عمیس شامل تھیں۔ آخر الذکر کو نابینا کر دیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں دوبارہ بینائی بخش دی تھی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: وہ بنو مخزوم تھے جو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ تھے جو اسلام لانے کے بعد گھر سے باہر آئے تھے۔ انہیں موسم گرما میں دوپہر کے وقت مشرکین نے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس طرف سے گزر رہے تھے۔ جب آپؐ ان کے قریب آئے تو آپؐ نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

بیہقی نے حاکمؒ اور ابراہیمؒ بن عصمۃ العدل کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان سے سری بن خزیمہ، مسلم بن ابراہیم، ہشام بن ابی عبیداللہ نے ابی زید اور جابر کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ ایک دفعہ اس طرف سے گزر رہے تھے جہاں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین پر مشرکین حد سے زیادہ سختیاں کر رہے تھے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا:

''عمار اور تمام آل یاسر کو جنت کی بشارت دے دو''۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ کو مشرکین نے قتل کر دیا تھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع سے سفیان، منصور اور مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ اسلام میں شہید ہونے والی سب سے پہلی خاتون ام عمار یعنی سمیہ تھیں۔ ابوجہل نے ان کے دل میں کوئی تیز دھار خنجر وغیرہ جیسا ہتھیار مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک یہ روایت مرسل ہے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابوجہل انتہائی فاسق و فاجر شخص تھا لیکن اس کے باوجود مشرکین قریش اس کی ذات پر فخر کرتے تھے۔

وہ جب سنتا کہ قریش کا کوئی فرد مسلمان ہو گیا ہے تو وہ اس شخص کے پاس جاتا' اسے ڈانٹتا ڈپٹتا اور جھڑکیاں دے کر اس سے کہتا:

''کمبخت! تو نے اپنا دین ترک کر دیا جو تیرے لیے سب سے بھلی چیز تھا' ایسا کر کے تو نے ہمارے نزدیک اپنی شرافت ونجابت' حلم وبردباری' گراں قدری اور اصابت رائے سب کچھ ڈبو کر رکھ دیا''۔

اگر مسلمان ہونے والا کوئی شخص تاجر ہوتا تو وہ اس سے کہتا:

''تو نے (مسلمان ہو کر) اپنی تجارت کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنی ساری ملکیت تباہ کر دی''۔

اگر وہ مسلمان ہونے والا کوئی بوڑھا آدمی ہوتا تو وہ اسے مارتا پیٹتا اور اپنی اس شقاوت پر فخر کرتا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے حکیم بن جبیر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا تھا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی ایسے کچھ لوگ تھے جو مشرکین کے شدید ترین مظالم سے تنگ آ کر ترک دید اسلام پر آمادہ ہو گئے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ:

''ہاں ایسا ہوا تھا لیکن ایسا جب بھی ہوا صرف اس وقت ہوا جب کوئی مسلمان مشرکین کے ہاتھوں مار کھا کھا کر گر پڑا اور بھوک پیاس کی شدت سے مرنے کے بالکل قریب ہو گیا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حکیم بن جبیر کی زبانی یہ سن کر انہوں نے کہا کہ قرآن پاک کی یہ آیت یقیناً انہی مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو گی جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدَ اِيْمَانِهٖ .... عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ تک

تو انہوں نے سعید بن جبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اس کا جواب اثبات میں دیتے ہوئے کہا:

''یہ سانحہ ان مسلمانوں پر گزرا جو مشرکین کے ہاتھوں ظلم سہتے سہتے لب گور جا پہنچے تھے' اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنی قوت وقدرت کاملہ کے ذریعہ ایسے سانحات سے محفوظ رکھا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ اور اعمش نے مسلم' مسروق اور خباب بن ارت کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کا واسطہ شدائد ظلم وستم کے سلسلے میں العاص بن وائل سے پڑا تھا جو انہیں دین اسلام سے منکر ہو کر دوبارہ اپنے معتقدات پر لانا چاہتا تھا۔ جب ان پر العاص بن وائل نے جسمانی عذاب کی انتہا کر دی تو انہوں نے اشارے سے کہا کہ وہ اس کی بات ماننے کے لیے تیار ہیں لیکن وہ بولا:

''جب تک تم زبان سے اس کا اقرار اور دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انکار کا اعتراف نہیں کرو گے' میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا چاہے تمہارا دم ہی کیوں نہ نکل جائے''۔

اس کی زبان سے یہ سن کر ان کے جوش ایمانی اور غیرت اسلامی پر ایسی ضرب پڑی کہ وہ فوراً بولے:

''خدا کی قسم! اگر تو مجھے مار بھی ڈالے اور میں قیامت تک تیرے ہاتھوں بار بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا اور تیرے اس ظلم وستم کا شکار ہوتا رہوں اور اس کے علاوہ میرے اموال واولاد پر جس کی دھمکی تو مجھے دے رہا ہے جو کچھ بھی کر گزرے'

یں دین محمد (ﷺ) سے برضا و رغبت ہرگز منکر نہیں ہوسکتا''۔

اسی زمانے میں رسول اللہ ﷺ پر قرآن شریف کی یہ آیت اتری تھی:

﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَ قَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَا لًا وَّ وَلَدًا ...... الخ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴾

اس آیت کا استخراج صحیحین وغیرہ میں اعمش کے حوالے سے کیا گیا ہے جس میں بخاریؒ کے الفاظ ''کنت قینا بمکۃ'' ہیں۔ حدیث میں العاص بن وائل کے ہاتھوں تلوار کے زور پر کئی مسلمانوں کے ارتداد کا ذکر آیا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیدی' سفیان اور بنان و اسماعیل نے یہ روایت بیان کی ہے اور آخر الذکر یعنی بنان و اسماعیل نے قیس کے حوالے سے خباب کی زبانی بیان کیا کہ اس نے (خباب نے) موسم سرما کی شدت کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کو خانہ کعبہ کے زیر سایہ ایسی حالت میں لیٹے دیکھا جب مشرکین نے آپؐ کو حد درجہ جسمانی عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ خباب کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپؐ اللہ سے فریاد کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر جب آپ اٹھ کر بیٹھے تو آپ کا چہرہ (خون سے) سرخ ہو رہا تھا''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے اس سے قبل کسی قوم کو دیکھا یا سنا ہے کہ وہ کسی شخص پر اس کے اپنے دین سے منکر ہونے کے لیے اتنا ظلم کرے کہ اس کے جسم سے گوشت الگ ہو کر صرف ہڈیاں رہ جائیں یا اس کے سر پر اس طرح تلوار ماری جائے کہ اس کے سر کے درمیان سے دو ٹکڑے ہو جائیں؟ بہر کیف اللہ تعالیٰ ایسے مظلوم لوگوں کو مامون و مسئون رکھنے کے لیے بہت جلد صنعا سے حضر موت کی طرف ایسا سوار بھیجنے والا ہے جو اللہ کے سوا کسی سے خائف نہ ہوگا''۔ (ترجمہ مفہومی)

بنان نے اس روایت حدیث میں ''والذئب علی غنمہ'' کا اضافہ کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے بھیڑ بکریوں کے گلے پر بھیڑیوں ہی کو محافظ بنا دے گا۔ ایک روایت میں ''و لکنکم تستعجلون'' کے الفاظ بھی شامل ہیں یعنی تم یہ سب کچھ بہت جلد دیکھو گے۔ صحیح مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی بالاختصار یہ حدیث موجود ہے۔ واللہ اعلم

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن نے سفیان کے حوالے سے اور ابن جعفر نے شعبہ' ابی اسحٰق' سعید ابن وہب اور خباب کے حوالے سے بیان کیا کہ خباب کے بقول کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس حد درجہ جسمانی عذاب کی شکایت کی جس میں انہیں مشرکین مبتلا کر رہے تھے اور وہ بھی بحالت نماز۔ ابن جعفر کہتے ہیں کہ ہم نے (اس سلسلے میں) رسول اللہ ﷺ سے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ البتہ موسم گرما میں گرمی کی شدت کی شکایت ضرور کی۔ یہی روایت ابن جعفر نے سلیمان بن داؤد' شعبہ' ابی اسحٰق' سعید بن وہب اور خباب کے حوالے سے بھی بیان کی ہے۔ مسلم' نسائی اور بیہقی نے ابی اسحٰق سبیعی کی پیش کردہ حدیث روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آخر الذکر نے صرف یہ کہا کہ:

''ہم نے صرف اپنی ذاتی وجوہ کی بناء پر رسول اللہ ﷺ سے شکایات کیں اور بس۔ اس کے سوا ہم نے آپؐ سے

کبھی کوئی شکایت نہیں کی‘‘۔

ابن ماجہ نے علی بن محمد طنافسی‘ وکیع‘ اعمش‘ ابی اسحٰق‘ حارثہ بن مضرب العبدی اور خباب کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے کہ ان میں سے کسی نے شدت گرما کے سوااور کسی قسم کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کبھی نہیں کی۔

یہ روایت اول سے آخر تک نہایت مختصر ہے جس کی وجہ سے مؤرخین شک وشبہ میں مبتلا رہے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے لوگوں کو اکثر زیادہ سے زیادہ جسمانی عذاب میں مبتلا رکھا۔ وہ موسم گرما میں دوپہر کے وقت انہیں کبھی منہ کے بل لٹاتے اور کبھی پیٹھ کے بل اورانہیں زیادہ سے زیادہ ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اس لیے ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے کبھی اس سلسلے میں کوئی شکایت نہ کی ہو۔

اس کے علاوہ جیسا کہ ابن اسحٰق کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ان عذابوں میں مبتلا لوگوں کے بارے میں دوسرے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ انہیں ان عذابوں سے نجات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں تو آپ نے جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب سے رہائی دلا کران کی مدد فرمائے گا۔ وہ انہیں ساری دنیا میں عزت وحرمت بخشے گا اورانہیں یہ بشارت بھی دی تھی کہ ان کی مدد کے لیے صنعاء سے حضرموت کی طرف ایک سوار آئے گا جس کے بھیڑ بکریوں کے گلے کی حفاظت خود بھیڑیے کریں گے اورآخر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اس سلسلے میں جلدی کر رہے ہیں یعنی اضطراری کیفیت میں مبتلا ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے شدت گرما کے علاوہ اس سلسلے میں بھی آنحضرت ﷺ سے ضرور شکایت کی ہوگی۔ ویسے اس سلسلے میں میرے نزدیک امام شافعی کی روایت بھی محل نظر ہے۔

باب ۳

مشرکین کی رسول اللہ ﷺ سے بحث و تکرار' آپ کی حجت کاملہ کی استقامت' مشرکین کی طرف سے آپ کی حقانیت کا دل میں اعتراف لیکن اس کے باوجود آپ سے عناد' حسد اور بغاوت اور آپ کی مسلسل مخالفت

اسحٰق بن راھویہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبدالرزاق نے معمر' ایوب سختیانی' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یکے بعد دیگرے حوالوں سے بتایا کہ ایک روز ولید بن مغیرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کے سامنے قرآن شریف کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں جنہیں سن کر اس کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور آپ کے بارے میں اس کا دل نرم ہو گیا۔

جب یہ خبر ابوجہل تک پہنچی تو وہ ان کے پاس آیا اور ان سے کہا:

''چچا! کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی قوم آپس میں مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرے؟''۔

ولید بن مغیرہ نے جواب دیا:

''نہ میں یہ چاہتا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے''۔

اس پر ابوجہل بولا:

''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ جو محمد (ﷺ) کے پاس گئے تھے تو شاید اسی لیے گئے ہوں کہ آپ اسے اپنی قوم سے مال جمع کر کے اسے دیں تاکہ وہ اپنے نئے دین کی تبلیغ سے باز آ جائے''۔

یہ سن کر ولید بولے:

''میں وہاں اس لیے نہیں گیا تھا۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ میری قوم کے پاس مال و دولت کی کثرت ہے۔ اس کے علاوہ وہ رزمیہ و بزمیہ شاعری اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں ہے۔ لیکن محمد (ﷺ) تو نہ مال و دولت کی خواہش رکھتے ہیں نہ وہ شعر و شاعری یا فصاحت و بلاغت سے کسی کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ البتہ انہوں نے جو کلام اللہ کا کلام کہہ کر مجھے سنایا اسے سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا کیونکہ اس میں بڑی حلاوت ہے۔ ایسا کلام تو میں نے آج تک سنا ہی نہیں تھا حالانکہ نہ وہ کوئی قصیدہ تھا نہ رجزیہ اشعار اور نہ اس قسم کی کوئی دوسری چیز لیکن اس میں کچھ ایسی عجیب بات تھی جس کی کہیں اور مثال نہیں مل سکتی''۔

ولید سے یہ بات سن کر ابوجہل بولا:

''اچھا مجھے غور کرنے دو''۔

پھر کچھ سوچ کر بولا:

''چچا! یہ سب جادو کا کرشمہ ہے یہ سحر آمیز کلام سنا کر وہ (نعوذ باللہ) دوسروں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

اس کے جواب میں ولید نے کہا:

''میں نے جادوگر بھی دیکھے ہیں اور جادو کے کرشمے بھی لیکن ان میں یہ بات میں نے کبھی محسوس نہیں کی''۔

اس واقعے کے بعد ہی یہ قرآنی آیت رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوئی:

﴿ ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا .... وَ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴾ تک

اس واقعے کو بیہقی نے بھی حاکم' عبداللہ بن محمد صنعانی نیز اسحق کے حوالے سے جو اوّل الذکر دونوں حضرات کے ساتھ مکے میں رہے ہیں بیان کیا ہے بیہقی کے علاوہ اس روایت کو حماد بن زید نے بھی ایوب اور عکرمہ کے حوالے سے بطور روایت مرسل پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ کے سامنے آنحضرت نے جو آیت قرآنی تلاوت فرمائی تھی وہ یہ تھی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ .... لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴾ تک

بیہقی حاکم' اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس بن بکیر اور محمد بن اسحق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر کو محمد بن ابی محمد نے سعید بن جبیر یا عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس قریش کے کچھ لوگ جمع ہو کر آئے کیونکہ وہ بلحاظ عمر ان میں سب سے زیادہ سن رسیدہ تھا۔ پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں' پھر آنحضرت ﷺ کا ذکر آیا تو ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تمہارے پاس عرب کے تمام وفود آتے رہتے ہیں تم ان سے مشورہ کرو کہ اس نئے مذہب کے بارے میں جس کی تبلیغ محمد (ﷺ) کر رہے ہیں ان کی کیا رائے ہے۔ ولید بن مغیرہ کے اس مشورے کے جواب میں وہ لوگ یک زبان ہو کر بولے:

''آپ ہم سب کے بڑے ہیں' آپ جو کچھ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے' وفود کی آمد کے انتظار سے کیا حاصل ہوگا؟''۔

ولید نے کہا: ''آخر تم چاہتے کیا ہو؟''۔

وہ بولے: ''ہم محمد (ﷺ) کو کاہن سمجھتے ہیں اور''۔

ولید نے ان کا قطع کلام کر کے کہا:

''وہ کاہن کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں کاہنوں کو خوب جانتا ہوں۔ ان میں کاہنوں جیسی کوئی بات ہے نہ وہ کاہنوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں''۔

ولید سے یہ سن کر وہ لوگ بولے: ''تو چلئے ہم انہیں دیوانہ سمجھ لیتے ہیں''۔

ولید نے کہا: ''وہ مجنوں یا دیوانہ کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے کسی قول وعمل سے دیوانہ پن بالکل ظاہر نہیں ہوتا؟''۔

اس پر وہ لوگ بولے: ''تو پھر ہم ان کے دعویٰ نبوت کو اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے شاعری اور انہیں شاعر سمجھ لیتے ہیں''۔

یہ سن کر ولید نے کہا:

''میں شاعروں اور شاعری دونوں سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کی باتوں میں نہ کوئی رومانی بات ہے نہ رجز یہ نہ ہجز یہ نہ قریضہ نہ مقبوضہ و نہ مبسوطہ۔ پھر ان کی باتوں کو شاعری یا واہمہ تخیل اور انہیں شاعر کیسے سمجھا یا کہا جا سکتا ہے؟''۔

ولید کی یہ بات سن کر وہ بولے: ''تو کیا ہم انہیں جادوگر کہیں؟''۔

ولید نے کہا:

''وہ جادوگر بھی کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں جادوگروں کو بھی خوب جانتا ہوں۔ یہ جادوگروں کی طرح نہ کسی شخص اور اس کے دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں نہ کسی شخص اور اس کے باپ' یا کسی آدمی اور اس کی بیوی یا بھائی بھائی کے درمیان دشمنی اور اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

اتنا کہہ کر ولید بن مغیرہ نے کہا:

''بھئی مجھے تو وہ صادق القول معلوم ہوتے ہیں' ان کی باتوں میں ایسی حلاوت ہے کہ اس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی''۔

جب وہ لوگ ولید کو اپنا ہم خیال بنانے میں ناکام رہے تو پھر ادھر اُدھر کی دوسری باتیں کرنے لگے۔ ولید کے اس طرز عمل کے بارے میں یہ قرآنی آیت شریفہ نازل ہوئی:

﴿ ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴾

ان لوگوں کے بارے میں جو قرآن کو جعلی کہتے تھے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: ''میں نے مذکورہ بالا راویوں کی یہ روایات سن کر کہا:

''میرے نزدیک انہیں لوگوں کی جہالت وکوتاہی عقل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

﴿ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ .... اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ تک

آخر کار وہ لوگ بھی رفتہ رفتہ مان گئے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو جو باتیں انہوں نے کہی تھیں سب باطل تھیں یعنی ان کی گمراہی ہی سے اظہار حق ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴾

امام عبد بن حمید اپنی مسند میں فرماتے ہیں:

''مجھ سے ابوبکر بن ابی شیبہ اور علی بن مسہر نے اجلح ابن عبداللہ الکندی' زیال بن جدیلہ الاسدی اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز قریش جمع ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: اس شخص کو دیکھو! جو کہانت' شعر گوئی اور جادوگری میں سب سے آگے ہے۔ اس نے ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے سارے کام بگاڑ کر رکھ دیئے

ہیں۔ وہ ہمارے دین اور ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس شخص کو بھی دیکھو جو ایسے شخص کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے''۔

ایک دوسرے سے یہ سن کر وہ بولے کہ:

''ہم تو کسی ایسے شخص کو عتبہ بن ربیعہ کے سوا نہیں جانتے جو اس کی طرف مائل ہو یا اس سے ہم کلام ہو سکتا ہو''۔

یہ سن کر وہ بولے: ''وہ شخص اے ابو ولید تم ہو''۔

اس کے بعد عتبہ بن ولید کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ سے کہا:

''اے محمد! (ﷺ) کیا آپ اپنے آپ کو ام عبداللہ سے بہتر سمجھتے ہیں؟''۔

یہ سن کر جب آپ خاموش رہے تو اس نے آپ سے پوچھا:

''کیا آپ خود کو ام عبدالمطلب سے بہتر سمجھتے ہیں؟''۔

جب اس سوال پر بھی آپ خاموش رہے تو وہ بولا:

''میرے خیال میں آپ ایسے نہیں ہیں جو اپنے بزرگوں سے محبت نہ کرتے ہوں۔ پھر اگر آپ اپنے ان بزرگوں سے محبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان سے بہتر بھی نہیں سمجھتے تو پھر انہی معبودوں کو کیوں نہیں مانتے جنہیں آپ کے یہ بزرگ اپنے معبود سمجھتے ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے دعویٰ نبوت سے آپ کی قوم میں پھوٹ پڑ گئی ہے' ہمارے کام بگڑ رہے ہیں ہمارا آبائی مذہب معیوب سمجھا جانے لگا ہے' غیر عرب کہنے لگے ہیں کہ عربوں میں ایک بہت بڑا کاہن اور جادوگر پیدا ہو گیا ہے''۔

اتنا کہہ کر وہ آپ کے جواب کا انتظار کرنے لگا' پھر بولا:

''اگر تمہیں روپے پیسے اور مال و دولت کی خواہش ہو تو ہم تمہارے قدموں میں اس کے انبار لگا دیں گے' اگر تم اقتدار چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا حاکم تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ اگر تم عرب کی خوب صورت ترین دوشیزہ سے مناکحت کے خواہش مند ہو تو بھی ہم تمہارے لیے فراہم کر دیں گے بلکہ ایسی دس لڑکیاں جمع کر دیں گے' آخر کچھ کہو سہی کہ تم چاہتے کیا ہو؟''۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس طول طویل گفتگو کو سن کر ارشاد فرمایا: ''کیا تم سب کچھ کہہ چکے؟''۔

اس نے جواب: ''جی ہاں! مجھے جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا ہوں''۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے یوں لب کشائی فرمائی:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. حٰمٓ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهٗ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾

اس کے بعد آپ نے اس آیت قرآنی کو یہاں ختم کیا:

﴿ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴾

رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ کلام ربانی سن کر عتبہ بولا۔ ''آپ کو اور کچھ کہنا ہے؟''۔
آپؐ نے فرمایا: ''نہیں''۔

آپ کا یہ جواب سن کر عتبہ کفار قریش کے پاس واپس چلا گیا۔ انہوں نے پوچھا: ''کہو کچھ کام بنا؟''۔
عتبہ نے کہا:

''نہیں' میں نے ان سے بہت سے سوالات کیے لیکن وہ خاموش رہے پھر میں نے انہیں مال و دولت وغیرہ ہر چیز کی پیشکش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے آخر میں جو کچھ کہا میں اس میں سے سوائے اس کے کچھ اور نہ سمجھ سکا۔ کہ اگر ہم ان کے کہنے پر عمل نہ کریں گے تو ہم پر بھی قوم عاد و ثمود کی طرح بجلی کا عذاب نازل ہوگا''۔

اہل قریش نے عتبہ سے یہ سن کر کہا:

''کمبخت! کیا وہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں بات کر رہے تھے جو تو ان کی باتیں نہ سمجھ سکا یا تو عربی زبان سے ناواقف ہے؟''۔

اس پر بھی عتبہ نے یہی کہا:

''ویسے تو عربی زبان ہی میں بات کر رہے تھے لیکن واقعہ یہی ہے کہ مجھے ان کی گفتگو میں سے صرف اتنی ہی بات سمجھ میں آئی کہ ہم پر قوم عاد و ثمود کی طرح کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے''۔

بیہقی وغیرہ نے بھی یہ روایت حاکم' اصم' عباس الدوری' یحییٰ بن معین' محمد بن فضیل اور اجلح کے حوالے سے لکھی ہے لیکن ہمارے نزدیک محل نظر ہے اس روایت میں بیہقی نے عتبہ کی زبانی ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو ان تمام چیزوں کی پیشکش بھی کی تھی جن کا دوسرے کفار کی زبان سے سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے۔ عتبہ کی زبان سے وہ سب سن کر جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے عتبہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ وہ نہ جانے کیوں محمد (ﷺ) کی طرف جھک چلا ہے اور پھر اس سے بولا کہ اگر وہ چاہے تو قریش بہت کچھ مال و دولت پیش کر سکتے ہیں۔ ابوجہل بھی اس وقت وہاں آ گیا تھا۔

اس نے کہا کہ:

''قریش عتبہ کو بے شمار مال و دولت دے سکتے ہیں جس سے وہ محمد (ﷺ) کی خاطر تواضع اور ان کے پیش کردہ کھانوں کا مزہ بھول جائے گا''۔

ابوجہل کی زبان سے یہ باتیں سن کر عتبہ کو غصہ آ گیا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اس کے بعد آپؐ کے پاس اب کبھی نہیں جائے گا لیکن اس نے ابوجہل کو یہ جواب دیا کہ خود اس کے پاس قریش کے اکثر لوگوں سے مال و دولت زیادہ ہے' اس لیے اسے مال و دولت کی پروا نہیں ہے لیکن اس نے ابوجہل سے یہ بھی کہا کہ وہ آپ کی طرف مائل ہوا ہو یا نہ ہوا ہوتا ہم اسے آپ کی باتوں سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ آپؐ جادوگر ہیں نہ مجنون ہیں نہ شاعر اور یہ کہ جہاں تک آپ کی عاد و ثمود کی طرح کفار قریش پر عذاب کی پیشگوئی کا تعلق ہے تو سارے قریش جانتے ہیں کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا کہ اسی لیے وہ آپ کی

زبان سے قریش پر عذاب کا نام سن کر ڈر گیا ہے۔

بیہقی اس روایت کے بعد حاکم اصم احمد بن عبدالجبار یونس اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے بنی ہاشم کے غلام یزید بن ابی زیاد نے محمد بن کعب کی زبانی یہ کہا کہ عتبہ اپنی جگہ حد درجہ شریف' بردبار اور سنجیدہ و متین شخص تھا اور اس کے بعد یہ بیان کیا کہ اس نے آپ کے سامنے حد درجہ مال و دولت کے علاوہ قریش کی سرداری پیش کی لیکن آپؐ نے اس کے جواب میں جو قرآنی آیات تلاوت فرمائیں ان سے وہ اس کے سوا کچھ نہ سمجھ سکا کہ انہیں قوم عاد و ثمود کی طرح بجلی کے عذاب سے تباہی کی پیش گوئی کی جا رہی ہے اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہ کر وہ شرک سے باز نہ آئے۔

اس کے بعد ابوجہل نے عتبہ سے کہا:

''اے عتبہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم محمد (ﷺ) کے طرف دار ہو گئے ہو اور تمہیں ان کی باتیں اچھی معلوم ہونے لگی ہیں۔ ویسے اگر تمہیں بھی مال و دولت کی خواہش ہو تو ہم تمہارے لیے اتنی دولت جمع کر دیں گے کہ تم محمد (ﷺ) کے طعام اور خاطر تواضع سے مستغنی ہو جاؤ گے۔ ابوجہل کی زبان سے یہ سن کر عتبہ کو غصہ آ گیا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ پھر کبھی آپؐ سے گفتگو نہیں کرے گا لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ ثروت میں قریش کے کسی دوسرے شخص سے کم نہیں ہے' البتہ آنحضرت ﷺ کی باتوں سے اسے نہ ان کا شاعر ہونا معلوم ہوا نہ مجنون' اور نہ کاہن۔ اس نے یہ بھی کہا کہ سب قریش جانتے ہیں کہ آپ نے اس سے قبل دروغ گوئی سے کبھی کام نہیں لیا اور ہمیشہ سچ بولا ہے''۔

بہرحال اس کے بعد ایک دفعہ ایسا ہوا کہ عتبہ قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے کہا کہ اگر وہ لوگ چاہیں تو وہ ایک بار پھر آپ سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہے۔ اس پر وہ لوگ بولے کہ اے ابوالولید اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ تم آخری بار ان سے بات کر کے دیکھ لو۔ یہ سن کر عتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو قریش کی طرف سے دوبارہ ان تمام چیزوں کی پیش کش کی جو پہلے کر چکا تھا اور آپ کا جواب بھی قریش کو سنا دیا۔ اس کے بعد اس نے ان لوگوں سے یہ بھی کہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تاہم ان لوگوں نے اسے پھر آپؐ کے پاس بھیجا اور اپنی پیشکشوں میں اضافہ کرتے رہے لیکن آپؐ نے ہر دفعہ عتبہ کو مندرجہ بالا آیت قرآنی سنانے پر اکتفا فرمایا۔

عتبہ نے آخر کار ان لوگوں سے کہا کہ آپؐ اتنے سچے [illegible] ہوتے ہیں اور جو کلام اس نے آپؐ سے سنا ایسا اپنی زندگی بھر کبھی نہیں سنا تھا۔ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ آپؐ نہ تو شاعر ہیں نہ کاہن اور نہ (نعوذ باللہ) اختلال دماغ میں مبتلا ہیں۔ عتبہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپؐ اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہتے۔ اگر وہ کامیاب ہوتے ہیں تو ان کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور ان کی ساری خوشحالیاں اور خوش نصیبی سارے عربوں کے حصے میں آئے گی۔

عتبہ کی اس نصیحت کو سن کر قریش بولے:

''عتبہ ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ اس نے تم پر اپنی باتوں سے جادو کر دیا ہے''۔

یہ سن کر عتبہ ان لوگوں کی صحبت سے اٹھ آیا۔

عتبہ کی ان صفات کے بارے میں حضرت ابوطالب نے کچھ مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں۔

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابومحمد بن عبداللہ بن یوسف اصفہانی' ابوقتیبہ سلمہ بن فضل ادمی نے مکے میں بتایا اور انہوں نے ابوایوب احمد بن بشر طیالسی' داؤد بن عمرو الضبی مثنیٰ بن زرعہ سے سنا اور انہوں نے محمد بن اسحق' نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ نے عتبہ کے سامنے قرآنی آیت شریفہ ﴿حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.... الخ﴾ تلاوت فرمائی تو وہ اسے سن کر مشرکین قریش کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ:

''میں اب تمہارا کوئی پیغام لے کر محمد (ﷺ) کے پاس نہیں جاؤں گا وہ مجھے بالکل سچے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے' میں نے ان سے جو کلام سنا وہ بہت ہی عجیب تھا اور ایسا کلام میں نے اس سے قبل کبھی نہیں سنا تھا۔ لہٰذا میرا ان پر ایمان لانا کچھ حیرت انگیز بات نہیں ہوگی''۔

بیہقی کہتے ہیں کہ یہ روایت اپنی اسناد و حقائق کے علاوہ دوسری اس بارے میں تمام روایات سے مطابقت کی وجہ سے نہایت قوی سمجھی گئی ہے۔

بیہقی ایک دوسری روایت میں حاکم' اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس' اور ابن اسحق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر سے زہری نے بیان کیا کہ ابوجہل' ابوسفیان اور اخنس بن شریق ایک شب کو آنحضرت ﷺ کی تلاوت کلام اللہ سننے کے لیے نکلے اس وقت آپ اپنے مکان میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ لہٰذا یہ سب لوگ باہر بیٹھ کر آیات قرآنی سننے لگے اور طلوع سحر تک سنتے رہے۔ یہ واقعہ تین روز تک متواتر ہوا۔ اس کے بعد ایک دن اخنس بن شریق ابوسفیان کے گھر آئے اور ان سے پوچھا کہ اب تک ان سب نے جو کلام آپ سے سنا اس کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ''میں تو کچھ سمجھ نہیں سکا کہ اس کلام سے مراد کیا ہے؟'' یہ سن کر اخنس بن شریق نے کہا کہ اسے تو وہ کلام بے مثل لگتا ہے۔ پھر یہ دونوں ابوجہل کے گھر گئے اور اس سے بھی وہی بات دریافت کی کہ اسے آپ کا کلام کیسا لگا؟ اس نے جواب دیا کہ:

''جو کچھ اس نے سنا اس بارے میں تو بنی عبد مناف اور دوسرے اہل قریش کے درمیان اختلاف ہے اگر بنی عبد مناف اس لیے اپنی امتیازی حیثیت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حجاج کو کھانا کھلاتے ہیں تو ہم بھی ایسا کرتے ہیں' اگر وہ ان کا سامان اٹھاتے ہیں اور سواریوں پر بار کرتے ہیں تو ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو خدا کا رسول ہے۔ تو ہم یہ بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ہم یہ بات قبول بھی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا اس سے قبل عرب میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے ہم نہ اس کی بات سنیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے''۔

یہ سن کر اخنس بن شریق اور ابوسفیان ابوجہل کے گھر سے چلے آئے۔

اس روایت کے بعد بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ اور ابوالعباس نے بتایا' نیز ان سے احمد اور یونس نے ہشام

بن سعد' زید بن اسلم اور مغیرہ بن شعبہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو بعثت کے بعد پہلی بار دیکھا تو اس وقت آپ مکے کے ایک راستے سے گزر رہے تھے' میرے ساتھ اس وقت ابوجہل بن ہشام بھی تھا۔ آپ نے ابوجہل کو دیکھ کر فرمایا

''اے ابوحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آ جاؤ' میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں''۔

یہ سن کر ابوجہل بولا:

''اے محمد! تم وہی تو ہو جو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ میں مان لوں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم ہم لوگوں سے کیا کہتے ہو لیکن جو تم کہتے ہو اسے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں''۔

اس کے بعد ابوجہل مذکورہ بالا راوی کے پاس آیا اور اس سے کہا:

''بنی قصی اپنی جن صفات کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں تو میں جانتا ہوں لیکن وہ صفات ہم میں بھی ہیں لیکن اب ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان میں خدا کی طرف سے ایک نبی آ گیا ہے تو میں یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں نہ ان کے اس دعوے کی تصدیق کر سکتا ہوں''۔

بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ نے ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم' محمد بن خالد' احمد بن خلف اور اسرائیل کے حوالے سے ابن اسحٰق کی یہ روایت بیان کی کہ ایک روز آنحضرت ﷺ (مکے میں) اس طرف سے گزرے جہاں ابوجہل اور ابوسفیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر ابوجہل ابوسفیان سے بولا:

''اے عبدشمس کے قبیلے والے! کیا یہی تمہارا نبی ہے؟''۔

ابوجہل سے یہ سن کر ابوسفیان نے اس سے پوچھا:

''تمہیں ہم میں سے کسی کے نبی ہونے پر تعجب کیوں ہے؟ کیا تمہارے خیال میں نبی ان لوگوں میں سے ہو سکتا تھا جو ہم سے کمتر درجے کے ہیں؟''۔

ابوجہل نے جواب دیا:

''مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آیا ہمارے بزرگوں میں سے ایک لڑکا نبی ہو سکتا ہے؟''۔

ان دونوں کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے قریب آ کر ابوسفیان سے فرمایا:

''اے ابوسفیان تم خدا اور اس کے رسول سے ڈرو یا نہ ڈرو لیکن تمہاری غیرت وحمیت کو کیا ہوا؟''۔

پھر آپ نے ابوجہل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے ابوحکم! تمہیں مضحکہ خیزی سے زیادہ رونا پڑے گا''۔

آپ سے یہ سن کر ابوجہل بولا:

"اے میرے بھائی کے بیٹے! تم تو اپنی نبوت سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہو"۔

بیہقی کے بقول یہ روایت مرسل ہے اور اسی وجہ سے کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ غالباً ابوجہل کی اس شیخی بگھارنے پر ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا:

﴿ وَ اِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ ...... الخ ﴾

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہشیم اور ابوبشر نے سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ یہ آیت:

﴿ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾

آنحضرت ﷺ کے مکے میں دوران قیام نازل ہوئی تھی۔ انہی راویوں نے مزید بیان کیا کہ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی اقتدا فرماتے ہوئے نماز میں آیات قرآنی بلند آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے جنہیں سن کر مشرکین آپ کو قرآن نازل کرنے والے کو اور قرآن کو نہ صرف برا کہا کرتے تھے بلکہ سب وشتم پر اتر آتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ بلند آواز سے نماز میں قرأت قرآن سے منع فرمایا تھا لیکن جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے زیادہ آہستہ تلاوت سے بھی منع فرمایا کہ آپؐ کے مقتدی ان آیات کے سننے سے قاصر نہ رہیں۔

یہ حدیث صحیحین میں ابی بشر جعفر بن ابی حیہ کے حوالے سے روایت کی گئی ہے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے داؤد بن الحصین نے عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے نماز میں آیاتِ قرآنی کی قرأت فرماتے ہیں تو لوگ جو آپؐ کے مخالف تھے ان آیات پر آوازے کسنا شروع کر دیتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ بلند آواز سے (نماز میں) قرأت قرآن سے روکا لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ اس قدر آہستہ بھی قرأت نہ فرمائیں کہ آپؐ کے مقتدی ان آیات کے سننے اور ان سے حصول ثواب وہدایت سے قاصر رہیں اور کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں۔

باب ٤

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت

ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس کے فضل و کرم سے ہم مظلوم مسلمانوں پر مشرکین مکہ کے مظالم کا ذکر اس سے قبل کر چکے ہیں۔ جب ان مشرکین کے مظالم کی مسلمانوں پر انتہا ہوگئی تو خداوند تعالیٰ نے انہیں مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چچا ابو طالب کو ہجرت سے منع فرمایا۔

واقدی کی روایت کے مطابق ان مسلمانوں نے مکے سے حبشہ کی طرف بعثت نبوی کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں ہجرت کی اور جن لوگوں نے سب سے پہلے ہجرت کی ان میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں وہ لوگ ماش اور راکب کے درمیانی علاقے میں ساحل سمندر پر پہنچے اور وہاں سے حبشہ کے لیے نصف دینار پر کشتی کرایہ پر لی۔ ان پہلے ہجرت کرنے والوں کے نام یہ ہیں:

حضرت عثمان بن عفان اور آپ کی اہلیہ رقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابو حذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلہ بنتِ سہیل' زبیر بن عوام' مصعب بن عمیر' عبدالرحمٰن بن عوف' ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ بنت ابی امیہ' عثمان بن مظعون' عامر بن ربیعہ العنزی اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ' ابوسبرہ بن ابی رہم[1] (بعض جگہ ابی کی بجائے ابو لکھا گیا ہے) حاطب بن عمرو' سہیل بن بیضا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابن جریر اور بعد کے لوگوں نے ان کی تعداد بیاسی بتائی ہے جو عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہے۔ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں شمار کیا جائے تو مردوں کی کل تعداد تراسی ہوتی ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمان مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے کسی طرح نجات نہیں پا سکتے اور ان کی حفاظت کے سلسلے میں آپ کے چچا ابو طالب بھی بے بس ہو چکے ہیں تو آپ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا کیونکہ آپ کے نزدیک وہاں کا حکمران انصاف پسند تھا اور مسلمان وہاں محفوظ رہ سکتے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے ان سے فرمایا:

''اگر تم لوگ حبشہ چلے جاؤ تو وہاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ وہ ملک اور اس کا حکمران حق و صداقت کا حامی ہے اور وہاں تم لوگ وہی کر سکتے ہو جو اللہ تعالیٰ تم سے چاہتا ہے''۔

---

[1] یونس بن عیسیٰ کی روایت میں ''زہم'' لکھا ہے۔ (مؤلف)

چنانچہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی جو صرف مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے نجات پانے اور اللہ کے دین پر قائم رہنے کے لیے تھی۔ ان میں جن لوگوں نے سب سے پہلے ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) تھے اور ان کی اہلیہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ یہ بات بیہقی نے یعقوب بن سفیان کی روایت کی بنیاد پر عباس منبری' بشر بن موسیٰ اور حسن ابن زیاد البرجمی کے حوالے سے بتائی ہے۔ اس کے علاوہ بیہقی' قتادہ کے حوالے سے بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے پہلے صاحب ایمان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ وہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نضر بن انس اور ابا حمزہ یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بذات خود بھی یہی سنا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے تھے اور انہوں نے اس کی اطلاع آپ کو دی تھی۔ اس کے بعد قریش کی ایک عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے عثمان اور ان کی بیوی رقیہ کو مکے سے جاتے دیکھا یا آپ کو اس کی اطلاع ہے؟''۔

آپؐ نے اس سے پوچھا:

''کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟''۔

وہ بولی:

''ہاں! میں نے دیکھا کہ وہ اپنی بیوی یعنی آپ کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کو ایک گدھے پر بٹھائے اس راستے سے مکے سے باہر جا رہے تھے''۔

اس عورت سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''اللہ ان دونوں کو خیریت سے رکھے' عثمان (رضی اللہ عنہ) حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ کی راہ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں''۔

ابن اسحٰق کے بقول مذکورہ بالا مستند روایات کی بنیاد پر مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے جن افراد کی تعداد ۸۳ (تراسی) بتائی گئی ہے ان کے نام یہ ہیں (چھوٹے بچے اور وہ بچے جو حبشہ میں پیدا ہوئے اس تعداد میں شامل نہیں ہیں)۔

ابوحذیفہ بن عتبہ اور ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو جن کے بطن سے حبشہ میں محمد بن حذیفہ پیدا ہوئے' زبیر بن عوام' مصعب بن عمیر' عبدالرحمٰن بن عوف' ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جن کے بطن سے زینب پیدا ہوئیں' عثمان بن مظعون' آل خطاب کے حلیف عامر بن ربیعہ جو بنی عنز بن وائل میں سے تھے اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ' ابوسبرہ بن ابی رہم عامری اور ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو جنہیں ابو حاطب ابن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حنبل بن عامر رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کہا جاتا ہے اور یہی ان پہلے لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ابن ہشام کے بقول اور دوسرے اہل علم کی روایات کے مطابق ان پہلے دس آدمیوں میں عثمان بن مظعون بھی شامل تھے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس پہلی جماعت کے بعد جس نے مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کی جعفر بن ابی طالب اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس کو ہمراہ لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں ان کی بیوی کے بطن سے عبداللہ بن جعفر کی ولادت ہوئی۔ ان کے بعد باقی وہ سب مسلمان بھی جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اجازت دی تھی مکے سے حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر جمع ہوئے۔

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک مسلمانوں نے مکے سے حبشہ کی طرف اس زمانے کے بعد ہجرت کی تھی جب حضرت ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے حلیفوں کو ساتھ لے کر مکے سے اس جگہ جا کر قیام کیا تھا جسے اب شعب ابوطالب کہا جاتا ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

موسیٰ بن عقبہ کا خیال یہ بھی ہے کہ جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کی دوسری جماعت کے ساتھ اس وقت حبشہ گئے تھے۔ جب وہاں سے کچھ لوگ مکہ واپس آ گئے تھے کیونکہ ان لوگوں کو اطلاع ملی تھی کہ قریش مسلمان ہو کر نماز پڑھنے لگے ہیں۔ ان لوگوں میں عثمان بن مظعون بھی شامل تھے۔ البتہ حبشہ سے واپسی کے بعد جب ان کی اطلاع غلط نکلی تو کچھ لوگوں کے سوا جو مکہ میں ٹھہر گئے تھے باقی سب لوگ دوبارہ حبشہ چلے گئے اور اسی وجہ سے ان کی دوبارہ واپسی کو ہجرت ثانیہ کہا جاتا ہے جس کا تفصیلی ذکر ہم عنقریب آگے چل کر کریں گے۔ ویسے موسیٰ بن عقبہ کے بقول جعفر بن ابی طالب اس دوسری جماعت کے ساتھ گئے تھے جس نے مکے سے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ تاہم ابن اسحٰق کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے (جعفر بن ابی طالب نے) پہلی ہی جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اس پر بھی ہم ان شاء اللہ آگے چل کر مزید روشنی ڈالیں گے اور اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے کیونکہ جعفر بن ابی طالب ہی جیسا کہ دوسری مستند روایات سے ثبوت ملتا ہے۔ وہ شخص تھے جنہوں نے نجاشی کے روبرو مسلمان مہاجرین کی ترجمانی کی تھی۔

ابن اسحٰق نے جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ جن لوگوں کی ہجرت کا ذکر کیا ہے ان میں عمرو بن سعید بن العاص' ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان بن امیہ بن محرث بن شق الکنعانی' ان کے بھائی خالد اور ان کی بیوی امینہ بنت اسعد خزاعی جن کے بطن سے سعید پیدا ہوئے تھے اور ایک کنیز جس سے بعد میں زبیر نے عقد کر لیا تھا اور اسی کے بطن سے عمر اور خالد کی ولادت ہوئی تھی۔ ابن اسحٰق کے بقول ان لوگوں کے ہمراہ عبداللہ بن جحش بن رئاب' ان کے بھائی عبداللہ اور ان کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان قیس بن عبداللہ جو بنی اسد بن خزیمہ میں سے تھے اور ان کی بیوی برکہ جو ابی سفیان کے غلام یسار کی بیٹی تھیں۔ معیقیب بن ابی فاطمہ جو سعید بن عاص کے غلاموں میں سے تھے اور ابن ہشام کے بقول ان کا تعلق دوس سے تھا' شامل تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں ابوموسیٰ اشعری' آل عتبہ بن ربیعہ کے حلیف عبداللہ بن قیس بھی شامل تھے جن کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ابن ہشام کے بیان کے مطابق اس جماعت میں دوسرے لوگ تھے عتبہ بن غزوان' یزید بن زمعہ بن اسود' عمرو بن امیہ بن حارث بن اسد' طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد' سویبط بن حریملہ' وجہم بن قیس العبدوی اور ان کی بیوی ام حرملہ بنت عبدالاسود اور ان کے بیٹے عمرو بن جہم اور خزیمہ بن جہم' ابوالروم بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار' فراس بن نضر بن حارث بن کلدہ'

عامر بن ابی وقاص جو سعد کے بھائی تھے' المطلب بن از ہر بن عبدعوف الزہری اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف بن صبیرہ جن کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے' عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ' مقداد بن اسود' حارث بن خالد بن صخر تیمی اور ان کی بیوی ریطہ بنت حارث بن جبیلہ جن کے بطن سے موسیٰ' عائشہ اور زینب و فاطمہ پیدا ہوئے' عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد ابن تیم بن مرہ' شماس بن عثمان بن شرید مخزومی ان کا نام شماس ابن ہشام کے بقول ان کی خوب صورتی کی وجہ سے پڑ گیا تھا ویسے ان کا اصل نام عثمان بن عثمان تھا۔ ان لوگوں کے علاوہ مہاجرین میں مندرجہ ذیل لوگ شامل تھے۔

ہبار بن سفیان بن عبدالاسد مخزومی اور ان کا بھائی عبداللہ' ہشام بن ابی حذیفہ ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم' سلمہ بن ہشام بن مغیرہ' عیاش بن ابی ربیعہ بن مغیرہ معتب بن عوف بن عامر جو بنی مخزوم کے حلیفوں میں سے اور عیہامہ کے نام سے مشہور تھے' عثمان بن مظعون کے بھائی قدامہ و عبداللہ' سائب بن عثمان بن مظعون حاطب بن حارث بن معمر' ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور اس کے بطن سے حاطب کے دو بیٹے محمد و حارث' حاطب کا بھائی خطاب' خطاب کی بیوی فکیہہ بنت یسار' سفیان بن معمر بن حبیب اور ان کی بیوی حسنہ اور اس کے بطن سے سفیان کے دو بیٹے جابر و جنادہ نیز حسنہ کے پہلے شوہر سے اس کا بیٹا شرحبیل بن عبداللہ جسے شرحبیل بن حسنہ بھی کہا جاتا تھا' عثمان بن ربیعہ بن اہبان بن وہب بن حذافہ بن جمح' خنیس بن حذافہ بن قیس ابن عدی عبداللہ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعید بن سہم' ہشام بن عاص بن وائل ابن سعید' قیس بن حذافہ بن قیس بن عدی اور ان کے بھائی عبداللہ' ابوقیس بن حارث بن قیس ابن عدی' ان کی بہن اور حارث کے بیٹے حارث' معمر' سائب بشر اور سعید' سعید بن قیس ابن عدی لامہ جنہیں سعید بن عمرو تیمی بھی کہتے تھے' عمیر بن رئاب بن حذیفہ بن مہشم بن سعید بن سہم' حلیف لبنی سہم جن کا اصل نام محمیہ بن جزء الزبیدی تھا معمر بن عبداللہ العدوی' عروہ بن عبدالعزیٰ' عدی بن فضلہ بن عبدالعزیٰ اور ان کے بیٹے نعمان عبداللہ بن مخرمہ عامری' عبداللہ بن سہیل بن عمرو' سلیط بن عمرو' اور ان کے بھائی سکران اور سکران کی بیوی سودہ بنت زمعہ' مالک بن ربیعہ' مالک کی بیوی عمرہ بنت سعدی' ابو حاطب بن عمرو العامری' عامری کا حلیف سعد بن خولہ جن کا تعلق یمن سے تھا۔ ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح فہری' سہیل بن بیضا (بیضا سہیل کی والدہ تھیں اور ان کا اصل نام رعد بنت جحدم بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فہر تھا۔ سہیل کا خاندانی نام سہیل بن وہب بن ربیعہ بن ہلال ابن ضبہ بن حارث تھا۔

مندرجہ بالا افراد کے علاوہ باقی لوگوں کے نام یہ ہیں:

عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث' عیاض بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ' عمرو بن حارث بن زہیر ابن ابی شداد بن ربیعہ عثمان بن عبدغنم بن زہیر اخوات' سعید بن عبدقیس بن لقیط اور ان کے بھائی حارث فہریون۔ [1]

---

[1] ان مہاجرین اور ان کی صحیح تعداد کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ہم نے متفق علیہ ناموں کے متعلق سیرت ابن ہشام کے علاوہ ابن اسحاق کے گنائے نام دوسری متعدد روایات سے مطابقت کے بعد یہاں درج کیے ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے ان لوگوں کے علاوہ ان کے چھوٹے بھی ان کے ساتھ تھے اور کچھ بچے بعد میں حبشہ میں پیدا ہوئے۔ بہر حال اگر ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان مردوں اور عورتوں کی مجموعی تعداد ۸۳ (تراسی) ہوتی ہے تاہم عمار بن یاسر کے بارے میں پھر بھی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے اور ابو موسیٰ اشعری کے بارے میں مندرجہ بالا لوگوں کے ساتھ مکے سے حبشہ کو ہجرت کا تذکرہ اور زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔

امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے زہیر بن معاویہ کے بھائی خدیج کی زبانی جو کچھ سنا ہے اور آخر الذکر نے ابی اسحٰق‘ عبداللہ بن عتبہ اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا وہ یہ ہے کہ مکے سے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر حبشہ کے حکمران نجاشی کے پاس گئے تھے ان کی مجموعی تعداد قریباً اسی تھی جن میں عبداللہ بن مسعود‘ جعفر‘ عبداللہ بن عرفطہ‘ عثمان بن مظعون اور ابو موسیٰ شامل تھے۔ اس کی خبر جب مشرکین قریش کو ملی تو انہوں نے اپنی طرف سے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو نجاشی کے لیے تحائف دے کر حبشہ بھیجا اور یہ لوگ جب نجاشی کے دربار میں پہنچے تو وہ اسے تحائف پیش کرنے سے قبل وہاں کے دستور کے مطابق اس کے سامنے سربسجود ہو گئے لیکن مسلمان ویسے ہی کھڑے رہے۔ قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں نے نجاشی سے کہا کہ ان لوگوں نے ہمارے قدیم مذہب سے بغاوت کی ہے اور اب پناہ لینے کے لیے آپ کے پاس آ گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

''ویسے تو یہ سب ہمارے رشتہ میں بھائی ہیں لیکن یہ تو آپ کے مذہب اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بھی نہیں مانتے اور دیکھ لیجیے انہوں نے آپ کو سجدہ بھی نہیں کیا۔ جو آپ کے ملکی دستور کے خلاف ہے''۔

جب مسلمانوں سے نجاشی نے اس کے بارے میں پوچھا تو جعفر آگے بڑھ کر بولے:

''میں ان مسلمانوں کا نمائندہ اور ترجمان ہوں۔ واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں اللہ نے ایک نبی بھیجا ہے جس کا کہنا ہے کہ خدا ایک ہے‘ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ ہم اپنے اس نبی پر ایمان لے آئے ہیں اور مسلمان ہو گئے ہیں لیکن ہم مسلمانوں پر قریش کے دوسرے لوگوں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تو ہمارے نبی حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے ہمیں اجازت دی کہ ہم ظالم قریش سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس چلے جائیں کیونکہ آپ بھی بتوں کی پرستش کے خلاف ہیں''۔

جب ان سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے نجاشی کو بتایا کہ ان کے نبی کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے نبی تھے لیکن ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا تھا یعنی وہ کنواری تھیں لیکن خدا نے ان کے بطن سے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا تھا جنہیں دوسرے انبیاء کے ساتھ مانے بغیر خدا کے حکم کے مطابق کوئی مسلمان درحقیقت مسلمان نہیں ہوسکتا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نجاشی نے یہ باتیں سن کر کہا تھا:

''مجھے یقین ہے کہ تمہاری طرف خدا نے جو نبی بھیجا ہے۔ یہ وہی خدا کا آخری نبی ہے جس کا ذکر انجیل مقدس میں آیا ہے۔ لہٰذا تم لوگ جب تک چاہو یہاں امن وامان اور آرام سے رہو''۔

نجاشی کی زبان سے یہ باتیں سن کر مشرکین مکہ کے بھیجے ہوئے دونوں آدمی بہت شرمندہ ہوئے نجاشی نے ان کے تحائف بھی قبول

کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے نجاشی کے حق میں دعا فرمائی اور وہ بھی جب تک زندہ رہا ہمیشہ مسلمانوں کا حلیف اور خیر خواہ رہا۔ یہ روایت بہت قوی اور مستند ہے۔ البتہ ابو موسیٰ اشعری کی ان مہاجرین میں شمولیت کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہوتی اور یہی بات ابن اسحٰق نے ان کے بارے میں اپنی بیان کردہ روایات کے آخر میں بتائی ہے۔

جو روایت حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب الدلائل میں سلیمان بن احمد' محمد بن زکریا غلابی عبداللہ بن رجاء' اسرائیل' سلیمان بن احمد' محمد بن زکریا' حسن بن علویہ القطان' عباد بن موسیٰ الختلی' اسماعیل بن جعفر' اسرائیل' ابو احمد' عبداللہ بن محمد بن شیرویہ اسحاق بن ابراہیم یعنی ابن راہویہ' عبیداللہ بن موسیٰ کی زبانی ابی اسحٰق' ابی بردہ اور ابی موسیٰ کے حوالے سے پیش کی ہے وہ بھی مذکورہ بالا مستند روایات کے مطابق ہے۔ اس روایت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ نجاشی نے مکے سے حبشہ ہجرت کرنے والے ان مسلمان مہاجرین کو مستقل طور پر کھانے اور لباس مہیا کرنے کا حکم دیا تھا نیز اس روایت میں ابو موسیٰ کا بھی ذکر آیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے اور یہ بھی ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ ہی نے مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم

اس روایت کو بخاری نے بھی ہجرت حبشہ کے تحت متعدد مستند حوالوں سے پیش کیا ہے جس میں نجاشی کے ساتھ جناب جعفر کی گفتگو اور اس کے قبول حق کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔

ان روایات کے ساتھ نجاشی کی وفات' اس کے بھائی کی طرف حکومت کا منتقل ہونا اور آخر تک اس سلسلے کے پہنچنے کا ذکر بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب قریش کے نمائندے نجاشی کے پاس سے ناکام لوٹے تو مشرکین مکہ شرمندگی کے علاوہ غیض و غضب میں بھی مبتلا ہوئے لیکن وہ اب کچھ کر نہیں سکتے تھے کیونکہ اس وقت تک حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین مکہ کے ساتھ جدال و قتال کے لیے ان کے سامنے آ گئے تھے اور مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیعت اور حضرت نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز پڑھنے لگے تھے۔ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مسلمانوں کے لیے فتح' ان کی ہجرت نصرت و کامرانی اور ان کی حکومت رحمت ہی رحمت تھی۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا مسلمانوں کی حبشہ کو ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

یہ بات کہ تمام مسلمان مکے سے حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے خارج از بحث ہے کیونکہ جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اس وقت چالیس مسلمانوں کے قریب آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ ویسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور مسلمانوں کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں میں شامل تھے لیکن ان کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور وہ ان کے ساتھ خانہ کعبہ میں جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ثابت ہوتا ہے علی الاعلان نماز ادا کرنے لگے تھے۔

ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد میں حبشہ کو ہجرت کے بعد بھی دوسرے بہت سے مسلمانوں

کے علاوہ حضرت ابوبکر ابن قحافہ (رضی اللہ عنہ) اور حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں رہ گئے تھے۔

ابن اسحٰق کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے شمشیر برہنہ لے کر خانہ کعبہ گئے تھے جہاں آپؐ رات کے وقت نماز ادا فرما رہے تھے لیکن آپ کی زبان سے ایک آیاتِ قرآنی کی سماعت کے بعد ان کے دل میں رقت پیدا ہوگئی تھی اور وہ مسلمان ہو گئے تھے تاہم بعض دوسری روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس رات کو اس گھر کی طرف گئے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں قیام فرماتے تھے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی حالانکہ آپؐ کے اصحابؓ نے کہا تھا کہ ان کا ارادہ اچھا نہیں ہے لیکن جب وہ آپؐ کے سامنے پہنچے اور آپ نے ان سے دریافت فرمایا:

''عمر تم اس وقت کیوں آئے ہو''۔

تو وہ روتے ہوئے بولے:

''میں آپ کی خدمت میں مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں''۔

چنانچہ آپؐ نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی استقامت بالاسلام ضرب المثل بن گئی۔

جب ان سے مشرکین مکہ نے کہا:

''عمر! تم بھی ''صابی'' ہو گئے ہو''۔

تو انہوں نے کہا:

''نہیں مسلمان ہو گیا ہوں''۔

اور اس کے بعد انہوں نے بلند آواز سے کہا: لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ پھر وہ مشرکین مکہ سے مدینے کو ہجرت سے قبل ہمیشہ جدال و قتال میں پیش پیش رہے۔

بیہقی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن کچھ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ انہیں قرآنی آیات سنا رہے تھے تو اسی وقت ابوجہل وہاں آ گیا اور مسلمانوں سے بولا:

''تم اپنے مذہب کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے ہو''۔

اس پر مسلمانوں نے جواب دیا:

''ہم گمراہی چھوڑ کر صحیح راستے پر آ گئے ہیں تیرا مذہب تیرے ساتھ اور ہمارا مذہب ہمارے ساتھ ہے''۔

اس زمانے میں ایک نجران کا نصرانی بھی جس کے نام کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ نیز عرب کے کچھ دوسرے قبائل کے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے۔

بیہقی نے اپنی کتاب ''الدلائل'' میں باب ''نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط''۔ کے تحت حاکم، اصم، احمد بن عبدالجبار، یونس اور ابن اسحٰق کے حوالے سے نجاشی کے نام آپ کے خط کی عبارت یوں درج کی ہے:

''حبشہ کے عظیم حکمران اصحم❶! سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس بات کی گواہی دی کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی بیوی ہے نہ بیٹا اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا رسول ہوں' پس تم اسلام قبول کرلو۔ اے اہل کتاب اس کلمہ کے طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتے ہیں نہ کسی چیز کو اس کا شریک سمجھتے ہیں اور نہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کا پروردگار سمجھتے ہیں۔ اگر تم یہ باتیں قبول کرتے ہو تو اس کا اقرار کرو کہ تم مسلمان ہو۔ اگر تم نے اس سے انکار کیا (تو یاد رکھو) کہ پوری نصرانی قوم کا گناہ تمہارے سر ہوگا''۔

بیہقی کی مذکورہ بالا کتاب میں اس خط کا اندراج مسلمانوں کی مکے سے حبشہ کو ہجرت کے ذکر کے بعد ہوا ہے اس لیے یہ بات محل نظر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو یہ مکتوب مسلمان مہاجرین کے ہاتھ بھیجا ہو۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ایک ہی قسم کے متعدد خطوط میں سے ایک ہے جو آپ نے روم کے حکمران ہرقل کو شام کے حکمران قیصر کو' ایران کے بادشاہ کسریٰ کو' مصر کے حکمران اور حبشہ کے نجاشی کو ارسال فرمائے تھے جب کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت اس خط کے لکھے جانے سے بہت قبل کی تھی۔ اس خط میں حبشہ کے حکمران کو اصحم کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ حالانکہ حبشہ کو مسلمانوں کی ہجرت کے وقت جو نجاشی حبشہ کا حکمران تھا اس کا نام اصحم نہیں تھا اس سے بھی ہماری مذکورہ بالا گذارشات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ویسے نجاشی سے مسلمانوں کی ترجمانی حضرت جعفر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور ان کے ہاتھ جو خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے حکمران حبشہ نجاشی کو ارسال فرمایا تھا اس کا ذکر خود بیہقی نے ایک دوسری جگہ حاکم' ابی محمد بن عبداللہ الفقیہ کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحم کی طرف۔ تم پر سلام ہو' میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد کے بعد گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے عیسیٰ روح اللہ اور اپنے کلام کو اس کی طیبہ و طاہرہ والدہ کے جسم میں اتارا تھا۔ حضرت مریم خدا کے حکم سے اسی طرح حاملہ ہوئی تھیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ان کے جوڑے کے پیدا کیا تھا۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانتے ہو تو مجھے اللہ کا نبی بھی مانو اور خدا کے اتباع پر آمادہ ہو جاؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس خط کے لانے والے جعفر ہیں۔ امید ہے تم ان کی اور ان کے ہمراہیوں کی پذیرائی حسب دل خواہ کرو گے اور اپنی قوم کو خدا کی پیروی کا حکم دو گے۔ جب

❶ ''الدلائل'' کے مصری نسخے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس خط کی ابتدائی عبارت یہ ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ الخ (مؤلف)

میرا پیغام اور میری نصیحت تمہیں پہنچے تو تم اسے قبول کرو۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس پر سلام ہو۔

نجاشی نے آنحضرت ﷺ کے اس مکتوب کے جواب میں آپ کو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ (ﷺ) کے نام نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے! اے اللہ کے نبی! سلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اسی نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مجھے یارسول اللہ ﷺ آپ کا وہ مکتوب ملا جس میں آپ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ اللہ نے انہیں بھی اپنا نبی بنا کر بھیجا تھا اور ان میں وہی خصوصیات تھیں جن کا آپ نے اپنے مکتوب میں ذکر فرمایا ہے۔ میرے پاس آپ کے ابن عم اور ان کے ساتھی پہنچے اور انہوں نے آپ کا زبانی پیغام بھی مجھے پہنچایا۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سچے اور سچائی کی تصدیق کرنے والے ہیں میں نے آپ کے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور مسلمان ہو گیا ہوں جو اللہ کے لیے ہے۔ میں اس مکتوب کے ساتھ اپنے بیٹے باریحا بن اصحم بن ابجر کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ میرے پاس اپنی جان کے سوا کچھ نہیں ہے' اگر آپ چاہیں تو وہ میں پیش کر سکتا ہوں کیونکہ میں (جانتا ہوں اور) گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سچ ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی امداد کے سلسلے میں قبائل قریش کی طرف سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی مخالفت‘ آپ کا حلیف یا حریف بننے اور آپ کا قریش میں سلسلہ ازدواج جاری رکھنے کے بارے میں جب تک آپؐ ان کے مذہب سے رجوع نہ کرلیں یا وہ خود آپؐ کے اتباع پر متفق نہ ہو جائیں ان کا باہمی اختلاف‘ شعب ابو طالب میں طویل مدت تک بنی ہاشم کے ساتھ آپ کی پناہ گیری‘ اس دوران میں قریش کے آپؐ کے پاس ظالمانہ پیغامات اور آپ کی نبوت وصداقت کا اظہار کامل

موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانے میں مشرکین قریش کا ظلم وستم نہ صرف آنحضرت ﷺ بلکہ اس وقت تک مسلمان ہو جانے والے لوگوں پر اس قدر بڑھا کہ ان کا جینا دوبھر ہو گیا۔ اسی دوران میں مشرکین قریش نے باہمی اتفاق رائے سے ایک تحریری عہد نامہ تیار کیا جس میں لکھا گیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا پیش کردہ مذہب یعنی اسلام ہرگز قبول نہ کریں گے بلکہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں اس وقت تک سلسلہ ازدواج بھی منقطع رکھیں گے جب تک آپ مذہب اسلام کی تبلیغ کرنا بند نہ کردیں بلکہ ان کے قدیم مذہب یعنی بت پرستی کو تسلیم نہ کرلیں۔ یہ عہد نامہ خانہ کعبہ کی چھت میں آویزاں کردیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ آپؐ کے قتل پر زیادہ مستعد اور اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کے پہلے سے زیادہ درپے رہنے لگے۔

ان حالات کے پیش نظر اور مشرکین قریش کے روز افزوں ظلم وستم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی اجازت اور باہمی اتفاق رائے کے تحت فیصلہ کیا کہ وہ شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہو جائیں۔ اس میں حضرت ابو طالب کی اصابت رائے کو بھی دخل تھا بلکہ کچھ دوسرے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بھی اس فیصلے سے متفق ہو کر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے لیکن مشرکین قریش نے انہیں وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ انہوں نے مکے کے بازاروں میں پوشیدہ طور پر ان کی آمد ورفت اور کبھی کبھار کھانے پینے کی چیزیں خرید کرلے جانے پر بھی قدغن لگادی۔ اس کے علاوہ وہ آپ کو پیغامات کے ذریعہ قتل اور آپ کے ساتھیوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی دھمکیاں بھی دیتے رہے۔

یہ دیکھ کر ایک روز حضرت ابو طالب ایک ایسی جگہ تشریف لے گئے۔ جہاں اہل قریش کی اکثریت جمع تھی اور ان سے باہمی

مصالحت کے لیے کہا لیکن ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے صاف انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے اور جملہ مسلمانوں کو چن چن کر ٹھکانے لگا دینے کی صاف صاف دھمکیاں دینے لگے اور اس عہد نامے کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے جملہ اہل قریش کی اتفاق رائے سے تحریر کر کے خانہ کعبہ کی چھت میں آویزاں کر دیا تھا۔ البتہ بنی عبد مناف، بنی قصی اور بنی لوی کے ان لوگوں نے جنہوں نے بنی ہاشم میں شادیاں کی تھیں اور ان کی بیویوں کے بطون سے ان کی اولاد بھی تھی دوسرے اہل قریش سے اختلاف رائے کرتے ہوئے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ مصالحت پر زور دیا۔ جب قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کی قریش سے وابستگی اور خود حضرت ابوطالب کے ان اشعار کا حوالہ دیا جن میں انہوں نے قریش کی سخاوت اور غیرت وحمیت کی مدح کی تھی تو حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ انسانیت کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ان کے اس جواب سے مذکورہ بالا بنی عبد مناف، بنی قصی اور بنی لوی کے اکثر لوگوں کے علاوہ خود اہل قریش کے کچھ لوگوں نے بھی اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب مخالفین اسلام کے اصرار پر مذکورہ بالا عہد نامہ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں عہد نامے کی تحریر کے بجائے آیات قرآنی درج پائی گئیں جنہیں مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ کے جادو کا اثر اور کرشمہ ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت ابوطالب نے انہیں یہ کہہ کر قائل کر دیا کہ پس پردہ جادو نہیں چل سکتا اور آنحضرت ﷺ کی اس زمانے میں خود قریش نے رسائی ناممکن بنا رکھی تھی۔ حضرت ابوطالب کے اس جواب سے بنی عبد مناف، بنی قصی کے لوگوں کے علاوہ ابوالبختری، مطعم بن عدی، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ اور زمعہ بن اسود خصوصاً ہشام بن عمرو نے جس کے ہاتھ میں اس وقت وہ عہد نامہ تھا مکمل اتفاق کیا۔ البتہ ابوجہل اس پر خدا کی لعنت ہو سب کو برا بھلا کہتا ہوا وہاں سے ناراض ہو کر چلا گیا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ اسی قبیل کی ایک روایت ان کے شیخ ابوعبداللہ الحافظ سے بھی ابوالاسود اور عروہ بن زبیر یعنی کسیاق موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی مروی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پہلی روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مکے سے حبشہ کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہجرت ان کے شعب ابوطالب میں پناہ گزینی کے بعد عمل میں آئی تھی۔ واللہ اعلم

بہر حال مجھے اس میں شک ہے کہ حضرت ابوطالب نے قریش کی مدح میں کوئی قصیدہ شعب ابوطالب میں مسلمانوں کی پناہ گزینی کے بعد بھی کہا ہو جس کی مدت تین سال کے طویل عرصے تک جاری رہی۔ (مؤلف)

بیہقی کی یونس اور محمد ابن اسحٰق کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے کافی عرصے بعد تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب آپؐ سے علیحدہ رہے اور آپ کی اس وجہ سے مخالفت کرتے رہے کہ آپؐ نے ان میں اور ان کی قوم قریش میں مفارقت پیدا کر دی تھی اور جب قریش نے یہ دیکھا کہ ان کا ہاتھ آنحضرت ﷺ تک پہنچنا مشکل ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ عہد نامہ تیار کیا جس میں یہ تحریر کیا کہ وہ بنی ہاشم اور عبدالمطلب میں نہ مناکحت کا سلسلہ جاری رکھیں گے نہ ان سے کسی قسم کے معاشرتی تعلقات ہی رکھیں گے بلکہ ان کے ساتھ ہر قسم کی خرید وفروخت بھی بند کر دیں گے اور اس کے بعد انہوں نے جہاں تک ہو سکا مسلمانوں پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ اس کے بعد بیہقی نے اس روایت میں شعب ابی طالب میں مسلمانوں کی پناہ گزینی کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جن مسلمانوں نے وہاں پناہ لی تھی ان کے کمسن بچوں کی بھوک پیاس میں بلکنے کی آوازیں وہاں سے دور

تک سنائی دیتی تھیں۔ یقیناً یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرماتے ہوئے قریش کے عہد نامے میں مذکورہ بالا تبدیلی کر دی تھی اور اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو بھی وحی کے ذریعہ دے دی تھی اور آپؐ نے اس کی خبر اپنے چچا ابو طالب کو کر دی تھی۔

اس کے بعد بیہقی کی روایت میں انہی سب باتوں کا تذکرہ ہے جو موسیٰ بن عقبہ نے آخر تک اپنی روایت میں بیان کی ہیں۔

ابن ہشام زیاد اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے یہ دیکھا کہ مسلمان مکے سے ہجرت کر کے حبشہ میں امن و امان سے رہنے لگے ہیں اور نجاشی نے ان کی سفارت کو ناکام بنا دیا ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں جملہ سہولتیں بہم پہنچانے کا انتظام بھی کر دیا ہے اور اس کے علاوہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) مسلمان ہو کر دوسرے مسلمانوں کی تقویت کا باعث بن گئے ہیں تو ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مذکورہ بالا عہد نامہ تیار کر کے اسے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیں اور اس کے مطابق بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیں۔ ابن ہشام کی اس روایت کے مطابق مذکورہ عہد نامہ منصور ابن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی نے لکھا تھا لیکن نضر بن حارث کے بقول جب رسول اللہ ﷺ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے اس کی کچھ شقوں میں تبدیلی کر دی تھی واقدی کہتے ہیں کہ یہ عہد نامہ طلحہ بن ابی طلحہ العبدوی نے لکھا تھا لیکن مشہور یہ ہے اور ابن اسحٰق نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ عہد نامہ منصور ابن عکرمہ نے لکھا تھا اور یہی بات سارے قریش آپس میں منصور کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ اس کی قابلیت دیکھو۔ بہر حال واقدی کہتے ہیں کہ اس عہد نامے کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب قریش نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو شعب ابو طالب میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا تو اس کے بعد ان کے کچھ لوگ وہاں بھی جا پہنچے اور حضرت ابو طالب سے گفتگو کے لیے کہا لیکن ادھر سے پہلے ابولہب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب نکلا اور ان سے گفتگو کرنے لگا۔ حسین بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ابولہب نے ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ سے کہا کہ اے عتبہ کی بیٹی ہم بنی عبدالمطلب یہاں ہی ہیں' تو تو (مجھے یقین ہے کہ ابھی تک (میری طرح) لات و عزیٰ کو اپنے معبود سمجھتی ہے تو اس نے جواب دیا:

''ہاں اے اباعتبہ آپ کا خیال درست ہے''۔

اس کے بعد ابولہب نے کہا تھا کہ وہ دیکھے گا کہ اس کا بھتیجا محمد (ﷺ) کس طرح زندہ رہ کر اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے اس کا شمہ بھر بھی اثر اس پر اور دوسرے بہت سے اہل قریش پر نہیں ہوا تھا۔ اسی زمانے میں قرآن کی سورت تبت یدا ابی لہب وتب الخ نازل ہوئی تھی اور حضرت ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی موافقت اور آپؐ پر قریش کے مظالم کی مخالفت کرتے ہوئے بہت سے اشعار کہے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھ جناب ابو طالب سمیت بہت سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب دو یا تین سال تک شعب ابی طالب میں پناہ گزین رہے اور اس دوران میں اس کے سوا وہ لوگ چھپتے چھپاتے مکے سے کھانے پینے کی تھوڑی بہت کوئی چیز لے جائیں ان پر ظالم قریش نے سخت بندش لگا رکھی تھی۔

اس موقع پر کئی روایات کے حوالے سے ابوجہل کی چیرہ دستی کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایک روز حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد اپنے ایک غلام کے ہمراہ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے لیے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابو طالب میں مقیم کھانا لیے جا رہے تھے تو ابوجہل بن ہشام نے ان سے کہا کہ وہ انہیں شعب ابو طالب میں ہرگز کھانا پہنچانے نہیں دے گا بلکہ انہیں دھکے دیتا ہوا واپس مکے لے جائے گا تو اس وقت وہاں ابوالبختری بن حارث بن اسد آ گئے اور ابوجہل سے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' ۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ وہ حکیم کو ذرہ بھر کوئی چیز شعب ابو طالب میں پہنچانے نہیں دے گا۔ اس پر ابوالبختری بولے کہ وہ تو اپنی پھوپھی کے لیے کھانا لے جا رہا ہے مگر ابوجہل اڑ گیا اور بولا کہ کچھ ہی ہو وہ کوئی چیز وہاں کسی کو لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر ابوالبختری نے اس کی داڑھی پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا اور صلواتیں سنائیں۔ پھر وہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور انہوں نے بھی ابوجہل کو برا بھلا کہا۔

بہرحال آنحضرت ﷺ اس دوران میں بھی جہاں تک ممکن تھا مخفی اور اعلانیہ دونوں طرح تبلیغ اسلام فرماتے رہے جب کہ قریش کہتے تھے کہ آخر قرآن اترنا ہی تھا اور کوئی نبی عرب میں آنا ہی تھا تو آخر قریش کے کسی صاحب حیثیت شخص پر کیوں نہیں اترا۔ البتہ اسی زمانے میں قرآن شریف کی کئی آیات جن میں مذکورہ بالا سورۂ تبت بھی شامل تھی قریش کے مسلمانوں پر ظلم وستم کی مذمت اور دین اسلام کی حمایت میں اتریں۔ اس کے علاوہ متعدد مستند روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں کس طرح تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے جب کہ قریش بھی آپ کی مجلس میں آتے جاتے رہتے تھے اور آپ اس مجلس میں سلسلہ انبیاء مثلاً حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے دین اور اس کے برخلاف قریش کب بت پرستی پر اظہار خیال فرمایا کرتے تھے جب آپ اہل فارس اور ان کے عروج وزوال کا ذکر فرماتے تو قریش آپ کی ان معلومات پر اظہار تعجب کیا کرتے تھے جب کہ ان کے بارے میں آیات قرآنی بھی نازل ہوا کرتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن مسلم زہری سے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے سنا کہ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وستم سے جینا حرام کر دیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے لیکن جب آپ نے قریباً ایک دن کی مسافت طے کر لی تو انہیں حارث بن بکر بن مناۃ بن کنانہ ملے جو اس زمانے میں مکہ کے اہل حبشہ میں سب سے زیادہ معزز شخص تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں کفار قریش کے ظلم وستم کا مسلمانوں پر حال سنایا اور بتایا کہ وہ بھی مجبوراً حبشہ جا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر ابن دغنہ بولے:

''آپ پچھلی باتوں کو بھول کر میرے ساتھ مکہ واپس چلئے اور میرے پڑوس میں قیام فرمائیے' پھر میں دیکھوں گا کہ قریش کس طرح آپ کو تنگ کر سکتے ہیں''۔

واقدی نے ابن دغنہ کا نام حارث بن یزید بتایا ہے جو عبد مناۃ بن کنانہ میں قبیلہ بکر سے تعلق رکھتے تھے اور سہیلی نے ان کا نام مالک بتایا ہے۔ بہر حال وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ واپس مکے لے آئے اور اپنے پڑوس کے ایک خالی مکان میں انہیں ٹھہرا دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکے واپس آ کر جس مکان میں ٹھہرے اس کے آگے انہوں نے نماز کے لیے ایک جگہ بنا لی اور وہاں نماز ادا کرنے لگے۔ جب وہ نماز میں قرآنی آیات تلاوت فرماتے تو ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی ان کی یہ حالت دیکھ کر قریش کے مرد' عورتیں اور بچے وہاں رُک جاتے اور ان کی حالت دیکھ کر اور قرآنی آیات سن کر ان لوگوں کے دل پسیجنے لگے۔ یہ دیکھ کر بہت سے قریش مل کر ابن دغنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ:

''اگر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس طرح اپنے مکان کے باہر نماز پڑھتے رہے تو انہیں اندیشہ ہے کہ ان کے مرد' عورتیں بلکہ بچے تک بہکنے اور اپنے تہذیب سے روگردانی کرنے لگیں گے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے ابن دغنہ سے اصرار کیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے باز رکھیں ورنہ انہوں نے ابن دغنہ سے آپ کو تنگ نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے اس کے پابند نہیں رہیں گے۔

ابن دغنہ نے یہ سوچ کر کہ مشرکین مکہ واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پھر ستانے اور تنگ کرنے لگیں گے آپ سے درخواست کی کہ وہ مکان کے اندر نماز پڑھ لیا کریں۔ لہٰذا آپ نے ابن دغنہ کی شرافت اور ہمدردی کے پیش نظر ان کی بات مان لی اور اس کے بعد سے مکان کے اندر ہی نماز ادا فرمانے لگے۔

اس کے بعد کی روایت میں جو ابن اسحٰق سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مکے سے صرف مدینے کی طرف ہجرت کا ذکر ملتا ہے۔

مذکورہ بالا جملہ روایات میں سے اکثر روایات ابن اسحٰق ہی سے مروی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں پر کفار مکہ کا ظلم وستم' مسلمانوں کی شعب ابوطالب میں پناہ گزینی' کچھ مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت کا ذکر آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ بعد میں خود اہل قریش نے کس طرح اپنے مذکورہ عہد نامے کو منسوخ کیا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ کے بقول جن لوگوں نے قریش کے ساتھ مقابلے کا آغاز کیا وہ علی بن اسحٰق کی اولاد تھی۔

قریش کے عہد نامے کی مخالفت

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے بنی ہاشم خصوصاً بنی عبدالمطلب نے مشرکین قریش کے ظلم وستم سے تنگ آ کر شعب ابو طالب میں گوشہ گیری اختیار کر لی تھی جہاں وہ دو تین سال تک مستقل پناہ گزین رہے اور ماسوا اس کے کہ ان میں سے کوئی چھپے قریش کی نظروں سے بچتا بچاتا کھانے پینے کی کوئی چیز مکے سے لے جاتا تھا انہوں نے ان کی حرکات وسکنات پر پوری پوری پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ یہ کہ انہوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے تھے حتیٰ کہ ان میں شادی بیاہ کا رواج بھی ختم کر دیا تھا' اور اس سلسلے میں انہوں نے باقاعدہ ایک عہد نامہ تحریر کرا کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا تھا البتہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں ایسے بھی کچھ لوگ تھے جو اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے اپنے دوسرے اعزہ واقارب کے ساتھ شعب ابو طالب میں نہیں گئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مذکورہ بالا عہد نامے کے مخالف تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان میں جو پیش پیش تھا اور مسلمانوں پر قریش کے اس بے پناہ ظلم وستم کو پسند نہیں کرتا تھا وہ ہشام بن عمرو بن حارث بن حبیب بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی تھا جو نصلہ بن ہشام بن عبد مناف لامہ کا بھتیجا تھا اور یہ کہ خود ہشام اس زمانے میں بھی بنی ہاشم سے ملتا جلتا رہتا تھا۔ ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ ایک روز وہ ایک اونٹ پر کھانے پینے کا اور کچھ دوسرا سامان لاد کر شعب ابو طالب کے دہانے پر جا پہنچا اور پھر جب وہ اندر گیا تو اسے سب سے پہلے زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ ابن عمرو بن مخزوم ملے جو عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ اس نے زہیر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر سب سے پہلے جو سوال ان سے کیا وہ یہ تھا:

''زہیر! کیا آپ لوگ قریش کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ہمیشہ یہاں روپوش رہیں گے اور کیا آپ لوگ قریش کی طرح ہمیشہ کے لیے ان سے ہر قسم کے تعلقات منقطع رکھنا پسند کریں گے؟ نیز یہ کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص آپ لوگوں کے لیے کھانا اور کپڑے لائے تو کیا وہ بھی قبول نہیں کریں گے؟''۔

زہیر ہشام سے یہ بات سن کر بولے:

''بھئی قریش ہی نے ہم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر کے اس سلسلے میں متفق ہو کر ایک عہد نامہ تحریر کرا کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا ہے بلکہ آپ لوگ جو ہمارے قبیلے اور خاندان کے ہو ان کے ساتھ ہو گئے ہو۔ ایسی صورت میں کیا کوئی فرد واحد بھی اب ایسا ہے جو قریش کے اس فیصلے کی مخالفت کرتا ہو؟''۔

زہیر کے اس سوال پر ہشام بولا:

''آپ لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے اور اس سلسلے میں قریش نے جو عہد نامہ تیار کرایا ہے اس کا سب سے پہلا مخالف تو میں خود ہوں''۔

ہاشم سے یہ سن کر زہیر نے پوچھا:

''چلئے' مان لیا لیکن تمہارے علاوہ اس کا مخالف اور قریش سے ہماری مصالحت کرانے والا کوئی اور بھی ہے؟''۔

زہیر کی یہ بات سن کر ہاشم مکے کی طرف واپس آیا اور سب سے پہلے مطعم بن عدی سے مل کر اس سے پوچھا:

''اے مطعم! کیا تم بھی اس پر راضی ہو اور اسے پسند کرتے ہو کہ ہمارے اعزہ و اقارب شعب ابو طالب میں بھوکے پیاسے مقید رہ کر مر جائیں؟ کیا تم بھی قریش کے اس ظلم و ستم اور اس سلسلے میں جو عہد نامہ انہوں نے تیار کرایا ہے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہو؟''۔

یہ کہہ کر ہاشم نے زہیر سے اپنی ملاقات کا حال مطعم کو بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اس نے زہیر سے جب یہ پوچھا کہ آیا وہ لوگ بھی اس طرح قریش سے ہمیشہ کے لیے علیحدگی پسند کریں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی پسندیدگی سے کیا ہوتا ہے جب کہ ہم جو ان کے عزیز ہیں ان میں سے بھی کوئی قریش کے اس طرز عمل اور ان کے باہمی اتفاق رائے سے تیار کردہ عہد نامے کا مخالف نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر ہاشم نے مطعم کو بتایا کہ اس نے زہیر کو اس سلسلے میں اپنی مخالفت کا حال تو بتا دیا ہے جو وہاں میرے کھانے اور کپڑے لے جانے سے بھی ظاہر ہوا ہوگا لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میرے علاوہ جیسا کہ زہیر نے پوچھا ہے کوئی اور بھی قریش کے اس ظالمانہ طرز عمل اور اس عہد نامے کا مخالف ہے یا نہیں۔ ہاشم نے مطعم سے پوچھا:

''اب تم ہی بتاؤ کہ میں وہاں جا کر زہیر کو اس کا کیا جواب دوں؟''۔

ہاشم سے یہ سن کر مطعم نے کہا:

''تم اسے بتا دو کہ مطعم بھی اس سلسلے میں تمہارا ہم خیال ہے''۔

ہاشم نے پوچھا: ''اور کوئی؟''۔

یہ سن کر مطعم اسے لے کر یکے بعد دیگرے ابی بختری' زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور جب ان سے گفتگو کی تو انہیں بھی اپنا ہم خیال پایا۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ اس سلسلے میں قریش سے بات کی جائے۔

یاد رہے کہ زہیر بن امیہ وہ پہلے شخص تھے جو شعب ابو طالب میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں وغیرہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور اسی وجہ سے ہاشم سے ان کی ملاقات اور گفتگو وہاں ہوئی تھی۔

جب مذکورہ لوگوں نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا کہ اس معاہدے کی تنسیخ کے لیے قریش سے گفتگو کی جائے تو زہیر بن امیہ بولے کہ ان سے گفتگو وہی کریں گے۔

چنانچہ یہ سب لوگ قریش کے پاس پہنچے اور انہیں جمع کر کے زہیر نے جو تقریر کی وہ یہ تھی:

''اے اہل قریش! کیا آپ لوگ یہ پسند کریں گے کہ آپ اور ہم بھی جو اب آپ کے ساتھ رہے ہیں یہ پسند کریں گے کہ ہم تو اتنے سے اچھا کھاتے پیتے اور پہنتے رہیں جب کہ وہ لوگ جو دراصل ہمارا ہی خون اور گوشت پوست ہیں ایک پہاڑ کے غار میں ۔ کے پیاسے رہ کر مر جائیں؟''۔

زہیر بن امیہ کی یہ تقریر جو مختصر طور پر پیش کی گئی ہے اس قدر پر اثر رقت انگیز اور زہرہ گداز تھی کہ قریش کے اکثر شریف اور معزز لوگ اسے سن کر نرم پڑ گئے۔ یہ دیکھ کر زہیر نے سارے قریش سے مذکورہ بالا عہد نامے کی تنسیخ کا مطالبہ کیا اور جب وہ لوگ اسے پھاڑ دینے پر رضامند نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب سے کہا کہ عہد نامے کو پھاڑا نہ جائے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے۔ حضرت ابوطالب نے جب قریش سے یہ بات کہی تو وہ یک زبان ہو کر بولے:

''کیا آپ کو یہ بات آپ کے بھتیجے نے بتائی ہے؟''۔

قریش سے یہ سن کر حضرت ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپؐ نے ان سے کہا کہ آپ کو اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

جب اس عہد نامے کو کھول کر دیکھا گیا تو قریش یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی درست تھا۔ اس کے بعد عہد نامہ منسوخ کر دیا گیا تو حضرت ابوطالب نے اس کی تنسیخ پر بہت سے توصیفی اشعار کہے جو مصری تاریخ میں بہ تمام وکمال درج ہیں۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ حسان (ابن ثابت) نے بھی مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو کی مدح میں جو اس عہد نامے کی تنسیخ کے بانی تھے بہت سے اشعار کہے تھے جن کا ذکر اموی نے اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن صالح اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ بنو ہاشم شعب ابوطالب سے کب باہر آئے تھے تو انہوں نے بتایا کہ بعثت نبی کریم ﷺ کے دسویں سال ان کی وہاں سے واپسی ہوئی تھی اور یہ واقعہ آپ کی مدینے کو ہجرت سے تین سال قبل پیش آیا تھا۔

ہم اس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر تفصیل سے کریں گے۔

محمد بن اسحٰق بتاتے ہیں کہ مذکورہ بالا عہد نامے کی تنسیخ کے بعد بھی قریش رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے باز نہیں آئے اور آپؐ پر ساحر و کاہن ہونے کا الزام لگاتے اور احیائے عرب کے سلسلے میں آپؐ کے اقدامات نیز قدیم طریقے پر مکے میں لوگوں کے حج و عمرہ کے لیے آنے کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ اس کی جملہ تفصیلات بھی ابن اسحٰق وغیرہ نے بیان کی ہیں لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ان پر ہمیشہ غالب رہی۔

ابن اسحٰق نے طفیل بن عمرو الدوسی مرسلہ کا قصہ بھی بیان کیا ہے۔ یہ شخص دوس کا ایک صاحب حیثیت' شریف اور نیک سیرت آدمی تھا۔ ہر شخص جب مکے آیا تو اشراف قریش نے اسے گھیر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکا۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نہ ان کے پاس جاؤں گا اور نہ ان سے گفتگو کروں گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ لوگوں کے کسی اجتماع سے گفتگو کرتے ہوں گے تو وہ ادھر سے گزرتے وقت بھی کانوں میں روئی رکھ لے گا۔ تا کہ آپؐ کی کوئی بات اس کے کانوں میں نہ پڑے۔ تاہم ایک دن جب وہ مسجد حرام کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے اور وہ قریش سے اپنے عہد و پیمان کے باوجود وہاں ٹھٹک کر آپ کی گفتگو سننے لگا۔ پھر جب وہ اپنی ماں کے پاس گیا تو اس سے

کہا کہ لوگ اسے آپ کی گفتگو سننے سے خواہ مخواہ منع کرتے تھے پھر بولا:

''وہ تو بڑے شریف اور نادر الکلام شاعر معلوم ہوتے ہیں جن کا ایک ایک لفظ دل نشین ہو جاتا ہے' انہوں نے جو کچھ کہا اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں تھی جسے قبیح کہا جا سکے''۔

اس کے بعد اس نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ پھر آپ کی خدمت میں جائے گا اور آپ کی گفتگو سنے گا' اگر وہ واقعی صرف اچھی باتیں کرتے ہیں تو وہ انہیں قبول کر لے گا ورنہ ان کے پاس جانا ترک کر دے گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سارا ماجرا سنا کر بولا:

''آپ مجھ سے بھی کچھ ارشاد فرمائیے''۔

آپؐ نے اسے اسلام قبول کرنے کی پیشکش کی جسے اس نے قبول کیا اور آپؐ کے روبرو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ وہ دوس کے دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی تلقین کرے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے اس کی اجازت کے ساتھ اہل دوس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا فرمائی۔

طفیل بن عمرو دوسی نے دوس پہنچ کر پہلے اپنے والدین کو مسلمان کیا اور پھر چند اور لوگوں کو بھی مسلمان کر لیا۔ اس کے بعد وہ دوس سے قریباً ستر آدمی لے کر آپ کی خدمت میں مکے پہنچا اور اس کے تمام ساتھی آپؐ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ جیسا کہ متعدد مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ غزوات بدر' احد' خندق بلکہ غزوۂ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل رہا اور فتح مکہ کے وقت بھی آپؐ کے ساتھ تھا۔

طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک خاص بات کا جس کا ابن اسحٰق کی روایت سمیت متعدد روایات میں ذکر آیا ہے وہ اس کی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت ہے۔ ہوا یوں کہ اس کا ایک ساتھی جو اس کے ہمراہ دوس سے مکے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوا تھا اسی کے ساتھ آپؐ کے حکم سے مکے سے ہجرت کر کے مدینے گیا تھا۔ وہ شخص وہاں کچھ دنوں بعد کسی سخت مرض میں مبتلا ہو گیا جس کی تکلیف سے تنگ آ کر اس نے خود ہی اپنا گلا گھونٹ لیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں جو اس کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ آخری سانس لی تھی اور اکثر مسلمانوں نے اس کی موت کو خود کشی اور اسے جہنمی ٹھہرایا تھا۔ تاہم طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے حق میں خدا سے مغفرت کی دعا کے لیے درخواست کی تھی اور آپؐ نے اس کی درخواست پر اللہ تعالیٰ سے اس شخص کی مغفرت کے لیے جن الفاظ میں دعا فرمائی تھی ان کا مفہوم یہ تھا کہ:

''اے اللہ طفیلؓ کے طفیل جس کے ہاتھوں میں اس شخص کا دم نکلا ہے اس کی مغفرت فرما دے''۔

اس کے بعد آپؐ نے طفیل رضی اللہ عنہ کو اس شخص کی مغفرت کی خوشخبری سنائی اور اس نے خود بھی اس شخص کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں خدا کے فضل و کرم سے خوش و خرم ہے۔

اعشیٰ بن قیس کا قصہ

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے خلاد بن قرہ بن خالد الدوسی وغیرہ نے بیان کیا کہ انہیں بکر بن وائل کی زبانی کچھ اہل علم کے حوالے سے معلوم ہوا کہ جب اعشیٰ بن قیس بن عکابہ بن ثعب بن علی بن بکر بن وائل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا تو اس نے آپ کی مدح میں وہ قصیدہ بھی کہا تھا جو اب تک مشہور چلا آتا ہے۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ جب اعشیٰ مکے میں یا اس کے قریب پہنچا تو کچھ مشرکین قریش نے اس سے وہاں آنے کا مقصد پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس پر وہ لوگ بولے:

''وہ تو زنا کو حرام کہتے ہیں''۔

اعشیٰ نے یہ سن کر کہا:

''میں بھی اسے برا سمجھتا ہوں''۔

پھر وہ بولے:

''وہ شراب کو بھی حرام قرار دیتے ہیں''۔

اس کا جواب اعشیٰ نے یہ دیا کہ وہ بھی اسے اچھا نہیں سمجھتا بلکہ اس سال سے اس نے اسے قطعی طور پر ترک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا لیکن مکے سے لوٹ کر پھر وہاں کبھی واپس نہیں آیا کیونکہ اسی سال اپنے وطن میں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔

یہ قصہ جو ابن ہشام نے بیان کیا ہے اسے محمد بن اسحٰق نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے اور ابن ہشام نے بھی اسے محمد ابن اسحٰق ہی کے حوالے سے لکھا ہے: البتہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ شراب آنحضرت ﷺ کی مکے سے ہجرت کے بعد مدینے میں بنی نضیر کے واقعہ کے سلسلے میں خدا کے حکم سے حرام ہوئی تھی جس کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر عنقریب کریں گے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہے کہ اعشیٰ بعد ہجرت ہی مدینے آ کر مسلمان ہوا تھا جس کا ثبوت اس کے ایک شعر سے ملتا ہے جو اس نے قبول اسلام کے لیے آنے سے کچھ ہی قبل کہا تھا۔ وہ شعر یہ ہے:

''تو پوچھتا ہے ''تجھے موت کب آئے گی؟'' میری دعا ہے (اسلام لانے کے بعد) مجھے مدینے میں موت آئے''۔

اس لیے ابن ہشامؒ کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ اعشیٰ کے قبول اسلام کا قصہ بیان ہجرت کے بعد کرتے۔ واللہ اعلم

بہر حال سہیلی کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابن ہشام سے سہو ہوا ہے اور جن لوگوں نے اعشٰی کے قبول اسلام کا واقعہ قبل ہجرت بیان کیا ہے ان سے بھی نادانستہ غلطی ہوئی ہے کیونکہ شراب ظاہر ہے ہجرت کے ایک سال بعد (خدا کے حکم سے) مدینے میں حرام ہوئی تھی۔

سہیلی کہتے ہیں کہ اگر چہ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اعشٰی کی آمد کا مقصد ابوجہل بن ہشام نے اس سے عتبہ بن ربیعہ کے مکان پر پوچھا تھا اس کی نفی ابوعبیدہ کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ یہ سوال اعشٰی سے عامر بن طفیل نے بنی قیس ہی میں کیا تھا اور یہ سوال آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہی بات خود اعشٰی کے مندرجہ بالا شعر سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق نے اعشٰی کے قبول اسلام کا قصہ ہجرت سے قبل ابوجہل جیسے کٹر کافر و مشرک کی مذمت کرتے ہوئے ضمناً کر دیا ہے اور ہم نے بھی اسی لیے اسے ابن اسحٰق کی طرح بیان ہجرت سے مقدم رکھا ہے۔

رصارعتِ رکانہ کا قصہ

اس نے دیکھا کہ ایک درخت آنحضرت ﷺ کے بلانے پر کیسے آپؐ کے پاس چلا آیا:

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابی اسحٰق بن یسار نے بیان کیا کہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف قریش میں سب سے قوی ہیکل اور طاقت ور سمجھا جاتا تھا۔ ایک روز وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مکے کی کسی پہاڑی گھاٹی میں جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا:

''اے رکانہ! کیا تم خدا کا خوف اور وہ بات قبول نہیں کرو گے جس کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں؟''۔

آپ کی زبان سے یہ سن کر رکانہ بولا:

''میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ آپ کی بات سچ ہے''۔

رکانہ سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''اگر اس کا تمہیں ثبوت مل جائے تو؟ یعنی میں تمہیں پچھاڑ دوں''۔

رکانہ نے کہا:

''ایسا کر کے دکھایئے''۔

آپؐ نے فرمایا:

''اچھا تم میرے قریب آ کر کھڑے ہو''۔

جب وہ آپؐ کے سامنے آیا تو آپؐ نے اسے اٹھا کر زمین پر ایسا پٹخا کہ وہ سانس لینا بھول گیا۔ پھر وہ کھڑا ہو کر بولا:

''ایک بار ایسا کر کے اور دکھایئے''۔

چنانچہ آپؐ نے دوبارہ اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس نے لاکھ زور لگایا مگر اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ آپؐ نے اسے دوبارہ زمین سے اٹھا کر ایسا پٹخا کہ وہ چاروں شانے زمین پر گرا اور آپ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ جب آپؐ نے اسے چھوڑا تو وہ ہانپتا ہوا اٹھ کر بولا:

''یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''کچھ اور دیکھو گے؟''۔ وہ بولا: ''دکھایئے''۔ آپؐ نے اس سے پوچھا:

''کیا تم اس درخت کو جو سامنے نظر آ رہا ہے اپنے پاس بلا سکتے ہو؟''۔

وہ بولا: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ یہ تو صریحاً ناممکن بات ہے''۔

آپؐ نے فرمایا:

''اچھا دیکھو! میں اسے اپنے پاس بلا کر دکھاتا ہوں''۔

یہ کہہ کر آپؐ نے اس درخت کو اشارہ کیا اور وہ خود بخود اپنی جگہ سے چل کر آپؐ کے سامنے آیا اور پہلے کی جگہ زمین پر ایستادہ ہوگیا۔ یہ دیکھ کر رکانہ حیران رہ گیا' آپؐ نے غالباً اس سے فرمایا کہ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس نے بہت سے قریش کو جمع کر کے یہ واقعہ سنایا پھر بولا:

''تم محمد (ﷺ) کو جادوگر کہتے ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ روئے زمین پر کوئی بڑے سے بڑا جادوگر ایسا کرشمہ نہیں دکھا سکتا''۔

جن لوگوں نے یہ واقعہ اور رکانہ کی گفتگو سنی انہوں نے اسے لاکھ بہکانے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے بعد پھر آپ کی خدمت میں آیا اور بولا:

''اے محمد! (ﷺ) آپؐ یقیناً خدا کے رسول ہیں''۔

یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور دین اسلام میں داخل ہوگیا۔

ابن اسحٰق نے رکانہ کا یہ قصہ دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے یہ واقعہ ابوالحسن عسقلانی کی روایت کے طور پر ابوجعفر بن محمد بن رکانہ اور خود رکانہ کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت غریب ہے اور یہ کہ وہ ابوالحسن اور رکانہ سے واقف نہیں ہیں۔

بہرحال امام ابوبکر شافعیؒ نے بڑی جید اسناد کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یزید بن رکانہ نے (اپنی طاقت کے زعم میں) پہلے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بازوؤں میں جکڑا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپؐ اس کی گرفت سے نکل گئے تو وہ آپ کو سو بکریاں دے گا۔ اس طرح اس نے تین بار کہا اور ہر بار سو بکریوں کا اضافہ کرتا چلا گیا لیکن آپؐ تینوں بار اس کی گرفت سے نکل گئے بلکہ اور ہر بار سو بکریوں کا اضافہ کرتا چلا گیا لیکن آپؐ تینوں بار اس کی گرفت سے نکل گئے بلکہ اسے پچھاڑ بھی دیا اور اس نے اس طرح جو تین سو بکریاں اپنی طرف سے بطور شرط آپؐ کو پیش کرنے کے لیے کہا تھا آپؐ نے وہ بھی اُسے معاف فرما دیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر اس نے آپؐ کے خدا کے سچے نبی ہونے کا اقرار کر لیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ اس نے آپؐ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس کو اس سے قبل کشتی میں کوئی زیر کر سکا تھا نہ آپؐ سے قبل اس نے کسی کو آپؐ سے زیادہ طاقتور پایا تھا۔ جہاں تک درخت والے معجزے کا حال ہے تو ہم نے اسے بھی رسول اللہ ﷺ کے دوسرے معجزات کے تحت بطور دلائل نبوت جیسا کہ جدید تاریخ نویسی کا دستور ہے قلمبند کیا ہے جسے حسب موقع آپ آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے۔ ویسے ابن اسحٰق نے حبشے کے نصرانیوں کی مکے میں آمد اور ان کے اسلام لانے کا ذکر بھی قصہ نجاشی سے پہلے کیا ہے حالانکہ اس ذکر کو مؤخر رکھنا چاہیے تھا کیونکہ مکے میں حبشہ کے نصرانیوں کی آمد اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ بعثت کے قریباً دسویں سال پیش آیا تھا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نماز کی جگہ تشریف فرما تھے اور آپ کے گرد و پیش آپ کے مظلوم

اَحباب جناب عمار ابوفکیہ صفوان بن امیہ کا غلام یسار صہیب اور انہی جیسے کچھ دوسرے مسلمان بیٹھے ہوئے تھے تو ادھر سے کچھ مشرکین قریش گزرے اور آپس میں بطور تضحیک کہنے لگے۔

''انہیں دیکھو! یہ (نعوذ باللہ) اس کے ساتھی ہیں اور یہ (ثم نعوذ باللہ) اسے خدا کا نبی سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کی رحمت کا حق دار سمجھتے ہیں حالانکہ اس کی رحمت کے حق دار تو ہم جیسے بڑے لوگ ہوتے ہیں نہ کہ ان جیسے غریب و مسکین۔''

یہ کہہ کر وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ چونکہ مسلمانوں کو قریش کی طرف سے ان کی اس تضحیک سے دکھ ہوا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر اسی وقت مندرجہ ذیل آیت شریفہ نازل فرمائی:

﴿ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ...... الخ ﴾

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا گزر ولید بن مغیرہ' اُمیہ بن خلف اور ابوجہل ابن ہشام کی طرف سے ہوتا تو وہ آپ کا مذاق اُڑاتے تھے۔ ظاہر ہے اس سے آپ کو صدمہ ہوتا ہوگا۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ قرآنی آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ .... الخ ﴾

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دو آیات بھی نازل فرمائیں:

① ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا .... الخ ﴾

② ﴿ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ﴾

سفیان جعفر بن ایاس' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ استہزا کرنے والے لوگ ولید بن مغیرہ' اسود بن عبد یغوث زہری اسود بن مطلب ابوزمعہ' حارث بن عیطل اور عاص بن وائل سہمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے شکایت کی تو انہوں نے ان میں اوّل الذکر دوں کا گردن دبا کر قلع قمع کیا تو انہوں نے آپؐ سے دست کش ہونے کا اقرار کیا' اسود بن یغوث کا سر دبایا تو اس نے بھی یہی اقرار کیا۔ اس کے سر میں مستقل زخم (قرح) بھی ہوگیا تھا۔ حارث بن عیطل کا پیٹ دبایا گیا تو اس نے بھی یہی اقرار کیا۔ عاص بن وائل اتنا متورم ہوا اور اس کے پھنسیاں پیدا ہوکر ان میں اتنی سوزش بڑھی کہ اسے بھی اپنی حرکت سے باز آنا پڑا۔ جبریل علیہ السلام نے ولید کی جب کہ وہ بنی خزاعہ کے کسی شخص کے ساتھ جارہا تھا گردن پر وار کیا۔ اسود بن مطلب اندھا ہوگیا تھا۔ جب ان لوگوں سے ان باتوں کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی سزاؤں کے اسباب سے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا نہ وہ یہ بتا سکے کہ ان کا پیٹ یا سر کس نے دبایا تھا۔ حارث بن عیطل کے پیٹ میں پانی جمع ہوکر اسے مرض استسقاء ہوگیا جس سے وہ فوت ہوگیا اس کے پیٹ کا پانی مستقل طور پر اس کے منہ سے خارج ہوتا رہتا تھا۔ عاص بن وائل کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے سر میں شبرقہ داخل ہوگیا تھا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر کی زبانی بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مذاق کرنے اور آپ پر طنز کرنے میں مذکورہ بالا پانچ اشخاص پیش پیش اور وہی سب سے زیادہ معزز اور شریف سمجھے جاتے تھے اور انہی کا یہ انجام ہوا اور انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ .... الخ ﴾

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قریش میں ایسی پھوٹ پڑی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے قتل تک پر آمادہ ہو گئے بلکہ اس وجہ سے کچھ قتل بھی ہو گئے تھے جس سے انہیں ان کے بزرگوں نے جنگِ بدر میں ان کے باہمی اتفاق واتحاد کا حوالہ دے کر روکا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں کچھ اہل علم نے بتایا کہ جب خالد بن ولید اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ہمراہ طائف گئے تھے تو انہوں نے اہل طائف سے دریافت کیا تھا کہ آیا ان کے والد ان سے سود لیا کرتے تھے؟ ابن اسحٰق اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ سود کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت تب ہی نازل ہوئی تھی:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَابَقِىَ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب تک اسلام قبائل عرب میں پھیل کر مستحکم نہ ہو گیا انہیں ایک واقعہ کے سوا ابی ازیہر کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگ دوس گئے تھے اور دوس کی ایک عورت کے پاس جو دوس ہی کی کنیز اور ام غیلان کے نام سے مشہور تھی قیام کیا تھا۔ یہ عورت مشاطہ تھی اور دوس کی خواتین کا بناؤ سنگھار کیا کرتی تھی۔ دوس نے چاہا کہ قریش کے ان لوگوں کو ابی ازیہر سمیت قتل کر دے تو ام غیلان ہی کچھ دوسری خواتین کے ساتھ مل کر ان اہل قریش کے آڑے آئی تھی اور دوس کو ان کے قتل سے باز رکھا تھا۔ سہیلی کہتے ہیں کہ اس نے ابی ازیہر کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا تھا۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ام غیلان ان کے سامنے آئی تھی اور اس وقت وہ مسلمان ہو چکی تھی۔ اسی وقت اسے معلوم ہوا تھا کہ ضرار بن خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے جنہیں اس نے دوسرے قریش کے ساتھ دوس کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ام غیلان کو کچھ تحائف دیتے ہوئے اس سے کہا تھا:

''میں تمہیں اسلام سے قبل جانتا تک نہیں تھا اور یہ تحائف تمہیں بنت سبیل کی حیثیت سے دے رہا ہوں''۔

ابن ہشام مزید بیان کرتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ضرار بن خطاب نے ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''آپ جنگِ احد کے روز کئی بار میری زد پر آئے تھے اور میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا لیکن میں نے اپنا بھائی ہونے کی وجہ سے آپ کو قتل نہیں کیا''۔

اس کا جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیا:

''اگر تم اس روز میری زد پر آ جاتے تو میں تمہیں قتل کیے بغیر کبھی نہ چھوڑتا''۔

بیہقی قبل ہجرت کے دوسرے واقعات قلمبند کرنے کے بعد اس جگہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش کے مذکورہ بالا سات ممتاز افراد نے رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ اسلام سے روکنے اور آپ کو طرح طرح سے ایذا رسانی میں حد کر دی تو مجبور ہو کر آپؐ نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ سات اشخاص حضرت یوسف علیہ السلام کے سات بھائیوں کی طرح آپؐ کے قتل کرنے کے درپے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جو سزا دی اس کا حال اس سے پہلے کی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

بیہقی نے یہ روایت اعمش کی طرح صحیحین سے مسلم بن صبیح' مسروق اور ابن مسعود کے حوالے سے اخذ کی ہے اور بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بد دعا کا مذکورہ بالا اشخاص کے حق میں یہ واقعہ غزوہ بدر سے قبل جسے لزام[1] کہا جاتا ہے بلکہ آپ کے معجزات متعلقہ زوم' دخان' بطشہ اور شق القمر سے بھی پہلے کا ہے۔ جہاں تک آپؐ کے معجزہ دخان کا تعلق ہے اس کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مشرکین قریش کے حق میں مجبوراً بد دعا کی تو مذکورہ بالا سات اشخاص کے علاوہ جن کے انجام کے بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے عام کفار قریش بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے۔ معجزۂ بطش کا مطلب عام قریش کا عذاب الٰہی کی گرفت میں آنا ہے۔ عذاب الٰہی کی یہ گرفت اتنی سخت تھی کہ کفار قریش بھوک کے مرض میں اس حد تک مبتلا ہوئے کہ وہ مردہ جانوروں اور ان کی ہڈیاں تک کھانے لگے لیکن ان کی بھوک کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ قحط کا یہ عالم ہوا کہ درخت سوکھ گئے' گھاس کا کسی طرف نام ونشان نہ رہا' بارش ہونا قطعی طور پر بند ہو گئی اور جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا دوسری طرف کفار کی بھوک اتنی بڑھی کہ وہ مردہ جانور تک ہڑپ کرنے لگے لیکن پھر انہیں بھوک کی شکایت رہتی تھی۔ زمین پر آسمان سے ایک بوند تک نہیں ٹپکتی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کے معجزۂ دخان کا یہ اثر تھا کہ زمین وآسمان کے درمیان دھوئیں کی ایک دبیز چادر تنی رہتی تھی جس کے درمیان سے زمین پر ایسی تپش ہوتی تھی کہ کفار اس سے بھنے جاتے تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے متبعین پر اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر رحمت سایہ فگن رہتا تھا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس عذاب الٰہی سے عاجز آ کر مشرکین قریش میں سے کچھ لوگ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے بڑی عاجزی کے ساتھ عرض کیا:

''آپؐ کے اپنے بقول آپؐ تو خدا کی طرف سے ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں۔ پھر ہم لوگوں پر آپ کی طرف سے اس سخت عذاب کا کیا مطلب ہے جس کی وجہ سے ہم موت کے قریب جا پہنچے ہیں''۔

بیہقی کہتے ہیں کہ بخاری نے یہ روایت عبدالرزاق کی زبانی معمر' ایوب' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کی ہے اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ مذکورہ بالا عذاب اور بھوک سے قریش کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ خشک سالی کی وجہ سے ان تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے اور اس کا یہ بیان سن کر رحمتِ

---

[1] نہایہ میں بھی لزام کو یوم بدر بتایا گیا ہے۔ (مؤلف)

عالم ﷺ کا ابر کرم جوش میں آیا اور آپ ؐ نے اپنے ان حد سے زیادہ ظالم دشمنوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تب کہیں جا کر ان پر سے یہ عذاب ختم ہوا۔ مشرکین قریش پر اس عذاب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴾

حافظ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان کی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں قبل ہجرت حاضری کی روایت کی کوئی مستند دلیل نہیں ملتی۔ تاہم ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ دوبار پیش آیا ہو۔ واللہ اعلم

بیہقی نے گزشتہ فصل میں مذکورہ واقعات کے بعد قصائص فارس وروم اور مندرجہ ذیل آیت قرآنی کا ذکر کیا ہے:

﴿ آلم غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ .... الخ ﴾

پھر بیہقی نے سفیان ثوریؒ کے طریقے پر حبیب بن ابی عمرؓ سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی خواہش یہ تھی کہ اہل روم لڑائی میں اہل فارس پر غالب رہیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے جب کہ مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ اہل فارس اہل روم پر غالب آجائیں کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح مشرک تھے۔ اس کا ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ؐ نے اہل فارس پر رومیوں کے غالب آنے کی پیش گوئی فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشرکین مکہ نے اس بات پر شرط باندھ رکھی تھی کہ اہل فارس رومیوں پر غالب رہیں گے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مشرکین کے مابین پانچ سال کے لیے تھی۔ لیکن آپ ؐ نے اس مدت کو دس سال تک بڑھایا تھا۔ جب اہل روم کی اہل فارس پر فتح کی خبر عرب پہنچی تو وہ یوم بدر تھا یا یوم حدیبیہ تھا۔ واللہ اعلم

بیہقی ولید بن مسلم کی روایت اسید کلابی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخر الذکر نے علا بن زبیر کلابی کی زبانی اس کے باپ کی بیان کردہ یہ بات سنی تھی یعنی اس کے باپ نے اس سے کہا تھا کہ اس نے کبھی فارس کو روم پر غالب آتے اور کبھی روم کو فارس پر غالب آتے اور پھر مسلمانوں کی روم وفارس اور شام وعراق کی تسخیر سب کچھ پندرہ سال کے اندر اندر اپنے زمانے میں دیکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا شب معراج مکے سے بحکم خداوندی بیت المقدس تشریف لے جانا

ابن عساکر نے احادیث اسراء کا ذکر اوائل بعثت کے اذکار کے ساتھ کیا ہے لیکن ابن اسحٰق نے اس ذکر کو بعثت نبوی کے دسویں سال کے اذکار میں شامل کیا ہے۔ بیہقی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی معراج کا ذکر موسیٰ بن عقبہ کی طرح زہری کے حوالے سے آپ کی بعثت کے اس سال کے واقعات کے ساتھ کیا جس سال آپ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی تھی۔ بیہقی کی بعثت کے دسویں سال کے واقعات کے ساتھ یہ روایت ابن لہیعہ کی ان روایات سے مطابقت رکھتی ہے جو اس نے ابی اسود کے حوالے سے بعثت نبوی کے دسویں سال ہی کے واقعات کے سلسلے میں پیش کی ہیں۔

حاکم اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس بن بکیر' انبساط بن نصر اور اسماعیل اسدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر خدا کی طرف سے خمس کی فرضیت کا حکم اسی سال آیا تھا جب آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم سے معراج کی رات مکے سے بیت المقدس تشریف لے گئے تھے اور یہ آپ کی بعثت کے بعد ہجرت سے قبل دسویں سال کا واقعہ ہے۔ اسدی کے بقول معراج کا واقعہ ذیقعدہ کے مہینے میں پیش آیا تھا جب کہ زہری وعروہ کے بقول یہ واقعہ ماہ ربیع الاوّل کا ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ان سے عثمان نے سعید ابن مینا' جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سن فیل میں ماہ ربیع الاوّل کے دوسرے دوشنبہ کو ہوئی تھی اسی مہینے اور اسی روز یعنی دوشنبہ کے دن آپ کی بعثت ہوئی' اسی سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا گیا' اسی روز آپؐ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی اور وہی روز یعنی دوشنبہ اور وہی مہینہ ربیع الاوّل آپ کی وفات کا دن ہے اور اس روز سے دنیا میں انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ ختم ہوا۔ حافظ عبدالغنی بن سرور المقدسی نے بھی اپنی کتاب سیرت میں اسی روایت پر انحصار کیا ہے لیکن اسی نے آگے چل کر جو حدیث بغیر کسی سند کے روایت کی اس میں ماہِ رجب کے فضائل بیان کرتے ہوئے واقعہ معراج کی تاریخ بھی اسی مہینے کی سترہ تاریخ بتائی ہے۔ واللہ اعلم

کچھ لوگ واقعہ معراج کو ماہ رجب کے پہلے روز جمعہ سے منسوب کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ ''لیلۃ الرغائب'' اور ایک مشہور نماز کا ذکر کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

جو لوگ واقعہ معراج کو ماہ رجب کی پہلی شب جمعہ سے منسوب کرتے ہیں وہ اپنے اس بیان کی بنیاد رکا کہ کے اس شعر کو بناتے ہیں جو کہتا ہے۔

لیلۃ الجمعۃ عُرّجُ بالنبی لیلۃ الجمعۃ اوّل رجب

ترجمہ: ''شب جمعہ نبی ﷺ کی معراج کی رات ہے۔ وہ رات ماہ رجب کی اوّل شب جمعہ ہے''۔

ہم نے ان جملہ اقوال و روایات کو واقعہ معراج کے سلسلے میں بطور اسناد پیش کرنے کے بجائے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت قرآنی پیش کرتے ہوئے جو قوی اسناد پیش کی وہ بھی سطور ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ .... الخ ﴾

اب جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا اس آیت قرآنی کے سلسلے میں اہل علم کی کچھ روایات اور ان کے بیانات پیش کرتے ہیں۔

ابن اسحٰق کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے جو از منہ قدیم سے بیت المقدس کہلاتی ہے اور اسی زمانے میں اسلام نہ صرف قریش مکہ بلکہ دوسرے قبائل میں بھی پھیلتا چلا گیا۔ ابن اسحٰق حدیث معراج کی روایت پیش کرتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث ان تک یکے بعد دیگرے ابن مسعودؓ ابی سعیدؓ عائشہؓ معاویہؓ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہم اور حسن بن ابی حسنؒ ابن شہاب زہریؒ قتادہ وغیرہ نیز کئی دوسرے اہل علم کے ذریعہ پہنچی ہے اس کے علاوہ وہ آیت اسریٰ کی صداقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات پر قدرت حاصل ہے وہ چاہے تو ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا ہے۔ اس لیے صداقت معراج میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا روایت پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ انہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں جو معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام سے براق پر سوار ہوئے تھے' یہ چوپائے کی طرح ایک سواری کا جانور بتایا گیا ہے جس کے سم لمبائی میں اس کی جسامت کے برابر ہوتے ہیں اور اس جانور پر آنحضرت ﷺ سے قبل اور انبیاء علیہم السلام بھی سوار ہو چکے تھے۔ مسجد حرام سے رسول اللہ ﷺ براق پر سوار ہو کر زمین و آسمان کے درمیان بہت سے مقامات اور عجائب و غرائب ملاحظہ فرماتے ہوئے بیت المقدس پہنچے جہاں آپؐ نے حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور ان سب نے مل کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ کو تین برتن پیش کیے گئے جن میں سے ایک میں دودھ' دوسرے میں شراب اور تیسرے برتن میں پانی تھا۔ آپؐ نے ان برتنوں میں سے صرف دودھ کا برتن لے کر وہی پیا۔ اس کے بعد جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے' حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے عرض کیا کہ:

''آپؐ اور آپ کی امت ہدایت یافتہ ہو گئی ہے''۔

اس کے بعد ابن اسحٰق اس سلسلے میں حضرت حسن بصریؒ کی مرسل روایت کے بعد کہتے ہیں کہ اس روایت کے علاوہ جہاں تک مذکورہ بالا مختلف ذرائع سے ان کی معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ساتھ لے کر پہلے مسجد حرام کے دروازے پر گئے اور وہاں سے آپ کو براق پر سوار کرا دیا۔ آپؐ نے اس کی ہیئت دیکھ کر فرمایا کہ اے براق! شاید اس سے قبل کوئی انسان اس ہیئت کے چوپائے پر سوار نہ ہوا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے اس عزت سے سرفراز فرمایا۔ بہرکیف مسجد حرام کے دروازے سے جبریل علیہ السلام آپ کو براق پر سوار کرا کے بیت المقدس لے گئے

اور وہاں جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا آپؐ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور دودھ کے برتن سے دودھ نوش فرمایا اور شراب پینے سے انکار کر دیا۔ روایت مذکورہ کے مطابق آپؐ سے جبریل علیہ السلام نے یہ کہنے کے بعد کہ آپؐ اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ فرمایا یہ بھی کہا کہ آپؐ پر اور آپ کی امت پر شراب حرام کی گئی۔ اس کے بعد آپؐ (بعد معراج) بیت المقدس ہی کے راستے سے مکے واپس تشریف لائے اور جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپؐ پر (نعوذ باللہ) کذب کا بہتان رکھا بلکہ بعض لوگ تو اس خبر سے اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے۔

جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپؐ کے مکے سے بیت المقدس تک سفر کا تعلق ہے تو اس سے قبل ان سے آپؐ نے خود ہی اس کے جملہ کوائف بیان کر دیئے تھے یعنی اس لمحاتی سفر میں جن دور دراز بستیوں پر سے آپ کا گزر ہوا وہاں بسنے والے قبائل سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے اور فلاں فلاں قبیلے کے اونٹوں کا رنگ کیسا تھا؟ راستے میں کون کون سی وادیاں' میدان یا پہاڑی علاقے آئے' آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ شام کے راستے سے بیت المقدس پہنچے تھے۔ اس کے علاوہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے اس کا ایسا نقشہ الفاظ میں کھینچ کر بتایا جیسے آپ اس وقت بھی اسے اپنی نگاہوں کے سامنے پا رہے ہوں اور ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے اس سفر کی کیفیات آپ کی زبان مبارک سے سن کر ان کی حرف بہ حرف تصدیق کی تو اسی روز سے ان کے نام میں لفظ صدیق کا اضافہ ہو گیا۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ اسی سلسلے میں درج ذیل آیت قرآنی نازل ہوئی:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں اس سلسلے میں ام ہانی سے جو معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ اس شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ان کے ساتھ تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے اس رات آخر شب تک عشاء وغیرہ کی نماز آپؐ کے ساتھ ادا کی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ دیر کے لیے آپ کو نہیں دیکھا لیکن جب صبح ہوئی تو اس وقت کی نماز بھی انہوں نے آپؐ کے ساتھ ہی ادا کی تھی۔ تاہم آپؐ نے ان سے فرمایا تھا:

''اے ام ہانی! میں نے عشاء وغیرہ کی نماز تو آخر وقت تک تمہارے ساتھ پڑھی تھی لیکن اس کے بعد جو نماز میں نے پڑھی وہ بیت المقدس میں پڑھی اور اب میں صبح کی نماز جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو پھر تمہارے ساتھ پڑھ رہا ہوں''۔

ام ہانی کہتی ہیں کہ آپؐ سے یہ سن کر میں نے آپ کی چادر کا کونہ پکڑا اور آپؐ سے عرض کیا:

''یہ بات آپؐ دوسرے لوگوں کو نہ بتائے گا ورنہ وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو اذیت دیں گے''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''یہ بات تو بخدا انہیں بتانا ہی پڑے گی''۔

چنانچہ جب آپؐ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے واقعتہً آپ کی تکذیب کی اگرچہ آپؐ نے اپنے مکے سے

بیت المقدس تک سفر کی تمام نشانیاں انہیں بتا ئیں۔ (روایت ام ہانی)

یونس بن بکیر اسباط اور اسماعیل اسدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس روز طلوعِ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس وقت تک روکے رکھا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے مکے واپس تشریف نہیں لے آئے۔ بیہقی نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ طلوع آفتاب کے رُکے رہنے کا یہ واقعہ خدا کی قدرت سے نوع انسانی میں صرف دو افراد کو پیش آیا ان میں سے ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے یوشع بن نون ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں مذکورہ بالا روایات کے علاوہ جو کچھ ابن سعید کے حوالے سے معلوم ہوا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو کچھ مجھے بیت المقدس میں پیش آیا اس سے فراغت کے بعد جبریل مجھے بلندی کی طرف لے گئے اور وہاں جو کچھ میں نے دیکھا اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں مجھے تم لوگوں کی موت کے اوقات معلوم ہوئے' اس کے بعد میں اپنے ساتھی کے ہمراہ آسمان کے اس دروازے پر پہنچا جسے باب حفظہ کہا جاتا ہے اور جہاں اسماعیل فرشتے کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ ہزار فرشتے تعینات ہیں جن میں سے ہر فرشتے کے ماتحت الگ الگ بارہ بارہ ہزار فرشتے متعین کیے گئے ہیں''۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''آسمان پر فرشتوں کی مجموعی تعداد کا علم مجھے نہیں ہے''۔

اس کے علاوہ شبِ معراج کے واقعات کے بارے میں جو کچھ آپؐ نے ارشاد فرمایا اسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں آیہ معراج کی تفسیر کرتے ہوئے یہ تمام وکمال اسناد کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی عرض کر دیا ہے کہ یہ عجیب وغریب احادیث بلحاظ اسناد ضعیف ہیں البتہ ام ہانی کی بیان کردہ حدیث کے آخری بیانات میں ان سب باتوں کا ذکر موجود ہے اور صحیحین کی روایت سے بھی ان کا ثبوت ملتا ہے جو وہاں شریک بن ابی نمر اور انس کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔ بہرکیف یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ واقعات آپ کو دو بار پیش آئے یعنی اوّل یا نزول وحی سے قبل عالم رویاء میں اور اس وقت آپؐ نے فرشتوں کی قلیل تعداد کو بھی جنود خیال فرمایا ہوگا اور انہی کو فرشتوں کی کل تعداد سمجھا ہوگا اور دوسری بار شبِ معراج میں۔ تاہم ان دونوں مواقع پر آپ کی شرح صدر کی گئی تھی لیکن شب معراج کے واقعات یقیناً نزولِ وحی کے بعد پیش آئے اور ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خود بعثت نبوی کے دسویں سال پیش آیا تھا نیز یہ کہ معراج سے قبل آپ کی شرح صدر دوسری یا تیسری بار کی گئی تھی کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بقول آپ کو ملاء اعلیٰ میں لے جانے اور حضور خداوندی سے قبل یہ ضروری تھا۔ جہاں تک آپؐ کے مکے سے بیت المقدس تک براق پر سواری کا تعلق ہے وہ تعظیماً وتکریماً تھا۔ بیت المقدس میں آپؐ کے مسجد اقصیٰ میں داخلے اور وہاں انبیاء کے ساتھ نماز کی ادائیگی کو بعض راویوں نے مستند نہیں مانا ہے تاہم اس روایت کو ہم نے پہلے دو اقوال کے تحت پیش کرنا مناسب سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپؐ نے انبیاء کے ساتھ جو نماز ادا فرمائی تھی اور شراب پانی اور دودھ کے برتنوں میں سے صرف دودھ

کا برتن لے کر اس میں سے دودھ نوش فرمایا تھا۔ یہ دونوں واقعات بھی آسمان پر پیش آئے تھے لیکن آپ کے ارشاد گرامی کے بارے میں جو مستند روایت ہے اس سے ثابت ہے کہ یہ دونوں واقعات آپ کو بیت المقدس ہی میں پیش آئے تھے کیونکہ آپ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ بیت المقدس کے واقعات سے فراغت کے بعد آپؐ نے آسمان کی طرف سفر کا آغاز فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ ان دو واقعات کے علاوہ کسی دوسرے واقعہ کا کسی روایت میں ذکر نہیں ہے بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف براق پر سوار ہو کر آپؐ کے سفر کا ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ براق مسجد اقصیٰ کے دروازے پر آپؐ کے وہاں سے مکے کی طرف واپسی کے لیے ٹھہرا رہا ہوگا۔ اس لیے بیت المقدس سے آسمان کی بلندیوں کی طرف براق پر آپؐ کے مزید سفر کی روایات قابل تسلیم نہیں ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ سفر براق پر ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔

بہر کیف مستند روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ کے مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے سفر میں آپؐ نے ساتوں آسمان طے فرما لیے تھے جہاں آپ نے اکابر ملائکہ کے علاوہ انبیاء سے بھی ملاقات کی تھی' پہلے آسمان پر یعنی آسمان دنیا پر آپؐ نے' جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کو دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر حضرت ادریس کو' چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ کو اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تھا[1] جس کے بعد آپؐ بیت معمور کی جانب تشریف لے گئے تھے اور اس کے دروازے سے ہر روز ستر ہزار فرشتے اندر داخل ہو کر نماز ادا کرتے اور طواف کرتے ہیں لیکن یہ فرشتے اب قیامت تک وہاں سے واپس نہیں آئیں گے۔ بیت المعمور سے آپ مقام مستوی پہنچے جہاں قلموں کی آوازیں (صریف یا صریر) سنائی دیں۔ پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے۔ یہ وہ درخت ہے جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں اور اس کے پھل چھوٹے اونٹ کے برابر ہوتے ہیں۔ اس کا تنہ ظاہر ہے سب سے بڑا اور مختلف رنگوں کا ہے جس میں بہت سی شاخیں ہیں جن پر چڑیوں کی طرح فرشتے کثیر تعداد میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس درخت کے نیچے سونے کا فرش ہے اور اس کی جڑ نور باری تعالیٰ سے مزین ہے۔ یہیں آپؐ نے جبریل کی اصل ہیئت کذائی ملاحظہ فرمائی جن کے چھ سو پر ہیں اور ان کے پروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جس میں زمین و آسمان کا درمیانی خلاء سما جائے۔ آپؐ کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کے بارے میں یہ آیت قرآنی نازل ہوئی:

﴿ وَ لَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى .... الخ ﴾

زاغ البصر سے مراد یہ ہے کہ اس مقام سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب یا بلندی پر کچھ نظر نہیں آسکتا کیونکہ یہاں نظر کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مقام ادب و تکریم ہے' یہی جبریل علیہ السلام کے رویائے ثانیہ کا مقام ہے جس صورت پر انہیں اللہ تعالیٰ نے

---

[1] روایت ''اصلین'' میں تیسرے اور پانچویں آسمان کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے تیسرے اور پانچویں آسمان پر بالترتیب حضرت یوسف اور حضرت ہارون علیہما السلام کو دیکھا تھا۔

تخلیق فرمایا اس حدیث کو ابن مسعودؓ ابو ہریرہؓ ابوذرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ　الخ﴾

اسی مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ یہاں حضور باری تعالیٰ میں ان کی رسائی کی حد ختم ہو جاتی تھی[1] اور یہیں آپؐ کے اور ذات باری تعالیٰ کے مابین فاصلہ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کمان کے چلوں یا اس سے بھی کمتر باقی رہ گیا تھا۔ اسی کی تفسیر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں پائی جاتی ہے۔ حدیث اسراء کے سلسلے میں شریک نے مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں قاب قوسین کے بعد اوادنیٰ کی جو تفسیر کی ہے وہ راوی کی فہم کی حد تک ہے۔ واللہ اعلم

اگر یہ بات نہ ہوتی تو دوسری تفاسیر میں اس کے متعلق ''جو آخری شے ہو سکتی ہے''۔ نہ کہا جاتا کیونکہ اس آیت قرآنی میں ''اوادنیٰ'' کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

شب معراج ہی میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر شب و روز میں پہلے پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپؐ سے کہا کہ اس میں تخفیف تو آپ کی گزارش پر اللہ جل شانہ نے اسے کم کرتے کرتے صرف پانچ وقت کی کر دیا لیکن اس وقت پنج وقتی نماز کا ثواب بھی اپنے فضل و کرم سے پچاس وقت کی نمازوں کے برابر ٹھہرا دیا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے نیز جملہ ائمہ عصر اس پر متفق ہیں۔

آیت اسریٰ اور اس سے متعلق احادیث کے بارے میں مفسرین محدثین اور دیگر علماء مؤرخین میں باہم اختلاف ہیں بعض کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج بعالم رویاء یا روحانی ہے اور بعض اسے معراج جسدی و روحانی دونوں بتاتے ہیں۔ جو اسے عالم رویاء میں کہتے ہیں وہ اسے دو بار بتاتے ہیں یعنی ایک بار قبل نزول وحی اور دوسری بار بعد از نزول وحی۔

جو آپ کی معراج کو عینی مشاہدہ تسلیم کرتے ہیں ان میں ابن جریر اور علمائے متاخرین شامل ہیں نیز وہ لوگ جو اس بارے میں آیت قرآنی پر انحصار کرے اسے عینی مشاہدات سے تعبیر کرتے ہیں ان میں پیش پیش شیخ ابوالحسن اشعری ہیں جن کی پیروی سہیلی نے کی ہے اور شیخ ابوزکریا نووی نے بھی اسی کو مانا ہے اور اپنی کتاب فتاویہ میں بھی بیان کیا ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی زبانی اس بارے میں اس کے علاوہ کوئی حدیث نبوی پیش نہیں کی گئی ہے کہ ایک روز واقعہ معراج کے بارے میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' تو آپؐ نے فرمایا: ''میرے نور نے اسے دیکھا''۔ پھر ارشاد فرمایا: ''میں نے اس کی تجلی دیکھی''۔

---

[1] اسی مقام کے بارے میں شیخ سعدیؒ نے جبریل علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے:

کہ اگر یک سرموئے برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی اگر میں یہاں سے سر موئے [illegible] جاؤں گا تو فروغ تجلی ذات باری سے میرے پر جل جائیں گے۔ (مترجم)

جن لوگوں کے نزدیک واقعہ معراج سے مراد عینی مشاہدہ نہیں ہے وہ اس کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ فانی آنکھوں کے ذریعہ ذات باقی کی رویت ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی ارشاد فرمایا تھا جس کا تذکرہ متعدد کتب الٰہیات میں موجود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعتہً زندگی بھر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکے جو اس سلسلے میں آیت قرآنی سے ثابت ہے۔[1] اسی وجہ سے علمائے متقدمین و متاخرین میں اس مسئلے کے بارے میں مختلف آراء پیش کی جاتی رہی ہیں۔

بہرکیف جب رسول اللہ ﷺ مکے سے بیت المقدس پہنچے تو جیسا کہ متعدد مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے وہاں موجود تھے اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور ظاہر ہے کہ یہ واقعہ روایات قدیم کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں تھا اور جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے جبرئیل علیہ السلام نے دیگر انبیاء سے آپ کا تعارف کرایا تو انہوں نے یکے بعد دیگرے فرداً فرداً آپ کو سلام کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ آپ کی سیر سماوات کے بعد پیش آیا ہوتا جیسا کہ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے تو اس کی دوبارہ ضرورت کیوں پیش آتی یعنی جبریل علیہ السلام دیگر انبیاء سے آپ کا تعارف دوبارہ کیوں کراتے؟ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے بیت المقدس پہنچنے پر انبیاء سے پہلے آپ کا تعارف کرایا گیا اور اس کے بعد انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ البتہ کچھ لوگ جن میں امام اعظم (ابوحنیفہؒ) بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ انبیاء نے نماز فجر آپ کی اقتداء میں اس وقت ادا کی ہوگی جب آپؐ سیر سماوات سے بیت المقدس واپس تشریف لے آئے ہوں گے کیونکہ نمازِ فجر کے بعد ہی آپؐ براق پر سوار ہو کر واپس مکے تشریف لائے تھے جب صبح ہو گئی تھی''۔ یہ بات واقعی بڑی مدلل اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

بہرکیف رسول اللہ ﷺ نے بعالم معراج سیر سماوات کے دوران اللہ تعالیٰ کو جو نشانیاں اور وہاں کے جو عجائب غرائب ملاحظہ فرمائے اور جن کا ذکر مختلف احادیث نبوی میں آیا ہے جب صبح کے وقت آپؐ نے ان کا تذکرہ لوگوں سے کرنا چاہا تو پہلے یہی خیال فرمایا کہ انہیں سن کر کم سے کم مشرکین قریش آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کا یہ خیال بعد میں درست نکلا۔ ہوا یوں کہ اسی صبح کو مسجد کعبہ میں آپؐ چند دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تشریف فرما تھے تو اتفاقاً ابوجہل بھی وہاں آ نکلا آپؐ سے (طنزاً) بولا: ''کہیے کوئی اور خبر ہے؟''۔ جب آپؐ نے اس کا اثبات میں جواب دیا تو اس نے پوچھا: ''فرمایئے کیا خبر ہے؟'' جب آپؐ نے

---

[1] اس سلسلے میں صوفیائے کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ذات باری کا عینی مشاہدہ فرمایا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ آپ کی مدح میں کہتے ہیں:

''موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی''۔

یعنی حضرت موسیٰ خدا تعالیٰ کا ایک جلوۂ صفات دیکھ کر ہوش کھو بیٹھے جب کہ آپؐ نے ذات خداوندی کا عینی مشاہدہ فرمایا اور تبسم فرماتے رہے۔ (مترجم)

اسے شب گذشتہ مکے سے بیت المقدس تشریف لے جانے کی خبر سنائی تو اسے سن کر اس نے آپؐ سے دریافت کیا: ''کیا آپ یہ خبر اپنی قوم کو بھی سنا سکتے ہیں؟''۔ آپؐ نے فرمایا: ''یقیناً'' آپؐ سے یہ سن کر وہ وہاں سے فوراً واپس گیا اور بہت سے مشرکین قریش کو جمع کر کے وہاں لے آیا اور آپؐ سے بولا:

''اب وہ خبر جو آپؐ نے مجھے ابھی سنائی تھی انہیں بھی سنایئے''۔

چنانچہ آپؐ نے ابوجہل کے ساتھیوں کو بھی شب گذشتہ اپنے مکے سے بیت المقدس تشریف لے جانے کی خبر سنا دی اور شدہ شدہ یہ خبر سارے مکے میں پھیل گئی جسے سن کر کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے تو آپؐ نے بالکل سچ فرمایا ہے''۔

اس کے بعد بھی مشرکین قریش نے آپؐ کے گرد جمع ہو کر آپ کی زبان سے معراج کی خبر سننے پر اصرار کیا اور کچھ لوگوں نے آپؐ سے بیت المقدس کا زبانی نقشہ بھی آپؐ سے پیش کرنے کے لیے کہا جسے آپؐ نے ہو بہو پیش کر دیا۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ بیت المقدس کا پورا نقشہ زبانی پیش کرنے میں جہاں جہاں آپ کو معمولی سے التباس کا بھی خیال آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے وہ سب کچھ آپ کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اور جب آپؐ نے وہی ان لوگوں کو سنایا تو انہیں لامحالہ قائل ہونا پڑا کیونکہ جو کچھ آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ ان کی معلومات کے عین مطابق تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے بیت المقدس تشریف لے جانے کے بارے میں آیت قرآنی ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی ...... الخ﴾ کے نزول کے بعد جو آیت ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْ اَرَیْنَاکَ اِلَّا فِتْنَةً﴾ نازل ہوئی وہ یقیناً لوگوں کے اس امتحان کے لیے تھی کہ دیکھا جائے کہ کون کون آپؐ کے واقعہ معراج پر یقین کرتا اور کون نہیں کرتا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسدی (جسمانی) معراج کے بارے میں سبھی اسلاف و اخلاف اس لیے متفق ہیں کہ اس کے بارے میں آیت قرآنی ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ..... الخ﴾ میں لفظ ''بعبدہٖ'' ارشاد فرما کر خود اللہ تعالیٰ نے اس کی یعنی آپ کی معراج جسمانی کی حقیقت بیان فرما دی ہے۔ اس کے علاوہ یہ صریحی بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اگر صرف عالم رویاء میں یا روحانی طور پر آپ کو معراج حاصل ہوئی ہوتی تو مشرکین قریش کو اس کی تکذیب کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ آپؐ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کیوں کرتے؟

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں بعض آل ابی بکر کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ روایت معلوم ہوئی کہ ان کے نزدیک اس رات کو آپ کا جسم مبارک بستر سے غائب نہیں ہوا تھا' اس لیے وہ آپ کی معراج کو معراج روحانی سمجھتی ہیں۔

ابن اسحٰق یعقوب بن عتبہ کی زبانی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج روحانی کے قائل تھے لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ خدا کی طرف سے اس کے کسی بندے کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان اقوال کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

بھی جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی:

﴿ و ما جعلنا الرُّوْیا الّتِی اَرَیْناکَ اِلّا فِتْنَۃً لِلّناسِ ﴾

ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے فرمایا تھا:

﴿ یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ ﴾

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جانے والے) خواب عینی ہوں یا روحانی برابر ہوتے ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حقیقت کچھ بھی ہو معراج کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زبان مبارک سے فرمایا سب سچ فرمایا۔

تنبیہ:

معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں اس سے قبل جو خواب آپؐ نے اس طرح دیکھے تھے جیسے کوئی صبح صادق کے وقت چیزوں کو دیکھ رہا ہو ان سے یا اس کے بعد ایسے ہی جو خواب آپؐ نے دیکھے ان سے ہمیں بھی قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (مؤلف)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بعد اگلا دن آیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں زوال کے وقت حاضر ہو کر نماز اور اس کے اوقات کی صراحت کی بلکہ اگلے دن تک پانچوں وقت آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی۔

ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم اس حدیث نبوی کے راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''جبریل علیہ السلام میرے پاس بیت اللہ میں دو بار آئے''۔

اس کے بعد جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے انہوں نے آپؐ کے سامنے دو وقت کی نماز کی وضاحت کی یعنی صبح اور عشاء کی نمازوں کے بارے میں آپ کو بتایا۔ اس کے علاوہ ظہر یا عصر یعنی درمیان کی نمازوں کی توضیح کی لیکن بات مغرب کی نماز تک نہیں آئی۔ یہی روایت ابی موسیٰ' بریدہ اور عبداللہ بن عمرو کی بھی ہے جو صحیح مسلم میں پیش کی گئی ہے اور ہم نے بھی اسے اپنی ''کتاب الاحکام'' میں تفصیلاً پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری میں معمرؒ، زہریؒ، عروہؒ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اس بارے میں جو روایت آئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اوّل اوّل دو رکعت نماز فرض ہوئی تھی۔ جو میں بحالت سفر ادا کرتی تھی لیکن بحالتِ قیام اس میں اضافہ بھی کر لیتی تھی''۔

یہ روایت اوزاعیؒ نے زہریؒ کے حوالے سے اور شعبیؒ نے مسروقؒ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی جو روایت پیش کی گئی ہے اس کی تفہیم میں صرف اسی قدر اشکال ہے کہ وہ بحالتِ سفر بھی پوری نماز پڑھا کرتی تھیں حالانکہ

آیت قرآنی:

﴿ وَ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ ...... الخ ﴾

بیہقی حسن بصریؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جیسا رسول اللہ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوا کہ پہلے چار وقت کی فرض نماز پڑھی جاتی تھی اور اس میں ظہر کی چار رکعات' عصر کی چار رکعات' مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی چار رکعات ادا کی جاتی تھیں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتیں بالجہر پڑھی جاتی تھیں۔ پھر جب پانچوں وقت (باجماعت) نماز پڑھی جانے لگی تو فجر کی دو رکعت تھیں اور وہ بھی پڑھی جاتی تھیں۔ تاہم بحالت سفر جیسا کہ مندرجہ بالا آیت قرآنی سے ظاہر ہے ہر وقت کی صرف دو رکعت قصر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی جس کے سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

عہد نبویؐ میں شق القمر کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں آپؐ کے معجزۂ شق القمر پر جملہ مسلمانوں کا اتفاق ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی محکم کتاب عزیز میں اس واقعہ کی مندرجہ آیت میں خبر دی ہے:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ .... الخ ﴾

اس سلسلے متعدد متواتر احادیث مختلف روایات میں بیان کی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس معجزۂ رسالت کو لاتعداد اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے بارے میں بیان کیا جس سے آپ کی رسالت کی فی الجملہ تصدیق ہوئی۔ ہم نے آپؐ کے اس معجزے کی تفصیلات اپنی کتاب التفسیر میں متعدد ثقہ و مستند حوالوں سے پیش کی ہیں جن کا خلاصہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جو انس بن مالک، جبیر بن مطعم، حذیفہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات پر مبنی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے قتادہ اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی نبوت کا ثبوت مانگا تو آپؐ کے معجزے کی صورت میں مکے ہی میں دوبار شق القمر کا واقعہ پیش آیا جس سے قبل آپؐ نے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت قرآنی میں کہا گیا ہے فرمایا تھا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾

امام مسلمؒ نے محمد بن رافع اور عبدالرزاق کے حوالے سے اس معجزے کے بارے میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات پیش کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکے میں ایک جم غفیر نے رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کو دیکھا تھا۔ مسلم و بخاری نے اس واقعہ کو شیبان کے طرز پر روایت کیا ہے۔ بخاری نے اس روایت میں سعید بن ابی عروبہ کا اور مسلم نے شعبہ کا حوالہ دیا ہے۔ تاہم یہ روایت فی الجملہ قتادہ اور انس کے حوالے ہی سے پیش کی گئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی معجزہ دکھانے پر اصرار کیا تو آپؐ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا اور لوگوں نے ان دونوں ٹکڑوں کو اس طرح دیکھا کہ ان کے درمیان شگاف تھا لیکن وہ دونوں ٹکڑے برابر برابر تھے۔ (آخری الفاظ بخاری کے ہیں)

امام احمدؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن کثیر اور سلیمان بن کثیر نے حصین ابن عبدالرحمٰن، محمد بن جبیر بن مطعم اور آخرالذکر کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو اس کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر نظر آیا۔ یہ دیکھ کر مشرکین مکہ بولے:

''محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے لیکن یہ جادو دنیا کے دوسرے لوگوں پر نہیں چل سکتا''۔ امام احمدؒ نے یہ روایت بطور

خاص پیش کی ہے۔

اسی طرح اسی روایت کو ابن جریر نے محمد بن فضیل وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے جن میں حصین بھی شامل ہیں۔ بیہقی نے یہ روایت ابراہیم بن طہمان اور ہشیم کے حوالے سے اور آخر الذکر دونوں نے حصین بن عبدالرحمٰن' محمد بن جبیر بن مطعم اور مطعم کے باپ اور دادا کے حوالے سے پیش کی ہے جب کہ خود بیہقی نے اپنی اسناد میں ایک شخص کا اور اضافہ کیا ہے۔

جہاں تک اس واقعے کے بارے میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو اسے ابونعیم نے اپنی کتاب ''الدلائل'' میں عطا بن سائب اور ابی عبدالرحمٰن سلمی کے حوالے سے پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ روایت ان دونوں سے مدائن میں بیان کی اور یہ بھی کہا کہ:

''قیامت قریب ہے۔ شق القمر کا واقعہ پیش آ چکا ہے' آج اپنی جگہ مضمر ہے جب کہ آنے والے کل کا حال کون جانے''۔

اس بارے میں بخاریؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم سے یحییٰ بن کثیر' جعفر' عراک بن مالک' عبیداللہ بن عبداللہ نے بیان کر کے کہا کہ انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں پیش آیا تھا۔

بخاریؒ کے علاوہ مسلم نے یہ روایت بکر یعنی ابن نصر اور جعفر کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر دیکھنے کے لیے مشرکین قریش نے اسے جادو بتایا تھا اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ واقعہ مکے میں قبل ہجرت پیش آیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت یہ ہے:

''مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر شق القمر کا مطالبہ کیا تھا۔ ان لوگوں میں ولید بن مغیرہ' ابوجہل بن ہشام' عاص بن وائل' عاص بن ہشام' اسود ابن عبد یغوث' اسود بن مطلب' زمعہ بن اسود' نضر بن حارث اور ان جیسے کچھ اور لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں نے آپؐ سے کہا:

''اگر آپؐ واقعی خدا کے نبی ہیں تو ہمارے سامنے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایئے جن میں سے ایک ٹکڑا کوہ ابوقبیس پر نظر آئے اور دوسرا کوہ قعیقعان پر''۔

ان لوگوں سے آپؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

''اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم مجھے سچا مان لو گے؟''۔

آپ کی اس بات پر ان لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس روز چاند کی چودھویں شب تھی اور چاند آسمان پر پورا پورا چمک رہا تھا۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ جیسا یہ لوگ چاہتے ہیں چاند کے اپنی قدرت سے اس طرح دو ٹکڑے فرما دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ اس کے بعد جب آپؐ نے چاند کو اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور اس کا ایک ٹکڑا کوہ ابوقبیس پر اور دوسرا کوہ قعیقعان پر چلا گیا اور آپ نے یہ منظر دیکھنے کے لیے ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ارقم کو آواز دی۔

یہ بیان کر کے ابونعیم کہتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن احمد اور حسن بن عباس رازی نے ھیثم بن عان کے حوالے سے اسماعیل بن زیاد کی بیان کردہ وہ روایت بیان کی جو انہوں نے اس سے ابن جریج' عطا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے سنی تھی۔ شق القمر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اہل مکہ ایک بڑی کثیر تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ خدا کے نبی ہیں تو ہمیں اس کی کوئی نشانی دکھایئے اور اسی وقت جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اس وقت یہ لوگ چلے جائیں اور دوبارہ فلاں رات کو آئیں تو اس رات کو وہ ایسی نشانی دیکھیں گے جسے دیکھ کر انہیں آپ کی سچائی کا قائل ہونا پڑے گا''۔

چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے یہی فرمایا اور جب وہ دوسری بار آپ کی خدمت میں وہی مطالبہ لے کر آئے تو اس روز چاند کی چودھویں شب تھی۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور اس کا ایک ٹکڑا کوہ صفا پر اور دوسرا کوہ مروہ پر چلا گیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ حیران ہو کر اپنی آنکھیں ملنے لگے اور پھر آنکھیں کھول کر یہ منظر دیکھنے لگے۔ انہوں نے ایسا دوبار کیا پھر یک زبان ہو کر بولے:

''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ایک بہت بڑے جادو کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے''۔

جب ان لوگوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ...... الخ ﴾

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے دینی پیشواؤں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ اگر آپ خدا کے نبی ہیں تو انہیں اس کی کوئی نشانی دکھائیں لہٰذا آپ نے ان کو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا تھا اور چاند عصر کے بعد سے کافی رات تک اس طرح دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر کوہ صفا و مروہ پر الگ الگ نظر آتا رہا تھا اور پھر غائب ہو گیا تھا لیکن یہودیوں کے ان پیشواؤں نے بھی یہی کہا تھا کہ:

''یہ آنکھوں کو دھوکے میں ڈالنے والا جادو ہے''۔

معجزہ شق القمر کے سلسلے میں یہ بڑی جید اسناد ہیں۔ حافظ ابو القاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن عمرو الرزاز' محمد بن یحییٰ القطعی' محمد ابن بکر اور ابن جریج نے عمرو بن دینار' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ شق القمر زمین کے بعض حصوں میں نظر نہیں آیا لیکن دوسرے کئی حصوں میں نظر آیا جن میں بلاد ہند بھی شامل تھے۔

حضرت ابوطالب کی وفات

بعض روایات میں حضرت ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا کی وفات کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی وفات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد کی وفات کے بعد ہوئی تھی لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت ابوطالب سے پہلے ہوئی تھی۔ بہر کیف یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے حد سے زیادہ مشفق تھے اگر چہ حضرت ابوطالب اسلام نہیں لائے تھے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مومنہ صدیقہ تھیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کی وفات ایک ہی سال ہوئی تھی اور وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے انتہائی ہمدرد وشفیق تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ کو قریش کے ہاتھوں بہت سی تکالیف اٹھانا پڑی تھیں۔ وہ اپنی زندگی میں آپؐ سے اظہار ہمدردی کے ساتھ آپ کو تسلی دیا کرتی تھیں جب کہ حضرت ابوطالب قریش کے ظلم وستم سے آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کی وفات خصوصاً حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد جو ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی کفار قریش نے آپ کو ایذا رسانی کی حد کر دی تھی۔ ایک روز ان میں سے کسی نے آپؐ کے سر مبارک پر مٹی کی ٹوکری الٹ دی تھی اور آپؐ جب اسی حالت میں اپنے گھر تشریف لائے تھے تو آپ کی دونوں بیٹیاں آپ کا سر دھوتے وقت رونے لگی تھیں آپؐ نے انہیں یہ فرما کر رونے سے روکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تکالیف میں گریہ وزاری سے منع فرمایا تھا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت ابوطالب کی زندگی میں قریش ایسی حرکت آپؐ کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے جس سے آپؐ کے چچا کو تکلیف پہنچتی۔ [1]

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالب نے قریش سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا رسانی کے سلسلے میں شکایت کی اور خصوصاً بنی عبد مناف کو اپنی رشتہ داری کا حوالہ دیا تو مشرکین قریش آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ حمزہ وعمر (رضی اللہ عنہما) تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہیں اور اگر یہ سلسلہ چلتا رہا تو بنی عبد مناف کے علاوہ دوسرے بہت سے قریشی قبائل بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے یعنی آنحضرت ﷺ کو ان کے مذہب کی برائی کرنے سے روکیں۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپ اپنے دین کی تبلیغ تو کرتے رہیں لیکن قریش کے مذہبی عقائد سے تعارض نہ کریں۔ اس زمانے میں قریش کے کچھ لوگ از راہِ منافقت آپؐ کے سامنے آ کر تو لا الہ الا اللہ کہہ کر وہی اپنا عقیدہ بتاتے تھے اور بعد میں منکر ہو جاتے تھے۔

---

[1] ابن ہشام کی کتاب میں حضرت ابوطالب کے ایمان لانے کا ذکر آیا ہے لیکن دیگر مؤرخین کو اس میں شبہ ہے۔ (مؤلف)

جب قریش نے حضرت ابوطالب سے یہ کہا کہ اگر محمد ہمارے دین پر معترض نہ ہوں تو ہم بھی ان کے مذہب پر معترض نہ ہوں گے تو حضرت ابوطالب نے آپ کو اس امر پر راضی ہونے کے لیے کہا۔ اس کے جواب میں آپؐ نے ان سے فرمایا:

''میرا دین وہ ہے کہ ایک دن سارا عرب اس پر فخر کرے گا اور اکثر اہل عجم بھی اسے اختیار کرلیں گے''۔

حضرت ابوطالب بولے:

''بہر حال تم قریش پر سختی نہ کرنا ایک دن خود اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے گا''۔

جب حضرت ابوطالب بستر مرگ پر تھے تو عباس رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اپنے قریب بلاکر زیرلب کچھ کہہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو وہ بولے:

''اے میرے بھائی کے بیٹے میں نے ان سے جو کہنے کو کہا تھا وہ انہوں نے کہہ دیا ہے''۔

عباس رضی اللہ عنہ کا اشارہ غالباً ابوطالب کے کلمہ پڑھنے کی طرف تھا لیکن آپؐ نے فرمایا میں تو ان سے یہ (شاید) ہرگز نہ سن سکوں گا۔ اس موقع پر یہ آیت قرآنی نازل ہوئی تھی:

﴿ صٓ . وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ...... الخ ﴾

ہم نے اس پر اپنی تفسیر قرآن میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اہل تشیع کے بعض علمائے قدیم نے عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استناد کرتے ہوئے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا یعنی:

''اے میرے بھائی کے بیٹے جو میں نے ان سے کہنے کو کہا تھا وہ انہوں نے کہہ دیا ہے یعنی لا الہ الا اللہ''۔

اس روایت کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے جس میں سے پہلی بات اس روایت کا ابہام ہے، دوسری بات نام میں تشکیک ہے اور وقت کے بارے میں بھی وضاحت نہیں ہے۔

امام احمد، نسائی اور ابن جریر اس سلسلے میں ابن اسامہ کی طرح اعمش کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اعمش سے عباد نے سعید بن جبیر کے حوالے سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں عباسؓ کے کسی قول کا ذکر نہیں ہے۔ امام ثوریؒ نے بھی اعمش، یحییٰ بن عمارہ کوفی، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اس میں عباسؓ کے کسی قول کا ذکر نہیں کیا۔

ترمذی، حسنہ، نسائی اور ابن جریر نے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اور بیہقی نے اسے ثوریؒ کی طرح اعمش، یحییٰ بن عمارۃ سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ جب حضرت ابوطالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے قریش بھی جمع تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ ایک اور شخص جو وہاں بیٹھا تھا اسے ایک طرف ہٹا کر ابوجہل نے ان سے کہا:

''آپؐ اپنی قوم کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟''۔

اس پر حضرت ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

''اے میرے بھائی کے بیٹے! تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:

''میں ان سے وہ کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے کہنے کے بعد سارا عرب ان کے سامنے جھک جائے گا اور اس کی وجہ سے اہل عجم بھی انہیں جزیہ بھیجا کریں گے''۔

حضرت ابو طالب نے پوچھا:

''وہ کلمہ کیا ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا: لا الہ الا اللّٰہ.

راوی کا بیان ہے: کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر قریش بولے:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جس معبود کو یہ مانتے ہیں ہم بھی اسے مانیں، یہ تو کچھ عجیب بات ہے''۔

انہی قریش کے بارے میں یہ آیت اتری:

﴿ صٓ . وَ الْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ ...... الخ ﴾

بہر کیف اس روایت کے بارے میں اختلافات موجود ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون سی روایت صحیح ترین ہے۔ بخاریؒ اس روایت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سے محمود اور عبدالرزاق نے کہا اور انہیں معمرؒ نے زہریؒ اور مسیّب نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ حضرت ابو طالب کی وفات جب قریب تھی تو جس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچے اس وقت ابوجہل ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا' آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے فرمایا:

''چچا! کہیے لا الہ الا اللہ' اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی حاجت روائی ہوگی''۔

آپ کی زبان سے یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بولے:

''اے ابو طالب! کیا اپنے باپ عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جائیں گے؟''۔

پھر آخر کار ان دونوں نے ابو طالب سے ''ملت عبدالمطلب پر'' کہلوا کر ہی چھوڑا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ آپ سے اس کی باز پرس نہ کرے''۔

آپؐ کے اس کلام کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا .... الخ ﴾

اس کے علاوہ یہ آیت قرآنی بھی اس موضوع پر اتری تھی:

﴿ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾

ابوداؤد (الطیالسی) کہتے ہیں کہ ان سے ابی اسحٰق نے کہا کہ انہوں نے (ابی اسحٰق نے) ناجیہ بن کعب سے سنا کہ انہوں نے (ناجیہ

بن کعب نے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بات سنی کہ جب ان کے والد ابوطالب کی وفات ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

''آپؐ کے چچا وفات پا گئے''۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا:

''تم ان کی میت کے پاس رہو اور جب تک دوبارہ مجھ سے نہ ملو کسی سے کچھ بات نہ کرنا''۔

چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ آپؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے فرمایا:

''جا کر انہیں غسل دو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے مجھے ایسی دعا دی جو روئے زمین پر میرے لیے ہر چیز سے زیادہ تھی۔

نسائی نے محمد بن مثنیٰ' منذر اور شعبہ سے روایت کی ہے اور یہی روایت ابوداؤد اور نسائی نے سفیان کی حدیث کے طور پر ابی اسحٰق' ناجیہ اور علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر عرض کیا:

''آپ کے بزرگ چچا کا انتقال ہو گیا ہے مگر وہ گمراہی پر تھے' اس لیے اب ان کے پاس کون رہے گا؟''۔

اس پر آپؐ نے ان سے فرمایا:

''جاؤ تم ان کے یعنی اپنے باپ کے پاس رہو اور جب تک پھر میرے پاس نہ آؤ کسی سے کچھ نہ کہنا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب وہ دوبارہ آپؐ کے پاس گئے تو آپؐ نے انہیں حضرت ابوطالب کو غسل دینے کا حکم دیا اور ایسی دعا دی جس کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر ان کے نزدیک دنیا بھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابوسعد مالینی نے بتایا اور ان سے ابواحمد بن عدی' محمد بن ہارون بن حمید' محمد بن عبدالعزیز بن رزمہ اور فضل نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن' جریج' عطا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوطالب کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو فرمایا:

''اے میرے چچا! آپؐ نے مجھ پر ترس کھایا اور رحم فرمایا' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے''۔

یہی روایت بیہقی ابی یمان ہوزنی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مرسل کے طور پر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ ابوطالب کی قبر پر (زیادہ دیر) نہیں کھڑے رہے تھے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہی بات ابراہیم اور عبدالرحمٰن خوارزمی نے بھی اس موضوع پر اپنی اپنی روایات میں بتائی ہے۔

اس کے علاوہ فضل بن موسیٰ بن سلام بیکندی نے بیان کیا اور ہم بھی پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنی عبدالمطلب میں حضرت ابوطالب بہت ہی رحمدل انسان تھے۔ انہوں نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کو اپنے دامن

تربیت میں لیا۔ بعد بعثت بھی نہ صرف آپ کی بلکہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی کفار سے حفاظت کی' جب مشرکین قریش نے مسلمانوں سے ترک موالات مواخات کی ٹھانی تو ابی طالب بھی کچھ دوسرے بنی عبدالمطلب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شعب ابو طالب میں جا کر کم وبیش مسلسل تین سال تک وہاں مقیم رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایسے فصیح وبلیغ اشعار کہتے تھے جن کا جواب عربی ادب میں مشکل ہی سے ملتا ہے۔ ان کے اس وصیف کی ساری دنیائے عرب قائل تھی۔ مزید برآں وہ آپ کو راشد اور حق پر سمجھتے تھے لیکن چونکہ آخری وقت تک ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمانے کے باوجود وہ بارگاہ الٰہی میں بر بنائے ملت عبدالمطلب پر ایمان رکھنے کے مقبول نہ ہو سکے اس کی اسناد وہ آیات قرآنی ہیں۔ جو سطور بالا میں درج ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دوسری صفات کے باوجود ہم ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے قاصر ہیں۔ کاش ہم ایسا کر سکتے۔

وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے بے شمار فضائل و مناقب بیان کیے جا چکے ہیں اور سیرت نگاروں نے بھی ان کے اوصاف کثرت سے تحریر کیے ہیں نیز جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کیے گئے ہیں ان سے ان کا جنتی ہونا صاف ظاہر ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے جنت الفردوس میں نازک نرکل بے ستون و پرسکون قصر تعمیر کیا گیا ہے۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ ان سے ابو صالح' لیث اور عقیل نے ابن شہاب کے حوالے سے عروہ بن زبیر کا یہ قول بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز فرض ہونے سے قبل ہوئی تھی اور انہی راویوں نے ابن شہاب ہی کے حوالے سے زہری کا یہ بیان پیش کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کو ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی اور اس وقت تک نماز فرض نہیں ہوئی تھی۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو طالب کی وفات ایک ہی سال ہوئی تھی۔ ویسے بیہقی کا بیان یہ ہے کہ ان کی وفات حضرت ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد ہوئی تھی لیکن عبداللہ بن مندہ نے اپنی کتاب ''المعرفت'' میں اور ہمارے شیخ ابو عبداللہ الحافظ دونوں نے بیہقی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر کو یہ بھی معلوم ہوا اور واقدی کا بھی یہی خیال ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب دونوں نے شعب ابی طالب سے باہر آنے کے تین سال بعد اور قبل ہجرت وفات پائی تھی لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ابو طالب کی وفات سے ۳۵ راتیں پہلے ہوئی تھی۔

بہر کیف میرا خیال یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات میں نماز فرض ہونے جو ذکر آیا ہے اس سے مراد شب معراج کے بعد پانچ وقت کی نماز کی فرضیت ہے۔ تاہم یہ نتیجہ اخذ کرنا زیادہ مناسب ہے کہ جیسا بیہقی وغیرہ نے بتایا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب دونوں کی وفات شبِ معراج سے قبل ہوئی تھی۔ البتہ ہم نے اس کا ذکر حسب موقع اس باب میں کیا ہے۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ ان سے قتیبہ اور محمد بن فضیل بن غزوان نے عمارہ' ابی زرعہ کے حوالے سے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بتائی کہ جبریل علیہ السلام نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا ساتھ اور کھانا پینا آپؐ کے ساتھ ہمیشہ رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام بھیجا ہے اور میں بھی انہیں سلام کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ انہیں بشارت دے دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں ایک بڑا خوش نما اور پرسکون مکان تعمیر کرایا ہے جس میں کوئی پتھر کا ستون نہیں ہے۔ یہی روایت مسلمؒ نے محمد بن فضیل کے حوالے سے بیان کی ہے۔ بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور یحییٰ نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے دریافت کیا کہ آیا آپؐ نے حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسے مکان کی بشارت دی تھی اور انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس روایت کو بخاریؒ نے بھی اسی طرح اسماعیل بن ابی خالد کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

سہیلی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں سے تیار کردہ محل کی بشارت دی کیونکہ ان کے پاس ایمان لانے سے قبل (سچے) موتی تھے اور وہ بڑے بڑے بے جوڑ تھے۔ جنت میں ان کے پرسکون قصر کی بشارت اس لیے تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کبھی بلند نہیں ہونے دی تھی۔ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں یہ حدیث ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی پیش کرتے ہوئے انہی کی زبانی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کیا کرتی تھیں حالانکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ ازدواج سے قبل ہو چکی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ ان کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں قصر لولوء کی تعمیر کی بشارت کا ذکر اکثر فرمایا کرتے تھے اور آپؐ انہیں اس طرح یاد فرمایا کرتے تھے جیسے کوئی اپنے بچھڑے ہوئے نوجوان دوست کو یاد کرتا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے مومل ابوعبدالرحمٰن اور حماد بن سلمہ نے عبدالملک بن عمیر اور موسیٰ بن طلحہ کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی جو کچھ بیان کیا وہ یہ ہے کہ ایک روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کر کے ان کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف فرمائی تو ان پر وہ بیان کرتی ہیں وہی اثر ہوا جو کسی عورت پر اپنے شوہر کی زبانی اپنے علاوہ کسی دوسری عورت کی تعریف سن کر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتی ہیں:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ قریش کی اس بوڑھی کا بار بار ذکر فرما کر اس کی تعریف فرماتے رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کو مجھ جیسی جوان (اور خوب صورت) عورت بیوی کے طور پر ان کی جگہ عطا فرمائی ہے''۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میری زبان سے یہ کلمات سن کر آپ کا رنگ اس طرح متغیر ہو گیا جیسے وحی کے ذریعہ کوئی غم انگیز خبر سے یا بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی خبر سے ہو جاتا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی کیونکہ انہوں نے ایمان لا کر اس وقت میرا ساتھ دیا جب کفار نے مجھ پر ظلم وستم کی حد کر رکھی تھی' انہوں نے اس وقت میری مالی مدد کی جب دوسرے لوگوں نے مجھے اس سے محروم کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے بطن سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا جب کہ میری کسی دوسری بیوی سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی''۔

یوں تو اکثر روایات اسی حدیث پر زور دیتی ہیں لیکن جیسا کہ سب جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بیٹے ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہو چکے تھے جس کا ہم تفصیلی ذکر آگے چل کر کریں گے۔ بہر حال اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس روایت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توہین نہیں تھا بلکہ ان کے مقابلے میں اپنے حسن و جمال اور پہلے کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسودہ زندگی کا بیان تھا۔

اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمد، بخاری اور مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے علاوہ عبداللہ بن جعفر اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر بھی انہیں ''افضل النساء'' کہہ کر فرمایا ہے اور اس کے علاوہ جیسا کہ دوسری متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بیان میں دنیا کی سب سے بہتر عورتوں میں شمار فرمایا ہے جس کی وجہ مذکورہ بالا تینوں خواتین میں قدر مشترک ایک ہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا منفرد سلوک ان تینوں کی نسبت خاص۔ بہر کیف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں مندرجہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے اپنی جگہ مسلم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ مردوں کے اوصاف کی تکمیل تو ان کے بعد دوسرے مردوں کے ذریعہ ہوئی لیکن فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کے اوصاف کی تکمیل کسی دوسری سے نہ ہوسکی۔ اس کے علاوہ آنحضرت نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توصیف میں وہ باتیں ارشاد فرما کر جن کا سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے آپ نے جیسا کہ بخاری و مسلم میں شعبہ کی روایت میں جو ان دونوں کتب احادیث میں عمرو بن مرہ الطیب اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے فرمایا تھا کہ:

''دوسری عورتوں پر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو ایسی فضیلت ہے جیسی ''ثرید'' کو دوسرے کھانوں پر ہوتی ہے''۔

ثرید جیسا کہ سب جانتے ہیں گوشت سے تیار کردہ ہر کھانے سے لذیذ تر ہوتا ہے اور اس وجہ سے عرب میں اسے بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری عورتوں پر فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ازدواج

سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری شادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی جس کا ذکر ہم ابھی کریں گے۔ بخاریؒ تزویج حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم سے معلّی ابن اسد' وہیب اور ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالے سے اور آخر الذکر نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس بارے میں بیان کیا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (ایک دن) مجھ سے فرمایا: میں نے تمہیں دوبار خواب میں دیکھا تھا اور یہ دیکھا تھا کہ تم حریر کا لباس پہنے ہوئے ہو اور کوئی (پس پردہ) مجھ سے کہہ رہا ہے: ''انہیں دیکھو! یہ تمہاری بیوی ہیں' دیکھو یہ تمہارے سامنے کھڑی ہیں''۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ سن کر میں نے کہا' اگر یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے تو یقیناً ایسا ہو کر رہے گا''۔

بخاری باب ''نکاح ابکار'' (دوشیزاؤں کے نکاح) کے تحت بیان کرتے ہیں کہ ابن ملیکہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی دوشیزہ سے شادی نہیں کی۔ اس کے بعد بخاری فرماتے ہیں: ''ہم سے اسماعیل بن عبداللہ اور میرے بھائی نے سلیمان بن بلال' ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے حوالے سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا یہ قول بیان کیا۔ وہ فرماتی ہیں:

''میں نے (ایک روز) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا: میں نے (خواب) میں دیکھا تھا کہ ایک وادی ہے جس کے ایک درخت میں اس کے پھل کھا رہی ہوں پھر میں نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے جو چشمہ ہے اس سے آپؐ کے اونٹ کے سوا کوئی دوسرا اونٹ پانی نہیں پی رہا ہے''۔

یہ سن کر آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''تمہارے خیال میں وہ کون سا درخت اور چشمہ ہو سکتا ہے؟''۔

میں نے عرض کیا:

''میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ آپؐ میرے سوا کسی دوشیزہ سے شادی نہیں کریں گے''۔

اس روایت کو بخاریؒ نے خصوصیت دی۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں: ہم سے عبیدہ بن اسماعیل اور ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ اور ان

کے والد کے حوالے سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا یہ قول بیان کیا کہ ایک روز ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''(ایک دفعہ) میں نے خواب میں دیکھا کہ تم ریشمی لباس میں ملبوس ایک فرشتے کے ساتھ میرے سامنے آئیں اور فرشتہ مجھ سے بولا: ''یہ آپ کی بیوی ہیں''۔ پھر جب تمہارے منہ سے نقاب اٹھا تو میں نے دیکھا کہ وہ تم ہی تھیں''۔

ایک روایت میں حضورؐ کی حدیث کی رو سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا تھا:

''میں نے تمہیں تین رات خواب میں دیکھا''۔

ترمذیؒ ایک حدیث کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (خواب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سبز رنگ کے لباس میں پیش کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ:

''یہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ آپ کی زوجہ ہیں''۔ جبریل علیہ السلام تھے۔

بخاریؒ ''تزویج صغار و کبار'' کے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف اور لیث نے یزید عراک اور عروہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا تو وہ بولے:

''آپ تو میرے بھائی ہیں''۔ یا ''میں آپ کا بھائی ہوں''۔

اس پر آپؐ نے ان سے فرمایا تھا:

''آپ دین اسلام اور قرآن میں جو کہا گیا ہے صرف اس لحاظ سے میرے بھائی ہیں۔ اس لیے ان سے یعنی آپ کی بیٹی سے میرا نکاح جائز ہے''۔

اگرچہ یہ حدیث اپنے سیاق کے لحاظ سے بظاہر ''مرسل'' ہے لیکن بخاریؒ اور دوسرے محققین کے نزدیک اس لیے ''متصل'' ہے کہ یہ عروہ کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست مروی ہے۔ اس سلسلے میں یہ وہ حدیث ہے جسے بخاریؒ نے بطور خاص پیش کیا ہے۔

یونس بن بکیر' ہشام بن عروہ اور ان کے والد یعنی خود عروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین سال بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا تھا' جب ان کی عمر چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت وہ نو سال کی تھیں اس روایت کے لحاظ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال ٹھہرتی ہے جو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔

بخاریؒ عبید بن اسماعیل' ابی اسامہ' ہشام بن عروہ اور ان کے والد یعنی خود عروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل یعنی پورے دو سال بعد یا اس کے لگ بھگ وفات پائی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر پورے نو سال تھی۔ یہ حدیث عروہ کی زبانی بظاہر بلحاظ سیاق جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا حدیث ''مرسل'' ہے لیکن درحقیقت اسے حدیث ''متصل'' سمجھنا چاہیے

کیونکہ اس کے بارے میں راویوں میں کوئی باہمی اختلاف نہیں ہے اور اسی لیے احادیث ''صحاح ستہ'' میں اسے اسی طور سے درج کیا گیا ہے۔

بہر کیف اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے ہجرت کے دو سال بعد مدینے میں ہوئی تھی اور یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال قبل مکے میں وفات پا چکی تھیں تو یہ روایت محل نظر ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں یعقوب بن سفیان الحافظ کہتے ہیں کہ ان سے الحجاج اور حماد نے ہشام بن عروہ اور خود ہشام کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ روایت بیان کی کہ جب ان سے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد ہوا تھا تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھی اور اس وقت ان کی عمر سات یا چھ سال کی تھی۔ اس کے بعد وہ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئی تھیں تو اس زمانے میں وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور جب ایک عورت بنا سنوار کر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر لے جانے لگی اس وقت بھی وہ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں لیکن اس وقت ان کی عمر نو سال ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس بارے میں یعقوب بن سفیان الحافظ کی روایت میں جو الفاظ ''بعد وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا'' آئے ہیں اور یونس بن بکیر اور ابو اسامہ کی روایت میں بھی ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے حوالے سے موجود ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ الفاظ ''کم وبیش'' ضرور ہوں گے لیکن ایسا کوئی نسخہ جس میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت درج ہو اب تک میری نظر سے نہیں گزرا ہر چند کہ یہ روایت خود ان الفاظ کی مقتضی ہے۔ اگر یہ صرف میرا قیاس ہے تو میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواست گار ہوں۔ واللہ اعلم (مؤلف)

بخاریؒ نے ایک دوسری روایت میں جو انہوں نے فروہ بن ابی المغرا اور علی بن مسہر کی زبانی ہشام بن عروہ اور ان کے والد کے حوالے سے پیش کی ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا عقد ہوا اس وقت میری عمر چھ سال تھی۔ اس کے بعد جب ہم لوگ مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں بنی حارث بن خزرج کے ہاں ٹھہرے تو میں کافی بڑی ہو گئی تھی' میرے بال بھی بہت بڑھ چکے تھے اور جسمانی طور پر میں بالغ ہو چکی تھی تاہم لڑکیوں کے ساتھ کھیلا ضرور کرتی تھی۔ اسی زمانے میں میری ماں ام رومان جب ایک روز میرے پاس آئیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جانے لگیں تو اس وقت بھی میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور حیران تھی کہ وہ مجھے اس طرح کہاں لیے جا رہی ہیں۔ بہر حال وہ مجھے لے کر انصار کے ایک مکان میں گئیں اور وہاں مجھ سے کہا گیا تو میں نے کسی ایسے پانی سے جس میں خوشبو ملی ہوئی تھی اپنا سر اور منہ ہاتھ دھویا۔ پھر ایک عورت نے میرا بناؤ سنگھار کر کے مجھے دلہنوں جیسی پوشاک پہنائی۔ وہاں سے مجھے ایک دوسرے گھر میں لے جایا گیا جہاں مجھے بہت سی عورتوں نے خیر و برکت کی دعا دی اور بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اسی گھر میں میں نے پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شوہر کی حیثیت سے دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ اس وقت میری عمر نو سال ہو چکی تھی''۔

امام احمدؒ آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن بشر' محمد بن عمر' ابو سلمہ اور یحییٰ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اب شادی نہیں کریں گے؟''۔ آپؐ نے پوچھا: ''کس سے؟'' وہ بولیں: ''آپؐ چاہیں تو کسی دوشیزہ سے یا چاہیں تو کسی بیوہ یا مطلقہ سے''۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: ''دوشیزہ کون؟''۔ تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ناکتخدا بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا۔ اس کے بعد آپؐ نے خولہ سے پوچھا: ''اور بیوہ یا مطلقہ کون؟''۔ وہ بولیں: ''سودہ بنت زمعہ جو ایمان لے آئی ہیں اور آپؐ کے متبعین میں سے ہیں''۔ خولہ سے یہ سن کر آپؐ نے ان سے فرمایا: ''تم دونوں جگہ رشتے کے لیے میرا پیغام لے جاؤ''۔ چنانچہ آپ کی اجازت پا کر خولہ بنت حکیم پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچیں اور ان کی بیوی ام رومان سے بولیں: ''اگر آپ کے گھر اور زیادہ خیر و برکت آ جائے تو؟'' ام رومان حیرت سے بولیں: ''یعنی؟'' ان کے اس سوال پر خولہ نے کہا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے آپ کی بیٹی عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کا پیغام دے کر آپ کے ہاں بھیجا ہے''۔ یہ سن کر ام رومان بولیں: ''مگر وہ تو رسول اللہ (ﷺ) کے بھائی کی بیٹی ہیں' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اور یہی بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کہی۔ چنانچہ خولہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جا کر یہ بات جب آپؐ سے کہی تو آپؐ نے فرمایا:

''ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں یعنی وہ میرے سگے بھائی خونی رشتے سے نہیں ہیں' تم یہی بات ان کے گھر جا کر انہیں بتا دو اور ان سے کہہ دو کہ ان کی بیٹی سے میرا نکاح جائز ہے''۔

جب یہ بات خولہ بنتِ حکیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر انہیں اور ان کی بیوی ام رومان کو بتائی تو ام رومان بولیں:

''اگرچہ عائشہؓ کے رشتے کے لیے تو اس کے چچا مطعم بن عدی نے اس کے باپ (ابوبکرؓ) سے اپنے لڑکے کے لیے بات کر رکھی ہے لیکن چونکہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں باقاعدہ پیغام نہیں آیا اس لیے ان (ابوبکرؓ) کی طرف سے خلاف ورزی کا اندیشہ نہیں ہے پھر ہم نے ان سے اس سلسلے میں اب تک کوئی وعدہ بھی نہیں کیا''۔

اس کے بعد ام رومان مطعم بن عدی کے پاس گئیں جہاں اس وقت ان کی بیوی ام الضبی بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور انہیں یہ بات بتائی تو ام الضبی اپنے شوہر سے بولیں:

اے ابن ابی قحافہ ہم نے آپ کے بھائی (ابوبکرؓ) کی بات مانی اور ان کا دین قبول کیا۔ اس کے بعد ہمیں یقین تھا کہ ہم ان کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کر سکیں گے مگر اب؟''۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میاں بیوی کے دل سے اس خیال کو دور کر دیا اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی رسول اللہ ﷺ سے نہ صرف یہ کہ کسی صورت سے مخالفت نہیں کی بلکہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خیر و برکت کی دعا دی۔

اس روایت کے آخر میں خولہ بنت حکیم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ اس کی مزید تصدیق مندرجہ بالا جملہ روایات سے ہوتی ہے۔

اس سے قبل رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کی وفات کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے ہمیشہ آپ کی حمایت' دشمنوں سے آپ کی حفاظت اور حتی المقدور جان و مال اور قول و عمل سے آپ کی اعانت کرتے رہے لیکن ان کی وفات کے بعد قریش کے بدطینت لوگوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھنے دیں گے اور جہاں تک ممکن ہوا اس سے روکیں گے۔

بیہقی نے حاکم اور عصم کے حوالے سے بتایا ہے کہ ان سے یعنی حاکم وعصم سے محمد بن اسحٰق صنعانی' یوسف بن بہلول' عبداللہ بن ادریس' محمد بن اسحٰق نے عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن جعفر کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات ہو گئی تو اس کے بعد قریش کے بدطینت لوگ دوبارہ اپنی ظالمانہ وسفاکانہ حرکات پر اتر آئے اور ایک روز جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکے کے ایک راستے سے گزرتے دیکھا تو ان میں سے کسی نے مٹی کی ایک ٹوکری اٹھا کر آپؐ کے سر مبارک پر الٹ دی تو آپؐ اسی حالت میں اپنے گھر تشریف لے گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کی بیٹیوں میں سے ایک نے آپ کا سر دھویا۔ جب وہ آپ کا سر دھو رہی تھیں تو روتی بھی جاتی تھیں یہ دیکھ کر آپؐ نے ان سے فرمایا:

''تمہیں رونا نہیں چاہیے کیونکہ تمہارے باپ کو اللہ تعالیٰ نے تکالیف پر گریہ وزاری سے منع فرمایا ہے''۔

بکائی نے مختلف حوالوں سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات سے قبل قریش بزدل تو نہیں تھے لیکن ان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر ان کی چیرہ دستیوں میں کچھ کمی ضرور آ گئی تھی۔ تاہم ان کی وفات کے بعد وہ اپنی انہی سفیہانہ حرکات پر اتر آئے تھے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں پیش پیش ابولہب اور ابوجہل تھے۔ انہوں نے ایک روز ابوطالب کی وفات کے بعد آپ سے پوچھا کہ آپؐ کے چچا ابوطالب اور آپؐ کے دادا عبدالمطلب کا حشر کیا ہوا ہوگا اور جب آپؐ نے فرمایا کہ:

''اپنی قوم کے ساتھ یعنی مشرکین قریش کے ساتھ''۔

تو وہ غصے سے بولے:

''تمہارے خیال میں وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہوں گے یعنی ان کے ساتھ جو تمہارے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں آگ میں جلیں گے''۔

یہ کہہ کر وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور انہوں نے نیز ان کے ساتھ دوسرے مشرکین قریش نے آپ کو ایذارسانی کی حد کر دی اور یہاں تک کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ ان کا معبود خدا ہے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ یہ سب باتیں وفات ابوطالب کے بعد پیش آئیں۔ اس لیے یہاں درج کی گئیں۔

آنحضرت ﷺ کا اہل طائف کے پاس دعوت اسلام کے لیے تشریف لے جانا

ابن اسحق کہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد جب مشرکین قریش اپنی پچھلی قبیح حرکات پر اتر آئے اور رسول اللہ ﷺ کو پہلے سے زیادہ ستانے لگے تو آپؐ بنی ثقیف کے پاس ان سے امداد حاصل کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے تاکہ وہ مشرکین مکہ کو آپؐ پر ظلم وستم سے باز رہنے کو کہیں۔ چونکہ آپ کو بنی ثقیف سے امید تھی کہ وہ دعوتِ اسلام قبول کر کے مشرکین مکہ کے خلاف آپ کی امداد کے لیے آمادہ ہو جائیں گے' اس لیے آپ تنہا ہی طائف تشریف لے گئے تھے۔ ابن اسحاق مزید کہتے ہیں:

''مجھ سے یزید ابن زیاد نے محمد بن کعب قرضی کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو آپؐ نے پہلے وہاں بنی ثقیف کے کچھ بہت سے معزز وشریف لوگوں سے ملاقات کا ارادہ فرمایا اور وہاں کے تین آدمیوں سے ملے۔ وہ تینوں عبد یالیل' مسعود اور حبیب حقیقی بھائی تھے۔ ان کے پاس اس وقت قبائل قریش میں سے قبیلہ بنی جمح کی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔

بہرکیف جب آپؐ نے انہیں دعوت اسلام دینے کے بعد ان سے اپنا مقصد بیان فرمایا تو ان میں سے ایک بولا کہ:

''اگر آپ کو خدا نے واقعی اپنا رسول بنا کر بھیجا ہوگا تو میں خانہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گا''۔

دوسرا بولا:

''کیا خدا کو آپ (ﷺ) کے سوا کوئی اور نہیں ملا تھا جسے وہ اپنا رسول بنا کر بھیجتا؟''۔

آخر میں تیسرے نے کہا:

''میں آپ (ﷺ) سے ہرگز کوئی بات نہیں کروں گا کیونکہ ابھی جو کچھ آپ (ﷺ) نے بیان کیا اگر وہ سچ بھی ہوا تب بھی ہمارا آپ (ﷺ) سے گفتگو کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر آپ (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) غلط بیانی سے کام لیا ہے تو ہمارا آپ (ﷺ) سے گفتگو کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا''۔

ان تینوں بھائیوں سے یہ باتیں سن کر آپؐ ان کے پاس سے مایوس ہو کر اٹھے لیکن آپؐ نے چلتے چلتے ان سے فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے آپؐ سے کہا تھا اسے اپنے ہی تک محدود رکھیں کیونکہ آپ کو یقیناً اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر مشرکین قریش کو آپ کے طائف تشریف لانے اور اہل طائف سے ان کے خلاف گفتگو کا حال معلوم ہوا تو وہ آپ کو اور زیادہ ستائیں گے۔

[illegible] ... تو وہ بھی خاموش رہنے کے بجائے جیسا ...

بیان کیا جاتا ہے' آپ کو برا بھلا کہتے ہوئے آپؐ کے پیچھے چل پڑے تو دوسرے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر آپؐ پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرنے لگے اور آپ کو گھیر کر ایک ایسے احاطے کی طرف لے چلے جہاں عتبہ ابن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اس وقت موجود تھے لیکن آپ کا پیچھا کرنے والے لوگ اس احاطے کے اندر جو انگوروں کا ایک باغ تھا عتبہ و ربیعہ کو دیکھ کر اور ان کو اندر آپ کے پیچھے داخل ہونے سے منع کرنے پر باہر ٹھہر گئے۔ پھر جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے' جب آپ کو کچھ اطمینان ہوا تو آپؐ ایک انگور کی بیل کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے لیکن آپؐ نے وہاں بنی جمح کی اس عورت کو دیکھ کر اس سے اس کے پڑوسی اہل طائف کے طرز عمل پر چند الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس دوران میں ربیعہ کے دونوں بیٹے آپؐ کے ساتھ اہل طائف کے طرز عمل پر باہم گفتگو کر رہے تھے جب آپ کو ان کی طرف سے کسی خطرے کا احتمال نہ رہا تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے عرض کرنے لگے:

''یا اللہ! میں ان لوگوں کے مقابلے میں اپنے ضعف قوت کا تجھ ہی سے شکوہ کر سکتا ہوں کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا اور مظلوموں کا پروردگار بھی تو ہی ہے۔ تاہم مجھے تجھ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے بلکہ میں تجھ سے اپنے لیے تیرے رحم کی وسعت کی درخواست کرتا ہوں' میں تیرے غضب سے سب سے زیادہ ڈرتا اور تیری پناہ چاہتا ہوں' میں تیرے اس نور ذات کی پناہ چاہتا ہوں جس سے جملہ ظلمتیں روشن ہو گئی ہیں اور وہی دنیا و آخرت کی اصلاح کا ضامن ہے۔ تو مجھ سے کہیں اس لیے ناراض نہ ہو کہ میں دنیا کی ان تکالیف اور سختیوں سے گھبرا گیا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیرے زور قوت کے علاوہ کسی کے لیے کہیں اور پناہ نہیں ہے۔ بہرحال میں تیری رضا پر راضی ہوں اور اس کا طالب ہوں''۔

جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں مندرجہ بالا باتیں عرض کر رہے تھے تو اس وقت ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ و شیبہ برابر آپ کو دیکھے جا رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں کے دل میں آپؐ کے لیے رحم پیدا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام کو جو عداس کے نام سے مشہور تھا بلایا اور اس سے بولے:

''انگور کی یہ شاخ اس طباق میں رکھ کر ان صاحب کے پاس لے جاؤ جو سامنے بیٹھے ہیں اور ان سے اسے کھانے کے لیے کہو''۔

جب عداس آپؐ کے پاس انگوروں کا وہ طباق لے گیا اور آپؐ سے عرض کیا:

''یہ انگور کھا لیجیے''۔

تو آپؐ نے ''بسم اللہ'' کہہ کر انہیں کھانا شروع کیا۔ یہ سن کر عداس نے آپؐ سے کہا:

''اہل طائف تو یہ کلمہ زبان سے نہیں نکالتے''۔

آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا:

''[illegible]''

جب اس نے آپ کو بتایا کہ اس کا تعلق اہل نینوا سے ہے اور وہ عیسائی ہے' تو آپ نے فرمایا:

''اچھا تم وہیں کے رہنے والے ہو جہاں ایک نیک شخص یونس بن متی رہا کرتے تھے''۔

آپ کی زبان سے یونس بن متی کا نام سن کر عداس بولا:

''آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟''۔

آپ نے فرمایا:

''وہ میرے بھائی تھے' وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔

آپ کی زبان مبارک سے وہ نصرانی غلام عداس یہ کلمات سنتے ہی آپ کے سر اور ہاتھوں پاؤں کو بوسے دینے لگا۔ یہ دیکھو کہ ربیعہ کے مذکورہ بالا دونوں بیٹوں میں سے ایک نے اپنے بھائی سے کہا:

''تم اپنے اس غلام کی حرکات اور اس غلام اور اس کی غداری دیکھ رہے ہو؟''۔

پھر جب عداس ان دونوں کے پاس واپس آیا تو وہ یک زبان ہو کر اس سے بولے:

''تو اس آدمی کے ہاتھ پاؤں اور سر کیوں چوم رہا تھا؟''۔

عداس نے انہیں جواب دیا:

''اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا کیونکہ جو بات اس شخص نے مجھے بتائی ہے وہ نبی کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں بتا سکتا تھا''۔

عداس سے یہ سن کر عتبہ و شیبہ نے اس سے کہا:

''تو اس شخص کا مذاہب قبول نہ کر لینا کیونکہ تیرا مذہب اس شخص کے مذہب سے بہتر ہے''۔

موسیٰ بن عقبہ نے اس سلسلے میں اس دعا کا تو ذکر نہیں کیا جو آپ نے طائف میں اللہ تعالیٰ سے کی تھی لیکن اپنی روایت میں یہ ہے کہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تھے تو آپ کے راستے میں اہل طائف نے دو طرفہ جمع ہو کر آپ پر اتنے پتھر برسائے تھے کہ آپ کی ایڑیاں تک زخمی ہو کر آپ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے تھے۔ چنانچہ آپ ان سفاک لوگوں کی سنگ باری سے بچنے کے لیے جو اس طرح آپ کی جان لینے پر آمادہ تھے اس احاطے کے اندر داخل ہو گئے جہاں انگوروں کا باغ تھا لیکن وہاں آپ کو ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ کی موجودگی ناگوار گزری کیونکہ وہ بھی دشمنان اسلام اور مشرکین مکہ میں سے تھے۔ اس کے بعد موسیٰ بن عقبہ نے اپنی اس روایت میں نصرانی غلام کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر ہم ایک دوسری روایت کے حوالے سے ابھی کر چکے ہیں۔

اس سلسلے میں امام احمدؒ ابی بکر بن ابی شیبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے مروان بن معاویہ فزاری' عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی' عبدالرحمٰن بن خالد بن ابی جبل عدوانی نے آخر الذکر کے والد نے بتایا تھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو طائف کے مشرقی علاقے میں اس حالت میں دیکھا تھا کہ آپ عصا کا سہارا لیے کھڑے تھے اور جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ کی

[illegible] کی زبانی سے [illegible] وہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور وہ خود بھی اس وقت تک

مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد وہ آیت قرآنی اس نے پوری پڑھی جس کے یہ دو لفظ آپ کی زبان سے اس وقت اس نے سنے تھے۔ یہ بیان کرنے کے بعد یہی راوی کہتا ہے کہ: ''جب میں آپ کے پاس سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا: یہ شخص کیا کہہ رہا تھا؟ تو میں نے ان کے سامنے وہی دو لفظ دہرا دیئے۔ یہ سن کر ان لوگوں میں جو اہل قریش اس وقت وہاں موجود تھے بولے:

''ہم اپنے اس ساتھی کو خوب جانتے ہیں اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہ سچ کہتا ہے تب بھی ہم اس کی متابعت نہیں کریں گے''۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں عبداللہ بن وہب کے حوالے سے آئی ہے جو کہتے ہیں کہ انہیں یونس بن یزید نے ابن شہاب کے حوالے سے بتایا اور یہ بھی کہا کہ آخر الذکر نے عروہ بن زبیر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ روایت سنی جو انہوں نے یوں سنائی:

''ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تمہیں اس روز کا واقعہ نہیں معلوم جب تمہاری قوم (قریش) نے مجھ پر یوم احد سے بھی زیادہ مصیبت ڈھائی تھی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے یہ سن کر آپ سے پوچھا: یوم احد سے زیادہ؟ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سا دن تھا؟''۔

آپ نے جواب دیا:

''وہ دن وہ تھا جب میں پہلے روز اہل طائف کے پاس دین اسلام کی دعوت لے کر اور ان سے مشرکین مکہ کے خلاف امداد طلب کرنے گیا تھا تو وہاں سنگ باری کے سوا مجھے کچھ نہیں ملا تھا' میں ایک سڑک کے کنارے سر جھکائے کھڑا تھا اور مجھ پر اہل طائف کی طرف سے جن میں مشرکین قریش شامل تھے سنگ باری ہو رہی تھی' میں نے جب ذرا سر اٹھا کر دیکھا تو اس چلچلاتی دھوپ میں میرے سر پر ایک بادل سایہ فگن تھا۔ اسی بادل میں سے میں نے ایک آواز سنی: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ آپ کی قوم کا طرز عمل دیکھ لیا ہے اور آپ کی دعا بھی سن لی ہے۔ اس نے آپ کے پاس ''ملک الجبال'' کو بھیجا ہے' آپ جو چاہیں ان سے فرما دیجئے' وہ وہی کر دے گا یہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی۔ پھر ملک الجبال میرے پاس آیا اور بولا: ''مجھے اللہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے' اگر آپ فرمائیں تو میں یہاں کے داہنے اور بائیں دونوں پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں''۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں نے ملک الجبال سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی اولاد خدائے واحد پر ایمان لے آئے گی۔ اور پھر کبھی شرک میں مبتلا نہیں ہو گی''۔ ❶

ابن اسحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنات کا قرأت قرآن سننے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ

---

❶ اس روایت میں جو حدیث نبوی ہے اس کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ (مترجم)

واقعہ اس وقت ہوا تھا جب آپ طائف سے واپسی کے بعد ایک روز اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک درخت کے سائے میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جن جنات نے آپ کی زبان مبارک سے اس وقت تلاوت قرآن پاک سنی ان کی تعداد سات تھی اور انہی جنات کے متعلق قرآن کی یہ آیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی:

﴿ وَ اِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ﴾

ہم نے اس واقعہ کا ذکر حسب موقع اپنی تفسیر قرآن پاک میں کیا ہے۔ (مؤلف)

بہر کیف ابن اسحٰق اس روایت میں مزید کہتے ہیں کہ طائف سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم بن عدی کے پڑوس میں قیام فرمایا تھا تو مشرکین کی طرف سے آپ کو طرح طرح سے ایذا رسانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

اموی اپنی کتاب ''مغازیہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپسی کے بعد پہلے اریقط میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں اخنس بن شریق سے درخواست کی تھی کہ وہ مکہ میں اپنے پڑوس میں قیام کی اجازت دے دے لیکن اس نے یہ کہہ کر آپ کی درخواست رد کر دی تھی کہ قریش مکہ کے حلیف ان کے کسی مخالف کو ان اطراف میں بھی قیام کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چنانچہ اخنس بن شریق کا یہ جواب سن کر آپ سہیل بن عمرو کے پاس اسی غرض سے تشریف لے گئے تھے لیکن اس نے کہا تھا کہ بنی عامر بن لوی کے کسی شخص کا اپنے پڑوس میں قیام پسند نہیں کریں گے۔ تاہم اس نے مطعم بن عدی کے پاس آپ کو بھیج کر اس سے کہلوایا تھا کہ وہ آپ کو اپنے پڑوس میں قیام کی اجازت دے دے جس کو مطعم نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ مطعم کے پڑوس میں چند راتیں قیام پذیر رہ کر جب ایک دن صبح کے وقت نماز کے لیے وہاں سے نکلے تو چھ سات آدمی جو مسلح تھے آپ کے پیچھے ہو لیے اور جب آپ مسجد حرم میں پہنچے تو انہوں نے آپ کو آواز دے کر روکا اور اپنی اپنی تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھا لیکن اتفاق سے اسی وقت سفیان وہاں آ گیا اور بھاگ کر مطعم کو بلا لایا اور اس سے آپ کے متعلق پوچھا کہ آیا آپؐ اس کے تابع تھے یا اس کے پڑوسی تھے تو اس نے کہا کہ آپؐ اس کے تابع تو نہیں تھے لیکن اس کے پڑوسی ضرور تھے۔ یہ سن کر سفیان نے ان لوگوں کو جو آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے تعاقب میں آئے تھے اس سے روک دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا فرمائی اور اس تمام عرصے میں مطعم بن عدی سفیان کے ساتھ بیٹھا رہا اور جب آپؐ وہاں سے واپس آئے تو وہ بھی آپؐ کے ساتھ واپس آئے۔

اموی بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو ایک عرصہ گزرنے کے بعد جب مطعم بن عدی کا انتقال ہوا اور قریش مکہ نے (طوعاً و کرہاً) آپ کو مکے سے مدینے کو ہجرت کی اجازت دے دی تو حسان بن ثابت نے کہا کہ وہ مطعم بن عدی کا مرثیہ کہیں گے اور انہوں نے اس کے کچھ اشعار کہے بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے روز ارشاد فرمایا تھا کہ:

''کاش مطعم بن عدی آج زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ دیکھو آج قریش مکہ مہاجرین مکہ پر بلا وجہ چڑھ دوڑے ہیں لہٰذا ان سے پوچھو کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟'' (مؤلف)

آنحضرت ﷺ کا اپنی ذات والا صفات کو احیائے عرب کے لیے وقف کرنا

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب طائف سے واپسی پر قریش نے آنحضرت ﷺ پر ظلم اور زیادتی کی ابتدا کر دی تو اس وقت آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت کم تھی اور آپؐ موسموں کی تیزی و تندی کی پروا کیے بغیر ان راستوں پر تشریف لے جاتے تھے جن سے عرب کے دوسرے قبائل کے آتے تھے اور آپ انہیں اپنے نبی ہونے کے متعلق بتاتے کہ جب تک انہیں آپ کی صداقت کا یقین آئے اس وقت تک وہ کم سے کم قریش کے ظلم و ستم کے خلاف آپؐ کے ساتھ تعاون کرتے رہیں۔

ان اسحاق اپنے کچھ ہم عصر احباب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہیں زید بن اسلم اور ربیعہ بن عباد الدؤلی سے معلوم ہوا اور ان سے یعنی ابن اسحٰق سے ابوالزناد نے بھی بیان کیا اور اس کے علاوہ انہیں حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے والد کی زبانی بتایا کہ آخر الذکر اس زمانے میں ایک جوان لڑکے تھے اور ان کا قیام اپنے باپ کے ساتھ منیٰ میں تھا جب رسول اللہ ﷺ مکے میں آنے والے دوسرے عربی قبائل کے پاس ان کے مکے میں داخل ہونے سے قبل ان کی قیام گاہوں پر تشریف لے جا کر انہیں اپنی نبوت کے بارے میں بتا کر انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور ان سے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ مشرکین مکہ کے خلاف کم سے کم اس وقت تک آپؐ کے ساتھ تعاون کریں۔ جب تک وہ آپ کی نبوت پر ایمان لا کر علی الاعلان آپ کی اور دین اسلام کی صداقت کا اقرار نہ کرلیں۔ عبیداللہ بن عباس کے والد نے انہیں یہ بھی بتایا کہ جب آپؐ دوسرے عربی قبائل سے اس گفتگو کے بعد واپس آ جاتے تو اس کے فوراً ہی بعد کفار قریش میں سے کوئی شخص ان قبائل کے پاس جا پہنچتا اور ان سے کہتا کہ یہ شخص جو ابھی یہاں سے گیا ہے اور اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے چاہتا ہے کہ تم اپنے قدیم معبودوں لات و عزیٰ کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار پھینکو؛ اس لیے تم اس کی باتوں میں کبھی نہ آنا۔ اس کے بعد عبیداللہ ابن عباس کے باپ نے انہیں بتایا کہ ان قبائل کے پاس اکثر جانے والا اور رسول خدا ﷺ کے خلاف انہیں ورغلانے اور بھڑکانے والا شخص عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب یعنی ابولہب ہوتا تھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے اپنے باپ کے علاوہ ابراہیم بن ابی العباس کے حوالے سے بتائی اور یہ بھی بتایا کہ اس کا اصل راوی قبیلہ بنی دئل کا ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن عباد کے نام سے مشہور تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن زمانہ جاہلیت میں ذی المجاز کے بازار میں دیکھا جہاں آپؐ فرما رہے تھے کہ:

''اے لوگو: لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے''۔

اور لوگ آپؐ کے گرد و پیش جمع ہو رہے تھے۔ لیکن وہیں ایک اور شخص آپؐ کے پیچھے چل رہا تھا جو بظاہر بھینگا اور دوھوڑیوں والا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

''اس کی بات مت سننا' یہ (نعوذ باللہ من ذلک) گمراہ اور کاذب ہے جو اس کی بات مانے گا ایسا ہی گمراہ ہو جائے گا''۔

ربیعہ بن عباد نے لوگوں سے پوچھا کہ:

''یہ دوسرا آدمی کون ہے؟''۔

تو انہوں نے بتایا کہ:

''یہ پہلے شخص کا چچا ابولہب ہے''۔

بیہقی نے بھی یہ روایت محمد بن عبداللہ انصاری محمد بن عمرو اور محمد بن منکدر کے حوالے سے ربیعہ دئلی کی زبانی یوں پیش کی ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذی المجاز کے بازار میں دیکھا تھا جب آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کو ماننے کی تلقین فرماتے جا رہے تھے لیکن وہیں ایک اور شخص جو بھینگا اور دوڈھوڑی والا تھا آپؐ کے پیچھے پیچھے یہ کہتا ہوا چل رہا تھا کہ:

''لوگو! یہ شخص تمہیں تمہارے اور تمہارے آباو اجداد کے دین سے پھیرنا چاہتا ہے''۔

ربیعہ دئلی مزید کہتا ہے کہ جب اس نے لوگوں سے پوچھا کہ:

''یہ دوسرا شخص کون ہے؟''۔

تو انہوں نے اسے آپ کا چچا ابولہب بتایا۔

یہ روایت کئی دوسرے مستند حوالوں سے پیش کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ (دوسرے مقامات کی طرح) ایک روز آپ ذوالمجاز کے بازار میں تبلیغ اسلام فرما رہے تھے اور ایک شخص وہیں لوگوں کو آپؐ کے اور دین اسلام کے خلاف ورغلانے اور بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا اور آپؐ پر مٹی پھینک رہا تھا۔ ان روایات میں اس شخص کا نام ابوجہل بتایا گیا ہے جب کہ وہ انہی دونوں یعنی ابولہب اور ابوجہل میں سے کوئی ایک رہا ہوگا کیونکہ یہی دونوں بہت زیادہ خلاف اور آپ کو ایذا رسانی میں پیش پیش تھے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق ابن شہاب زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ قبیلہ کندہ' بنی کلاب' بنی حنیفہ وغیرہ متعدد قبائل عرب میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں ان قبائل کے سرداروں اور عام لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تلقین اور دین اسلام کی حقانیت کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے جب کہ وہ لوگ عموماً آپ کی تردید کیا کرتے تھے لیکن آپ نے پھر بھی یہ سلسلہ برسوں اسی طرح جاری رکھا کیونکہ آپؐ احیائے عرب کا پختہ عزم اپنے دل میں لیے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ اہل عرب اسلام کے زیر سایہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے درحقیقت دوبارہ زندگی پا کر ایک نیک اور فلاحی پرمسرت زندگی بسر کریں۔

انصار کے وفود کا سال بسال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ؐ کے دست مبارک پر بیعت کرنا اور آپ ؐ کا آخرکار مدینے تشریف لے جانا

سوید بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت:

سوید بن صامت[1] بن عطیہ بن حوط بن حبیب بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس کی والدہ ماجدہ نجاریہ عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ سلمٰی بنت عمرو کی ہمشیرہ تھیں۔ اس رشتے سے سوید بن صامت رسول اللہ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کے خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔

محمد بن اسحٰق بن یسار بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکے میں سال بسال آنے والے قبائل عرب کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے تو ان لوگوں میں جو درحقیقت شریف النفس اور اپنی قوم کے معزز لوگوں میں شمار ہوتے پہلے انہی کو دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے۔ ان میں جو یہ دعوت قبول کر لیتا یا اپنی ضد پر قائم رہ کر اسے قبول نہ کرتا دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمایا کرتے تھے۔

ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے جو اپنی قوم کے شیوخ میں شمار ہوتے تھے بیان کیا کہ بنی عمرو بن عوف کے بھائی سوید بن صامت بھی ایک سال مکہ میں حج یا عمرہ کے لیے آئے تھے۔ سوید بن صامت اپنی قوم کے معزز ترین لوگوں میں سے تھے اور عرب کے کئی مشہور شاعروں نے ان کے اوصاف حسنہ کو اپنے اشعار میں پیش کیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکے میں ان کی آمد کے بارے میں سنا تو آپ ؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ بولے:

''جو کچھ میرے پاس ہے اس سے زیادہ آپ ؐ کے پاس کیا ہے؟''۔

آپ ؐ نے پوچھا:

''تمہارے پاس کیا ہے؟''۔

وہ بولے: ''مجلّہ لقمان یعنی حکمت''۔

آپ ؐ نے فرمایا:

''یہ اچھی چیز ہے لیکن میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے''۔

---

[1] ''اصل'' میں انہیں یعنی سوید کو بن صامت ہی لکھا گیا لیکن سہیلی نے انہیں سوید بن صلت بن حوط لکھا ہے۔ (مؤلف)

اس نے پوچھا: ''وہ کیا؟''

آپؐ نے فرمایا:

''وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا اور وہ سراسر نور و ہدایت ہے''۔

پھر آپؐ نے قرآن کی چند آیات سنائیں اور مکرر اسلام کی دعوت دی۔ اس نے آپ کی زبان مبارک سے آیات سن کر کہا:

''یہ بھی نہایت عمدہ کلام ہے''۔

تاہم جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے وہ مسلمان نہیں ہوا۔

بہرکیف جب وہ مدینے اپنی قوم میں واپس پہنچا تو (نامعلوم وجوہ کی بناء پر) بنی خزرج کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جب اس کے بارے میں اس کی قوم کے لوگوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ قتل ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ تاہم وہ دوبارہ لوٹ کر مکے نہیں آ سکا تھا۔

یہ روایت بیہقی نے بھی مختصر طور پر حاکم' اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس بن بکیر اور ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

ایاس بن معاذ کا اسلام لانا

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے حصین بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن معاذ کے حوالے سے محمود بن لبید کا یہ قول نقل کیا جو کہتے ہیں کہ جب ابوالحیسر انس بن رافع مکے آئے تو ان کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے کچھ ممتاز و معزز لوگ بھی تھے جن میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھے۔ جب قریش مکہ میں ان کی آمد کی خبر ہوئی تو آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا:

''جس کام کے لیے آپ لوگ یہاں آئے ہیں اس سے بہتر چیز میں آپ کو پیش کرتا ہوں''۔

ان لوگوں نے پوچھا:

''وہ کیا ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''دین اسلام''۔

اس کے بعد آپ نے قرآن پاک کی چند آیات انہیں سنائیں۔ محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ ایاس اس زمانے میں نوجوان تھے۔ انہوں نے آپ کی زبان سے قرآن پاک کی وہ آیات سن کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

''لوگو! یہ بات واقعی اس بات سے بہتر ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔''

ایاس کی زبان سے یہ کلمات سن کر ابوالحیسر نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر اس کے منہ پر پھینکی اور کہا:

''ہم یہاں اس لیے نہیں آئے بلکہ اس سے بہتر بات کے لیے آئے ہیں''۔

ابوالحیسر سے یہ سن کر ایاس خاموش ہو گئے اور آنحضرت ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ جب وہ لوگ مکے سے مدینے پہنچے تو اس کے بعد واقعہ بعاث پیش آیا یعنی بنی اوس اور بنی خزرج میں باہم جنگ چھڑ گئی جس میں ایاس بھی کام آ گئے۔ اس لیے وہ دوبارہ مکے واپس نہیں آ سکے لیکن محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے ایاس بن معاذ کے بارے میں ان کی قوم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ بنی اوس و بنی خزرج کی باہمی جنگ میں کام آنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے' اس کی حمد کیا کرتے تھے اور انہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مرنے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مجلس میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم کے سامنے دین اسلام پیش کیا تھا تو وہ فوراً ہی آپؐ کے کلام سے متاثر ہو گئے تھے اور انہوں نے دل میں شعوری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا یہ الگ بات ہے کہ بدقسمتی سے وہ دوبارہ مکے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اقرار نہ کر سکے۔

بعاث مدینے میں اس جگہ کا نام ہے جہاں اوس وخزرج میں جدال وقتال کا عظیم واقعہ پیش آیا تھا اور اس میں دونوں طرف کے اکثر ممتاز ومعزز لوگ قتل ہو گئے تھے جن میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھے اور اس کے بعد ان دونوں قبائل کے بزرگوں میں بہت کم لوگ باقی بچے تھے۔ (مؤلف)

بخاریؒ صحیح بخاری میں عبید بن اسماعیل ابی امامہ ہشام اور ان کے والد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ان کے بقول جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے مدینے کو ہجرت کا حکم دیا اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو بعاث کا عظیم واقعہ پیش آ چکا تھا اور اس میں اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے بہت سے شریف ومعزز لوگ قتل ہو گئے تھے۔

باب ۵

انصار رضی اللہ عنہم میں اسلام کی ابتداء

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین یعنی اسلام کے کامل اظہار اور اس کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کو مزید عزت بخشنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے عملاً کر دکھایا۔ ہوا یوں کہ آنحضرت ﷺ جس طرح پہلے ہر سال ان دنوں میں جب دوسرے قبائل عرب مکے آیا کرتے تھے ان کے پاس جا کر ان کے سامنے دین اسلام پیش فرمایا کرتے تھے اسی طرح ایک سال ایک قبیلے کی آمد کی خبر سن کر آپ جب اس کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے تو وہاں آپؐ نے پہلے قبیلہ خزرج کے چند افراد کو دیکھا۔ یہ جگہ عقبہ کے قریب تھی۔ جب آپ نے ان لوگوں سے گفتگو کے بعد انہیں اسلام قبول کرنے کی پیش کش کی تو سب سے پہلے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ کون لوگ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ پھر آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ لوگ یہود کے موالیوں میں سے تھے تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تب آپؐ نے ان سے فرمایا:

''کیا ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو نہیں کر سکتے''۔

تو وہ لوگ اس پر رضا مند ہو گئے۔ یہ بات جیسا کہ ابن اسحق نے بیان کیا انہیں عاصم بن عمرو قتادہ نے بتائی جو بنی خزرج کے شیوخ میں سے تھے۔ انہوں نے بتایا: ''جب میری قوم کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو پر آمادہ ہو گئے اور آپ کو اپنے پاس بٹھایا تو آپ نے انہیں یہ بتا کر کہ آپؐ نبی ہیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہا اور انہیں قرآن پاک کی کچھ آیات بھی سنائیں اور بتایا کہ اگرچہ وہ یہودیوں کے ساتھ ان کی بستیوں میں رہ رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی خبر دی ہے کیونکہ یہودی ہر چند اہل کتاب اور اہل علم ہیں لیکن اب بت پرستوں کے ساتھ ہو کر مشرک ہو گئے ہیں۔ اس پر وہ لوگ جو کچھ علم رکھتے تھے بولے کہ اگر یہودی ان سے لڑے تو وہ انہیں قتل کر دیں گے اور اگر عرب میں جیسا کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب میں لکھا ہے' کوئی نبی عنقریب آیا تو وہ اس کی اتباع کریں گے اور اس طرح یہودی بھی عاد وارم کی طرح تباہ ہو جائیں گے اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر عرب میں کوئی نبی پیدا ہوا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ چنانچہ جب آپؐ نے انہیں بتایا کہ عرب میں پیدا ہونے والا وہ نبی آپؐ ہی تھے اور انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ بولے کہ اب امید ہے ان کی قوم کے باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں گے جو آپؐ نے ہمیں دی ہے۔ چنانچہ جب وہ لوگ مکے سے واپس ہوئے تو آپ کی صداقت کو تسلیم کر کے مسلمان ہو چکے تھے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا وہ تعداد میں چھ آدمی تھے اور ان سب کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ انہی لوگوں میں ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عدس بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار بھی شامل تھے۔ بنی خزرج کے ان مذکورہ شخص کے متعلق ابونعیم بیان کرتے ہیں کہ بنی خزرج کے انصار میں سے اسلام لانے والے یہ پہلے شخص تھے اور قبیلہ اوس میں سے سب سے

پہلے اسلام لانے والے ابوالہیثم بن تیہان تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قبیلے سے پہلے ایمان لانے والے رافع بن مالک اور معاذ بن عفرہ تھے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد ایمان لانے والے عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن نجار تھے' یہ عفراء کے بیٹے تھے اور ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنی نجار سے تھا۔ ایمان لانے والوں کی پہلی جماعت میں رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن زریق زرقی اور قطبہ ابن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد ابن ساردہ بن تزید[1] بن جشم بن خزرج سلمی بھی شامل تھے جن کا تعلق بنی سواد رضی اللہ عنہم سے تھا۔ بنی حرام میں سے اس جماعت میں جابر بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان ابن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اس کے بعد مسلمان ہونے والے بنی عبید کے لوگ تھے۔ شعبیؒ اور زہری کہتے ہیں کہ یہ چھ کے چھ حضرات درحقیقت قبیلہ خزرج ہی کے لوگ تھے اور ان کی تعداد چھ ہی تھی۔

اس سلسلے میں موسیٰ بن عقبہ نے جو روایت زہری اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ انصار میں جن لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بیعت کی تھی ان کی تعداد آٹھ تھی اور ان کے نام یہ تھے: معاذ بن عفراء' اسعد بن زرارہ' رافع بن مالک' ذکوان یعنی ابن عبدقیس' عبداللہ بن صامت' ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ' ابوہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔ یہ لوگ ایمان لانے کے بعد جب مکے سے لوٹ کر اپنے اپنے قبائل میں گئے تو انہوں نے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور یوں بہت سے لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے۔ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاذ بن عفراء اور رافع بن مالک کو بھیجا اور یہ درخواست کی کہ آپؐ ان کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو انہیں فقہ کی تعلیم دے چنانچہ آپؐ نے ان لوگوں کے پاس مسلم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا جو وہاں پہنچ کر اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے۔ ابن اسحٰق کے علاوہ موسیٰ بن عقبہ نے یہ جملہ حالات وکوائف از اوّل تا آخر تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ بہرکیف اس طرح اوس وخزرج قبائل سے نکل کر جو یہود کے زیراثر تھے دیگر قبائل میں پھیلتا چلا گیا جس کی ابتداء احیائے عرب کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مساعی جمیلہ سے ہوئی تھی۔
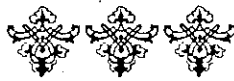
[1] یہ نام تاریخی کتاب ''اصل'' میں سادہ بن یزید لکھا ہے لیکن ابن ہشام نے ان کا نام ساردہ بن تزید لکھا ہے جو ہم نے یہاں درج کیا اور یہی درست ہے۔ (مؤلف)

بیعتِ عقبۂ ثانیہ

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینے سے مکے واپس آئے تو ان کے ہمراہ متعدد مسلمانوں کے علاوہ جو حج کے لیے وہاں آئے تھے بے شمار مشرکین بھی تھے جو از منہ قدیم کی طرح اس سال بھی حج ہی کے لیے آئے تھے لیکن جب وہ مکے پہنچ کر مکے کے ایک پہاڑی علاقے کی گھاٹی عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان مشرکین کے دل میں بھی اسلام کی کشش اور آپؐ کے لیے عزت و احترام پیدا ہو چکا تھا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے معبد بن کعب بن مالک نے بیان کیا کہ ان کے بھائی عبداللہ بن کعب انصار میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ شخص تھے۔ انہیں ان کے والد کعب نے جو عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہوئے تھے بتایا:

جب ہم اپنی قوم کے ان حجاج کے ساتھ جو اس وقت تک سب کے سب مشرک تھے مدینے سے حسب معمول سالانہ حج کے لیے مکے کے سفر پر روانہ ہوئے۔ تو ہم میں ہماری قوم کے ایک بزرگ شخص براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور ابھی ہم راستے ہی میں تھے تو ہمارے ان بزرگ نے ایک روز ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں خود کو خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے دیکھا ہے حالانکہ ہم آج ظہر کے وقت شاید ہی منیٰ یعنی خانہ کعبہ تک مکے میں پہنچ سکیں گے اور یہ بھی کہا کہ ہم لوگ مکے میں جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں وہ سنا ہے شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آخر انہیں ایسا خواب کیوں نظر آیا۔ بہر حال جب ہم مکے پہنچے تو وہاں ہم نے ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا کہ ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں؟ اس نے ہم سے پوچھا: ''کیا آپ لوگ انہیں پہچانتے نہیں؟''۔ ہم نے کہا: ''نہیں'' وہ بولا: ''اس کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو جانتے ہو؟'' ہم نے کہا: ''ہاں انہیں تو جانتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہاں بغرض تجارت کئی بار آ چکے ہیں''۔ یہ سن کر وہ بولا:

''پھر تم مسجد میں چلے جاؤ' جہاں عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوں وہیں وہ بھی بیٹھے ہوں گے''۔

چنانچہ ہم دونوں جب وہاں پہنچے تو ہم نے جناب عباس کو اور ان کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تو انہیں سلام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباسؓ سے پوچھا کیا آپ ان دو آدمیوں کو جانتے ہیں؟ وہ بولے:

''جی ہاں! ان میں ایک تو براء بن معرور ہیں اور دوسرے کعب بن مالک ہیں''۔

اس کے بعد جب براء بن معرور نے آپ کو اپنا خواب سنا کر حیرت کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''تمہارے دل میں اسلام کی تمنا تھی اور تم اس کے اظہار کا مسلمان ہو کر بھی انتظار کرتے رہے تھے' یہ اسی کا اظہار تھا''۔

اسی روایت میں ہے کہ ان دونوں حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو اس وقت بھی آپؐ نے شام یعنی قبلہ اوّل کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد جب یہ لوگ مکے سے لوٹ کر مدینے گئے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ یعنی براء بن معرور مرتے دم تک آپ کی تقلید میں شام ہی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ واللہ اعلم

کعب بن مالک اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینے سے مکے پہنچے تھے۔ تو حج سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عقبہ پہنچے تھے تو وہ ایام تشریق تھے وہ کہتے ہیں:

''وہاں جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہمارے ساتھ عبداللہ بن عمرو ابو جابر بھی تھے جو ہماری قوم کے سردار مانے جاتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا: ''اے ابوجعفر! ہم اپنی قوم سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہے ہیں اور تمہاری حسبِ خواہش تمہیں بھی لیے جا رہے ہیں تاکہ تم اسلام میں داخل ہو کر کل عذابِ جہنم سے نجات پاسکو۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ اس لیے یہ بھی اہل عقبہ کہلائے' بلکہ اس کے نقیب ٹھہرے''۔

بخاریؒ کی روایت اس سلسلے میں یہ ہے کہ ان سے ابراہیم اور ہشام نے بیان کیا کہ انہیں ابن جریج سے معلوم ہوا اور انہیں یعنی ابن جریج کو عطا اور جابر نے بتایا کہ وہ ان کے والد اور ماموں اصحاب عقبہ میں سے ہیں۔ عبداللہ بن محمد اور ابن عیینہ کے بیان کے مطابق عقبہ میں اسلام لانے والے لوگوں میں براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ہم سے علی بن مدینی اور سفیان نے بیان کیا کہ انہوں نے عمرو سے سنا جنہیں جابر بن عبداللہ نے بتایا کہ وہ خود بھی بیعت عقبہ میں شامل تھے اور ان کے ساتھ اس میں ان کے ماموں عقبہ بھی تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں عبدالرزاق اور معمر نے ابن خثیم' ابی زبیر اور جابر کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت کے دس سال بعد تک ہر موقع پر مکے آنے والے دوسرے عربی قبائل کے پڑاؤ پر مسلسل تشریف لے جاتے اور انہیں دعوتِ اسلام دیتے تھے لیکن ایک مدت تک آپ کی اتباع اور آپ کی نصرت پر آمادہ ہونے والا ان میں سے آپ کو ایک بھی نہ ملا تھا حتیٰ کہ یمن یا مصر کے کسی شخص نے اپنی قوم کو آپؐ کے اوصاف اور آپ کی رحمدلی سے واقف کیا تو ان میں سے اکثر لوگوں نے اسے آپ سے ملنے جلنے سے احتراز کی نصیحت کی تھی لیکن جب آپؐ کے مدینے تشریف لے جانے اور وہاں جوق در جوق لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی خبر انہیں ملی تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور پھر یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑھتا ہی چلا گیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انصار مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر مقام عقبہ پر بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے جب مسلمان ہونے کے بعد مدینے واپس ہوئے تو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ وہاں علی الاعلان بیان کر دیا۔ اس وقت ان کی قوم کے شیوخ اور دیگر شرفاء میں جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ شامل تھے۔ البتہ ان کے بیٹے معاذ بن عمرو عقبہ میں دوسرے انصار مدینہ کے ساتھ جن کا ذکر

پہلے ہو چکا ہے مسلمان ہو چکے تھے۔ عمرو بن جموح جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا انصار مدینہ کے معزز لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں منات نام کا ایک بت رکھ چھوڑا تھا جس کی وہ بڑے احترام کے ساتھ پرستش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ قوم انصار کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے بلکہ خود عمرو بن جموح کے بیٹے معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزرتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک دن رات کے وقت باہم مشورے کے بعد اس بت کو عمرو کے گھر سے اٹھا کر قریب کے ایک گڑھے میں پھینک دیا جسے صبح کو وہاں دوسرے لوگ جمع ہو کر جھانک جھانک کر دیکھنے لگے۔ عمرو بن جموح نے بھی صبح کو بیدار ہو کر یہ ماجرا دیکھا تو بہت جز بز ہوئے۔ بہر حال انہوں نے اس بت کو گڑھے سے نکال کر دھویا اور پھر اپنی جگہ رکھ دیا لیکن جب کئی بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے بڑا واویلا کیا اور کہا کہ نہ جانے کون ان کے معبود کے ساتھ یہ نازیبا حرکت کر رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس بت کو اچھی طرح غسل دینے کے بعد اس کی گردن میں کھلی تلوار لٹکا دی اور اسے حسبِ معمول اس کی جگہ رکھ دیا لیکن اگلی صبح کو انہوں نے دیکھا کہ ان کا معبود منات قریب کے ایک گہرے نالے میں پڑا ہے اور اس کی گردن میں تلوار کی جگہ مردہ کتا رسی سے بندھا ہوا ہے۔ جب یہ واقعہ بھی بار بار پیش آیا تو انہیں اپنے معبود کی بے بسی کا نقش بٹھا دیا اور آخر کار وہ بھی مسلمان ہو گئے کیونکہ وہ اپنی گمراہی کو بخوبی سمجھ گئے تھے۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ نظم بھی کیا ہے۔

اس سے قبل بیعت عقبہ ثانیہ کے ضمن میں تہتر انصار مسلمان ہو چکے تھے جن کی تعداد قبیلہ وار تواریخ میں بیان کی گئی ہے۔

باب ۶

آنحضرت ﷺ کی مکے سے مدینے کو ہجرت

زہری نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک دن مکے میں آپؐ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا:

''میں نے آپ لوگوں کے لیے ہرے بھرے مقامات کے درمیان کھجوروں کے درختوں پر مشتمل ہجرت کا مقام دیکھا ہے''۔

چنانچہ آپؐ کے اس ارشاد گرامی کے بعد پہلے ان مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی جو اس سے قبل حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ یہی روایت بخاریؒ نے بھی پیش کی ہے۔ نیز ابوموسیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث یوں بیان کی ہے:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوروں کے باغات ہیں لہٰذا پہلے میرا دھیان یمامہ یا ہجر کی طرف گیا لیکن درحقیقت وہ یثرب کا شہر تھا''۔

یہ روایت بھی بخاریؒ نے کافی تفصیل کے ساتھ بہ اسناد پیش کی ہے۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے یہ دونوں حدیثیں ابی کریب کے حوالے سے بھی بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن مراد نے مسلم کے ساتھ یہ احادیث ابی اسامۃ یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ اور آخر الذکر کے دادا نیز ابی موسیٰ بن قیس کے حوالے سے خاصی طوالت کے ساتھ تفصیلاً بیان کی ہیں۔

حافظ ابوبکر بیہقی فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ الحافظ' ابوالعباس قاسم بن قاسم سیاری نے مرو میں اور ان کے علاوہ ابراہیم بن ہلال' علی بن حسن بن شقیق اور عیسیٰ بن عبید الکندی نے غیلان بن عبداللہ عامری' ابی زرعہ بن عمرو بن جریر اور جریر کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث بیان کی:

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ ہجرت کے لیے تین شہروں کی خبر دی تھی لیکن آخر کار جو شہر اس کے لیے مقرر فرمایا وہ مدینہ تھا''۔

اہل علم اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دے کر پہلے بحرین' قنسرین یا مدینے میں سے کسی جگہ ہجرت کا اختیار دیا تھا لیکن بعد میں اس کے لیے مدینہ مخصوص کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ کے لیے ہجرت کا حکم دیا۔

یہ حدیث اگرچہ بڑی غریب ہے' تاہم ترمذی نے اسے دوسری اسناد کے علاوہ بطور خاص ابی عمار حسین بن حریث' فضل بن موسیٰ' عیسیٰ بن عبید' غیلان بن عبداللہ عامری' ابی زرعہ بن عمرو بن جریر اور جریر کے حوالے سے باب مناقب میں پیش کرتے ہوئے اگرچہ حدیث غریب ہی بتایا ہے' البتہ ابوعمار کی سند کی بناء پر اسے حدیث فضل میں شمار کیا ہے۔

میری رائے میں غیلان بن عبداللہ عامری نے اس حدیث کو ابن حبان کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اسے احادیث ثقات میں ضرور شمار کیا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اسی نے ہجرت کے بارے میں اس حدیث کو ابی زرعہ کے حوالے سے ''حدیث

منکر'' کیوں بتایا ہے؟۔ واللہ اعلم

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کفار سے لڑائی کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا الخ ﴾

پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت کے ساتھ ان لوگوں کو جو کفار سے جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی امداد کرتے ہوئے زندہ بچ گئے تھے ان لوگوں کے پاس جو اسلام کے بارے میں آپ کی حمایت کر رہے تھے یعنی انصار کے پاس جانے کی اجازت بھی مل گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے مسلمانوں کے علاوہ مکے کے دوسرے مسلمانوں کو بھی مدینے کی طرف ہجرت کا حکم دے کر فرمایا کہ وہ انصار مدینہ کے ساتھ بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں تا کہ انہیں وہاں بھائیوں ہی جیسے حقوق حاصل ہو جائیں۔ بہر کیف اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے جن قریش اور بنی مخزوم کے لوگوں میں جس شخص نے سب سے پہلے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی وہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھے۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ سے بھی پہلے مدینے ہجرت کی تھی کیونکہ وہ حبشہ کو ہجرت کے بعد جب وہاں سے مکہ واپس آئے اور مشرکین قریش انہیں اذیت دینے سے باز نہ آئے تو انہوں نے یہ سن کر کہ انصار مدینہ مسلمانوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کر رہے ہیں مدینے کو ہجرت کر گئے تھے۔

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد بزرگوار نے سلمہ بن عمر بن ابی سلمہ اور آخر الذکر کی دادی کے حوالے سے بتایا جو کہتی ہیں کہ:

''جب ابوسلمہ نے مکے سے مدینے کے لیے سامانِ سفر تیار کر لیا تو اپنے اونٹ کو بٹھا کر مجھے اس پر بٹھایا اور میرے ساتھ میرے بیٹے سلمہ بن ابی سلمہ کو بھی سوار کر دیا اور خود اس کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگے۔ پھر میں نے دیکھا کہ بنی مغیرہ کے کچھ لوگوں نے انہیں روک کر کہا: اس بوڑھی عورت اور اس لڑکے کو اس اونٹ پر بٹھا کر کس کس شہر کی سیر کرانے لے جا رہے ہو؟ تم ہمیں دھوکہ دے کر چل تو دیئے ہو مگر ہم تمہیں یہ مال سمیٹ کر یہاں سے ایک قدم آگے نہیں جانے دیں گے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اونٹ سے اتار لیا۔ پھر بولے:

''یہ لڑکا بھی ہمارا ہی ہے ہم اسے بھی نہیں چھوڑیں گے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے میرے بیٹے کو بھی اونٹ سے اتار لیا اور اونٹ کی مہار ابوسلمہ کے ہاتھ سے چھین کر اسے ایک طرف ہانکنے لگے لیکن اس وقت بنی اسد کے کچھ لوگ وہاں آ گئے اور ان کے ساتھ بنی سلمہ کے لوگ بھی تھے۔ وہ بنی مغیرہ کے لوگوں سے تکرار کرنے لگے تو انہوں نے ابوسلمہ اور اونٹ کو تو چھوڑ دیا لیکن مجھے اور میرے بیٹے کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ میرے خاوند تنہا ہی مدینے کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس طرح میں اور سلمہ ان ظالموں کی قید میں تنہا رہ گئے۔ اس حالت میں ایک عرصہ گزر گیا تو ایک روز وہاں جہاں ہمیں بنی مغیرہ نے قید کر رکھا تھا میرے چچا کے بیٹوں میں سے ایک کا بنی مغیرہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہ

مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو ان کی قید میں دیکھ کر بولا:

''بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے اس غریب دکھیا کو اس کے خاوند سے اور اس لڑکے کو اس کے باپ سے بے قصور جدا کر رکھا ہے''۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اس تمام عرصے میں برابر روتی رہی تھی۔ بہر حال بنی مغیرہ کو مجھ پر شاید کچھ ترس آ گیا تو وہ بولے:

''تو جہاں چاہے جا سکتی ہے''۔

لیکن اسی وقت بنی اسد کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے اور انہوں نے بنی مغیرہ سے کہہ سن کر مجھے اونٹ پر سوار کرایا اور میرے بیٹے کو بھی میرے ساتھ بٹھا دیا۔ چنانچہ ہم دونوں وہاں سے تن تنہا روانہ ہوئے تو ہمیں راستے میں خلق خدا میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو ہماری کچھ مدد کرتا۔ اس طرح کافی دنوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ہمیں تنعیم جو پہلے شخص ملے وہ عثمان بن ابی طلحہ بنی عبدالدار کے بھائی تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر بولے:

''ابی امیہ کی بیٹی کہاں کا ارادہ ہے؟''

میں نے جواب دیا: میں اپنے شوہر کے پاس مدینے جا رہی ہوں'' یہ سن کر وہ بولے:

اور تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے؟''۔

میں نے جواب دیا:

''میرے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے یا میرا صغیر سن بیٹا ہے''۔

میری زبان سے یہ سن کر وہ بولے:

''بہر حال میں اس طرح تو تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا''۔

یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور آگے آگے چلنے لگے۔ اسی طرح وہ منزل بمنزل چلتے رہے۔ جب شام ہو جاتی تو وہ مجھے کسی درخت کے نیچے بٹھا کر اونٹ کی مہار اسی درخت کی کسی شاخ سے باندھ دیتے اور ہم سے دور ہٹ کر ہمارے لیے کھانا تیار کرنے لگتے۔ پھر جب صبح ہو جاتی تو وہ اسی طرح ہمارے اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چل پڑتے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:

''میں نے اس شخص سے زیادہ پورے عرب میں کوئی نیک اور رحمدل آدمی نہیں دیکھا''۔

اس کے بعد انہوں نے بیان کیا: اسی طرح وہ ہمیں مدینے تک لے گئے لیکن جب ہم لوگ قبا کے نزدیک بنی عمرو بن عوف کی بستی میں پہنچے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا:

''کیا تمہارے خاوند یہاں ہیں؟''۔

مجھے اس کا علم نہیں تھا لیکن اتفاق سے وہ وہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ مجھے اور میرے بیٹے کو ان کے سپرد کر کے خود مکے کی طرف لوٹ گئے۔ یہ واقعہ بیان کر کے ام سلمہ رضی اللہ عنہا عثمان بن طلحہ کو حد سے زیادہ تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ کہتی ہیں:

مجھے نہیں معلوم کہ اہل عرب کے کس گھرانے پر اس سے زیادہ کبھی پہلے کوئی مصیبت پڑی ہو''۔

ابن اسحٰق بتاتے ہیں کہ یہ شخص عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ العبدی صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکے سے مدینے کو ہجرت کی تھی۔ ان کے والد اور بھائی حارث' کلاب اور مسافع احد کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہی کے چچا بنی شیبہ کے والد شیبہ سے کعبے کی کنجیاں طلب فرماتے ہوئے ان سے اسی نرم لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی جیسی آپ دوسروں سے اور خود ان سے زمانہ جاہلیت میں فرمایا کرتے تھے اور ان سے وہی کہا تھا جو مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں مذکور ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْ مُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْ الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابی سلمہ کے بعد ہجرت میں پہل کرنے والے بنی حدی کے حلیف عامر بن ربیعہ تھے جنہوں نے اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ عدویہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ان کے بعد بنی امیہ بن عبد شمس کے حلیف عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ ابن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ نے اپنے اہل خانہ اور اپنے بھائی عبدابی احمد کے ہمراہ ہجرت کی۔ ابن اسحٰق بتاتے ہیں کہ عبد کو ثمامہ بھی کہا جاتا تھا لیکن سہیلی کے بقول ان کا اصلی نام عبد ہی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابواحمد کی نظر بہت کمزور تھی لیکن اس کے باوجود وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس کے نشیبی اور بلند کے جملہ حصے کسی قائد کے بغیر طے کر لیتے تھے اور وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی مدد کے لیے ان کے پاس فارعہ بنت ابی سفیان رہا کرتی تھیں نیز یہ کہ ان کی والدہ کا نام اُمیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔

اس کے بعد ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ابوسلمہ' عامر بن ربیعہ اور بنی جحش قبا پہنچ کر مبشر بن عبدالمنذر کے پاس ٹھہرے تھے۔ ان کے بعد جملہ اہل اسلام یکے بعد دیگرے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کرتے گئے جن میں اکثریت بنی غنم بن دودان کے قبیلے کے مردوں اور عورتوں کی تھی۔ اس دوسرے گروہ کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد' عکاشہ بن محصن' وہب کے دونوں بیٹے شجاع اور عقبہ' اربد بن جمیرہ[1]' منقذ بن نباتہ' سعید بن رقیش' محرز بن نضلہ' زید بن رقیش' قیس بن جابر' عمرو بن محصن' مالک بن عمرو' صفوان بن عمرو' ثقف بن عمرو' ربیعہ بن اکثم' زبیر بن عبیدہ' تمام بن عبیدہ' سخبرہ بن عبیدہ اور محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم۔

مندرجہ بالا حضرات کے ساتھ جو خواتین تھیں ان کے نام یہ ہیں:

زینب بنت جحش' حمنہ بنت جحش' ام حبیب بنت جحش' جدامہ بنت جندل' ام قیس بنت محصن' ام حبیب بنت ثمامہ' آمنہ بنت رقیش اور سخبرہ بنت تمیم۔

ابن اسحٰق کے بقول ابواحمد بن جحش نے جو اس قافلے کے ہمراہ مکے سے مدینے ہجرت کر گئے تھے اس ہجرت کے بارے

---

[1] ابن ہشام نے انہیں ابن حمیرہ لکھا ہے۔ (مؤلف)

میں بڑے گراں قدر اشعار بھی کہے تھے۔

ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق مذکورہ بالا کاروان مہاجرین کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عباس بن ابی ربیعہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب وہ اور عیاش مکے سے مدینے کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے پیچھے پیچھے ہشام بن عاص بھی چلے تو انہوں نے عیاش سے کہا کہ وہ شاید اس روز تناضب نہ پہنچ سکیں گے لیکن ہشام تناضب میں رُک گئے اور ہم آگے بڑھ گئے اور مدینے جا پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب وہ اور عیاش مدینے پہنچے تو انہوں نے پہلے قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان کے مدینے پہنچنے سے قبل ابوجہل اور حارث بن ہشام وہاں گئے تھے اور لوگوں کو حد سے زیادہ ورغلانے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں سے ناکام لوٹے تھے حتیٰ کہ اس کے کچھ ہی عرصے بعد رسول اللہ ﷺ خود بھی مکے سے ہجرت فرما کر مدینے پہنچ گئے تھے۔ اس سے قبل ہم مکے میں اہل فتن سے برابر کہتے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ اگر وہ فتنہ پردازی سے باز نہ آئے قبول نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے بعد آپؐ پر ایک آیت نازل فرما کر اس کی تصدیق فرما دی۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ...... الخ ﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس قرآنی آیت کو لکھ کر ہشام بن عاص کے پاس بھیج دیا تھا جن کا بیان ہے کہ پہلے تو وہ اس آیت کا مفہوم سمجھے ہی نہ تھے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی تفہیم کے لیے دعا کی تو اس نے اپنے کرم سے انہیں اس کا مفہوم ان کا دل اس طرف متوجہ فرما کر سمجھا دیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینے آ گئے۔

بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوالولید اور شعبہ نے بیان کیا نیز ابواسحاق نے بتایا کہ انہوں نے براء سے سنا جو کہتے ہیں کہ ان سے قبل ہجرت کرنے والے مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے۔ اس کے بعد عمار و بلال رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی اور یہ دونوں دوسرے لوگوں کو بھی بلاتے جاتے تھے۔

بخاریؒ مزید کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن بشار، منذر اور شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے البراء بن عازب سے سنا کہ ان سے قبل مصعب بن عمیر اور ابن مکتوم رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی جو دوسرے لوگوں کو بھی اس کے لیے بلاتے جاتے تھے، اس کے بعد بلال وسعید اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم مکے سے روانہ ہوئے۔ پھر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ (ﷺ) کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ہجرت کی اور سب کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ آپ کی تشریف آوری سے سب سے زیادہ خوش ہوئے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی آپ کی آمد پر خوشی کے گیت گانے لگیں اور سورۂ شریفہ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ...... الخ ﴾ پوری پڑھی جانے لگی۔

مسلم نے اپنی صحیح میں قریب قریب یہی بیان کیا ہے لیکن اس روایت میں ابی اسحٰق' البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسرائیل کے اس قول کا اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے قبل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی مکے سے مدینے ہجرت کر چکے تھے۔ تاہم موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کے خیال میں سعد بن ابی وقاص نے آپؐ کے بعد ہجرت کی تھی۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے پہنچے تو ان کے ہمراہ ان کے اہل وعیال' ان کے بھائی زید بن خطاب' سراقہ بن معتمر کے دونوں بیٹے عمرو وعبداللہ رضی اللہ عنہم' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی اور ان کے چچا زاد بھائی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کے حلیف واقد بن عبداللہ تمیمی' خولی بن ابی خولی' مالک بن ابی خولی اور بنی عجل و بنی کبیر میں سے ان کے حلیف ایاس وخالد اور عاقل وعامر نیز بنی سعد بن لیث کی طرف سے ان کے کچھ حلیف تھے جو مدینے پہنچ کر سب کے سب بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں سے رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنیر کے پاس قباء میں ٹھہرے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان کے بعد جن لوگوں نے مکے سے مدینے کو ہجرت کی ان میں سے طلحہ بن عبیداللہ اور صہیب بن سنان' حارث بن خزرج کے بھائی خبیب بن اساف کے پاس ٹھہرے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طلحہ اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے تھے۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابی عثمان نہدی کے ذریعے معلوم ہوا کہ جب صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش ان سے بولے کہ کیا وہ حقیر ہونا چاہتے ہیں جب کہ ان کے لیے مکہ میں مال و دولت کی کمی نہیں ہے اور یہ کہ وہ انہیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ اس پر صہیب رضی اللہ عنہ بولے کہ اگر وہ اپنا سارا مال اور سامان مکے میں چھوڑ جائیں تب وہ انہیں جانے کی اجازت دے دیں گے۔ اس پر قریش رضامند ہو گئے اور صہیب رضی اللہ عنہ نے خالی ہاتھ مکے سے ہجرت کی ٹھان لی۔ اسی روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

''صہیب رضی اللہ عنہ کو لوٹا جا رہا ہے' صہیب رضی اللہ عنہ کو لوٹا جا رہا ہے''۔

اس سے قبل آپؐ فرما چکے تھے:

''میں تمہارے لیے ہجرت کے دو سرسبز مقام دیکھ رہا ہوں وہ ہجر ہو سکتا ہے یا یثرب''۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکے سے نکلے تھے مگر قریش کے فتنہ پردازوں نے زبردستی روکنے کی کوشش کی تھی۔ تاہم ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے حد درجہ ہمت وحوصلہ سے کام لیا تھا اور کہا تھا آج کی رات میں بیٹھوں گا نہیں بلکہ ساری رات کھڑا رہوں گا۔ چنانچہ جب لوگ سو گئے لیکن پھر بھی ان کے مکے سے نکلتے ہی کچھ لوگوں نے چپکے سے انہیں جا پکڑا۔ اس کے بعد جیسا کہ خود ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا انہوں نے ان لوگوں سے کہا:

''اگر میں تمہیں اپنا جمع کیا ہوا سرمایہ دے دوں تب تو تم میرے جانے میں مزاحمت نہیں کرو گے؟ چنانچہ وہ اس پر رضامند ہو گئے اور میں نے مکہ واپس آ کر انہیں بتایا کہ اگر وہ میرے مکان کے دروازے کی چوکھٹ کے نیچے کھود کر دیکھو گے تو تمہیں سونا مل جائے گا''۔

لیکن جب وہ میرے مکان پر پہنچے تو انہیں میرے دو لباسوں کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ اور اتنی دیر میں مکے سے نکل کر مدینے کے راستے پر دور تک جا پہنچا اور آخر کار رسول اللہ ﷺ سے قباء میں جا ملا۔ مجھے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اے ابا یحییٰ تم ان سے سودا کر آئے ہو؟''۔

میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ میرے مکہ چھوڑنے کے بعد مجھ سے پہلے تو آپ کے پاس کوئی نہیں پہنچا' اس لیے یہ بات آپ کو یقیناً جبریل علیہ السلام نے بتائی ہوگی''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حمزہ بن عبدالمطلب' زید بن حارثہ' ابو مرثد کنانہ بن حصین اور ان کا بیٹا مرثد غنویان جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حلیف تھا اور رسول اللہ ﷺ کے دونوں غلام انسہ اور ابو کبشہ مکے سے ہجرت کر کے قباء میں بنی عمرو بن عوف کے بھائی کلثوم بن ہدم کے پاس ٹھہرے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسعد بن زرارہ کے پاس قیام کیا تھا۔ واللہ اعلم

اس کے بعد ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عبیدہ بن حارث اور ان کے بھائی طفیل اور حصین' مسطح بن اثاثہ' سویبط بن سعد ابن حریملہ یعنی عبد الدار کے بھائی' طلیب بن عمیر جو بنی عبد بن قصی کے بھائی تھے اور خباب جو عتبہ بن غزوان کے غلام تھے سب کے سب عبداللہ بن سلمہ کے بھائی بلعجلان کے پاس قباء میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ❶

اس کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مہاجرین ہی میں سعد بن ربیع کے پاس قیام کیا تھا اور زبیر بن عوام' ابو سبرہ بن ابی رھم' منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ بن جلاح کے پاس عصبہ میں بنی جحجبی کے گھر اترے تھے جب کہ مصعب بن عمیر' سعد بن معاذ کے پاس اور ابو حذیفہ بن عتبہ اور سالم رضی اللہ عنہم نے آخر الذکر کے غلام سلمہ کے پاس قیام کیا تھا لیکن علوی کہتے ہیں کہ یہ لوگ خبیب بن اساف کے بھائی بنی حارثہ کے پاس ٹھہرے تھے۔

اس کے علاوہ ابن اسحٰق کے بقول عتبہ بن غزوان' عباد بن بشر بن وقش کے پاس بنی عبد الاشہل ہیں اور عثمان بن عفان حسان بن ثابت کے بھائی اوس بن ثابت بن منذر رضی اللہ عنہم کے پاس بنی نجار کے مکان میں ٹھہرے تھے۔

اس روایت کے آخر میں ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مہاجرین کا یہ بار گراں اگرچہ انصار کے لیے بظاہر نا قابل برداشت تھا لیکن اسے حد سے زیادہ شیریں و سرور آگیں سمجھا گیا۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن ابی بکر بن حارث بن زرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف اور عبدالعزیز بن محمد نے عبیداللہ' نافع اور ابن عمرانہ کے حوالے سے بیان کیا کہ وہ لوگ مکے سے مدینے کی طرف چل کر پہلے عصبہ میں اور عمر بن خطاب' ابو عبیدہ بن جراح اور ابی حذیفہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہم کے پاس قباء میں ٹھہرے تھے۔ سالم اس زمانے میں حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کے غلام تھے۔

---

❶ : تاریخ ابن ہشام میں ہے کہ یہ لوگ حارث بن خزرج کے بھائی عبداللہ کے پاس حارث بن خزرج کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ (مؤلف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نفس نفیس

ہجرت کے اسباب

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے یہ آیہ شریفہ نازل فرمائی:

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ .... الخ ﴾

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی ہدایت فرما کر اور اس طرح آپ کی ہمت میں اضافہ فرما کر آپ کو احباب و انصار کے ساتھ مدینہ نبویہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور اسے آپ کا پرسکون مکان قرار دے کر وہاں کے باشندوں کو بھی اپنی رحمت سے آپ کا انصار و جاں نثار بنا دیا۔

احمد بن حنبل اور عثمان بن ابی شیبہ جریر' قابوس بن ابی ظبیان[1] اور آخر الذکر کے والد کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکے میں ہجرت کا حکم دے کر مندرجہ بالا آیت قرآنی نازل فرمائی تو قتادہ نے اس آیت کے الفاظ ''اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ'' کے بعد المدینہ اور ''اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ'' کے بعد ''الھجرۃ من مکہ'' کے دعائیہ الفاظ کے ساتھ آخر میں ''وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا'' کی دعا کے ساتھ احکام الٰہی کی حدود میں رہتے ہوئے فرائض شریعہ کی بجا آوری کی بھی دعا کی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے اپنے اصحاب کی ہجرت کے بعد یقیناً وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ہجرت کی اجازت کے منتظر تھے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی ہجرت کے بعد مکے میں قریش آپؐ کے باقی ماندہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے کوئی رکاوٹ یا فتنہ نہ پیدا کریں۔ تاہم اس وقت تک یعنی آخر میں حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے سوا آپؐ کے ساتھ کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو وہاں سے مدینے کو ہجرت نہ کر گیا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ سے اکثر ہجرت کی اجازت طلب کرتے تھے لیکن آپؐ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے:

''عجلت نہ کرو' تمہارے لیے بھی عنقریب اللہ تعالیٰ کوئی ساتھی پیدا کر دے گا''۔

اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یہ سوچ کر کہ وہ ساتھی آپؐ ہی ہو سکتے ہیں خوش ہو جایا کرتے تھے۔ دوسری طرف مشرکین قریش نے یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اصحاب مذکورہ دو حضرات کے علاوہ مکے سے مدینے پہنچ کر نہ صرف آرام سے رہ رہے ہیں بلکہ وہاں آپؐ کے معاونین و انصار کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے آپ کی ہجرت میں زیادہ سے زیادہ رکاوٹیں پیدا کرنے

---

[1] مصری نسخے میں قابوس کی ولدیت یہی بتائی گئی ہے لیکن حلبی نسخے میں انہیں قابوس بن طھمان لکھا ہے۔ (مؤلف)

کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تاکہ کہیں آپ وہاں پہنچ کر ان کے خلاف کوئی مضبوط محاذ قائم نہ فرمالیں۔ انہیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ جو مسلمان مدینے جا چکے ہیں وہ وہاں جمع ہو کر ان کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس خوف کی وجہ سے وہ ایک روز دارالندوہ میں جو درحقیقت قصی بن کلاب کا مکان تھا مشورے کے لیے جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باہم مشورہ کر سکیں۔ اس طرح اجتماعی امور کے متعلق وہاں جمع ہو کر باہم مشورہ کرنا قریش کا معمول تھا۔

ابن اسحق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے اس سلسلے میں باہم مشورے کا پختہ ارادہ کر لیا تو وہ جمع ہو کر دارالندوہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ دروازے پر ایک باریش بزرگ کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر ان میں سے کسی نے پوچھا:

''بزرگوار آپ کون ہے؟''۔

وہ شخص بولا:

''میں ایک نجدی شیخ ہوں''۔

ویسے یہ شخص اس شکل وشمائل اور لباس میں دراصل شیطان تھا جو قریش کی اس محفل مشاورت میں شامل ہونے وہاں آیا تھا مگر قریش نے اسے نجدی شیخ ہی سمجھ کر اندر بلایا کہ شاید یہ عمر رسیدہ شخص کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔ اس کے بعد جب ان کی مجلس مشاورت شروع ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ہجرت سے روکنے کے بارے میں مختلف مشورے دینے لگے۔ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے۔ یہ سن کر کوئی دوسرا شخص بولا کہ:

''اس طرح ہم کتنے لوگوں کو اب تک ہجرت سے روک سکے ہیں؟''۔

اس شخص کی زبان سے اہل مجلس شرمندہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر ان سب نے شیطان لعین سے جو نجدی شیخ کے بھیس میں وہاں بیٹھا تھا پوچھا:

''یا شیخ! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟''۔

شیطان نے کہا:

''اگر آپ لوگوں نے انہیں قید میں ڈال دیا تو وہ لوگ جو ان سے قبل ہجرت کر چکے ہیں جمع ہو کر آپ لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور دوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اس بے سبب قید پر بطور احتجاج آپ پر چڑھ دوڑیں گے''۔

شیطان نے کہا:

''یہ اس سے بھی برا ہوگا کیونکہ جو شخص انہیں قتل کرے گا اسے عربوں کے قانون کے مطابق بطور قصاص قتل کر دیا جائے گا تو اس طرح تم میں سے ایک باہمت بہادر شخص کی جان ضرور جائے گی' اس لیے انہیں قتل کرو تو اس طرح کہ تم لوگوں میں سے کسی ایک پر الزام نہ آئے''۔

شیطان کی زبان سے یہ سن کر اہل مجلس نے یک زبان ہو کر اس سے پوچھا:

''پھر آپ کا مشورہ اس بارے میں کیا ہے؟''۔

شیطان نے یہ سن کر یقیناً اطمینان کا سانس لیا' پھر بولا:

''اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو وہ یہ ہے کہ جملہ قبائل قریش میں سے ایک ایک آدمی چنا جائے اور وہ سب کے سب بیک وقت ننگی تلواریں لے کر ان کی قیام گاہ پر رات کے وقت خاموشی سے پہنچیں اور ہر شخص ان پر سوتے میں وار کرے تو کوئی بھی انفرادی طور پر قتل کا مجرم نہیں سمجھا جائے گا اور اس طرح بنی عبد مناف اکٹھے ہو کر بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے''۔

یہ سن کر سب سے زیادہ ابوجہل بن ہشام جو ظلم و شقاوت اور مکر و فریب میں شیطان سے بھی چار قدم آگے تھا خوش ہوا اور اس نے شیطان ملعون کے اس مشورے کی سب سے زیادہ تعریف کی۔ چنانچہ اتفاق رائے سے وہی فیصلہ کیا گیا جس کا مشورہ ابلیس نے دیا تھا۔

یہ مستند روایت ان متعدد دوسری ثقہ روایات پر مبنی ہے جن کے راوی قریش ہی کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا مجلس مشاورت میں شرکت کی تھی لیکن بعد میں فرداً فرداً آنحضرت ﷺ کے نبی برحق ہونے پر ایمان لے آئے تھے۔

ابن اسحٰق ان روایات سے استناد کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ادھر قریش میں اس مشورے پر اتفاق رائے ہوا ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دے کر عرض کیا کہ آپ اس شب کو اپنے بستر پر نہ سوئیں اور وہ چادر بھی نہ اوڑھیں جو آپؐ حسب معمول رات کو سوتے وقت اوڑھا کرتے تھے بلکہ اپنے بستر پر وہی چادر اوڑھا کر کسی اور کو سلا دیں۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی حضرمی سبز چادر اوڑھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور آپ دوسرے بستر پر ان کی چادر اوڑھ کر آرام فرمانے لگے۔ اس سے قبل آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلا دیا تھا کہ چونکہ ان سے قریش کی کوئی مخاصمت نہیں تھی' اس لیے وہ انہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

جب قریش کے مختلف قبائل کے لوگ حسب مشورہ اسی عزم قبیح کے ساتھ جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دروازے پر ایک پہر رات گزر جانے کے بعد جمع ہو کر آپؐ کے پوری طرح سونے کا انتظار کرنے لگے تو آپؐ اپنے بستر سے اٹھے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں اٹھائی اور دروازے کے باہر جمع ہونے والوں میں سے ایک ایک کے سر پر تھوڑی تھوڑی چھڑک کر یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھ گئے:

''میں تجھے جانتا ہوں تو انہی میں سے ایک ہے''۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایسے پردے حائل کر دیئے تھے کہ وہ آپ کی جھلک تک نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ جب وہ لوگ آپؐ کے مکان میں داخل ہوئے اور وہ چادر گھسیٹ کر جسے اوڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بستر پر سوئے تھے آپؐ کے قتل کرنے کے لیے انہوں نے برہنہ تلواریں تولیں تو آپؐ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے تھے پا کر حیران رہ گئے۔ پھر ان میں سے کسی نے کسی دوسرے کے سر کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا:

''یہ تمہارے سر پر خاک کیسی ہے؟''۔

تو اس شخص نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ واقعی اس کے سر پر تو کافی خاک پڑی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ان سب نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک ہی نہیں بلکہ ان سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ یہ محسوس کر کے وہ حیران ہو ہو کر اپنے سروں سے خاک جھاڑتے اور اس طرح آپؐ کے صاف بچ کر نکل جانے پر افسوس کرنے لگے لیکن اس کے سوا اب وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ ویسے جب آپؐ ان کے درمیان سے گزر رہے تھے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ آیات تھیں:

﴿ یٰسٓ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

آپؐ نے ان آیات کی ان کے آخر تک تلاوت فرمائی تھی جن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

﴿ وَ جَعَلْنَا مِنْ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنَاھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴾

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے دشمنوں کے خلاف وہی تدابیر اختیار فرمائی جس کا ارادہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کیا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے:

﴿ وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُثْبِتُوْکَ .... الخ ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنَ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

باب ۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نفس نفیس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکے سے مدینے کو ہجرت

یہ تاریخ اسلامی کا سب سے پہلا واقعہ ہے جس کے بالکلیہ صحیح ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق رائے کا اظہار فرمایا اور جس کا سیرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں مفصل ذکر آیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یکے بعد دیگرے بالترتیب مطر بن فضل' روح' ہشام اور عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مندرجہ ذیل روایت بیان کی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''بوقت بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی' مکے میں تیرہ سال تک آپؐ پر وحی نازل ہوتی رہی' اس کے بعد آپؐ نے وہاں سے مدینے کو ہجرت فرمائی اور آپ وہاں بحالت ہجرت دس سال تشریف فرما رہے اور جب آپؐ نے وفات پائی اس وقت آپ کا سن شریف تریسٹھ سال تھا''۔

''جب آپؐ نے ہجرت فرمائی اس وقت آپ کی بعثت کو تیرہ سال گزر چکے تھے اور مہینہ ربیع الاوّل کا تھا''۔

امام احمدؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''آپ کی ہجرت کا روز روز دوشنبہ تھا' آپ کی ولادت باسعادت کا دن بھی دوشنبہ آپ کی بعثت کا دن بھی دوشنبہ' آپ کی مکے سے مدینے کو ہجرت کا دن بھی دوشنبہ' آپؐ کے مدینے میں داخل ہونے کا دن بھی دوشنبہ اور آپ کا یوم وفات بھی دوشنبہ ہی تھا''۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے قبل (جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے لیے اجازت طلب کیا کرتے تھے تو آپ کا ارشاد ہوتا:

''جلدی نہ کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بھی کوئی ساتھی فراہم کر دے گا''۔

تو وہ یہ سوچ کر خوش ہو جایا کرتے تھے کہ وہ ساتھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ہوں گے۔ چنانچہ آخر کار وہ وقت آ پہنچا تو انہوں نے دو سواریاں (اونٹ) خریدیں اور انہیں اپنی قیام گاہ میں لا کر ان کے لیے چارہ وغیرہ کا الگ الگ کافی سامان کر دیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ وہ اونٹ سو سو درہم کے خریدے گئے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے متعدد لوگوں نے عروہ بن زبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کیا کہ ہجرت

سے کچھ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر یا تو صبح کے وقت منہ اندھیرے یا پھر رات گئے تشریف لائے کرتے تھے اور روز ہجرت بھی جب آپ تشریف لائے تو صبح صادق سے قبل کافی اندھیرا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز اس وقت آپ کی تشریف آوری پر جب معلوم ہوا کہ اسی روز ہجرت کرنی ہے تو ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ''اس وقت'' تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں اس وقت''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ میرے والد نے آپؐ سے میرے اور میری بہن اسماء رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو اس وقت آپؐ کے حکم پر وہاں سے ہٹ گئی تھیں پوچھا:

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ان دو بیٹیوں کا کیا ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت صرف آپ کو ملی ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا: اور آپ کا ساتھی' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سوال کے جواب میں آپؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا ساتھی بنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد گرامی سن کر ان کے والد یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ اس سے قبل انہوں نے انہیں اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ اس قدر مسرور تھے کہ انتہائے مسرت کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ بہرکیف جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ اسی وقت مکے سے روانہ ہونا ہے تو انہوں نے آپؐ سے ان دونوں سواریوں کو جو ان کے گھر بندھی رہا کرتی تھیں آگے لے جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ارقد کو اس کام کے لیے اجرت پر لے لیا جائے۔

ابن ہشام کے بقول عبداللہ بن ارقد مسلمان ہونے سے قبل عبداللہ بن اریقط کے نام سے مشہور تھے اور اجرت پر ساربانی کا کام کیا کرتے تھے اور ان کا تعلق قبیلہ بنی دیل بن بکر سے تھا اور وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' ان کی والدہ بنی سہم بن عمرو کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ کے ارشاد گرامی کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ارقد کو بلا کر دونوں سواریاں مکے سے باہر لے جانے کے لیے کہا اور ان کا چارہ اور پانی اور اپنا سامان وغیرہ بھی ساتھ کر دیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جہاں تک انہیں علم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت آپؐ کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا مکے میں کوئی مسلمان باقی نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان امانتوں کے علاوہ جو آپؐ نے مکے کے مختلف لوگوں کو واپس کرنے کے لیے ان کے سپرد کی تھیں اور کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کے مشرکین کے ہاتھوں چھن جانے کا خوف ہوتا انہیں بھی آپؐ نے اپنے پیچھے مکے میں صرف اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ آپؐ کے پاس امانتہً رکھی ہوئی چیزیں ان کے مالکوں کو واپس دے سکیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہجرت کے ارادے سے پہنچے اور اس کا سامان مکمل ہو گیا تو وہ آپ کو لے کر اپنے مکان کے عقبی دروازے سے مکے کے بیرونی حصے کی طرف روانہ ہوئے۔

ابونعیم ابراہیم بن سعد کی زبانی محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں ہجرت کے لیے مکے سے روانہ ہوئے تو آپ کی منزل مقصود مدینہ ہی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر مندرجہ ذیل کلمات تھے

''یا اللہ تو نے مجھے پیدا کیا ہے' تیرے سوا میرے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں ہول دنیا' زمانے کے حادثات اور دن رات کی تکالیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے تیرے حکم سے تیری راہ میں ہجرت کر رہا ہوں' تو اس سفر میں میرے ساتھ رہنا مجھے میرے اہل وعیال میں پہنچا دے' میرے رزق میں برکت دے' مجھے تجھ پر بھروسہ ہے مجھے اسی نیکی پر قائم رکھ جس پر تو نے مجھے پیدا کیا ہے' میں صرف تجھ ہی کو چاہتا ہوں' تو بھی مجھے محبوب رکھ۔ تو اپنے بندوں کو تکلیف نہیں دیتا' تو مظلوموں کا رب ہے' میرا رب بھی تو ہی ہے میں تیرے نور عظیم وکریم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے زمین وآسمان روشن ہیں اور جس سے اندھیروں کا پردہ چاک ہوا ہے' میرے لیے جملہ امور اوّل وآخر کو درست بنا دے تا کہ تیرے کرم سے میری تکالیف دور ہو جائیں' میں زوالِ نعمت سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیرے غضب سے ڈرتا ہوں اور حوادث عالم سے تیری پناہ چاہتا ہوں تا کہ میں انہیں برداشت کر سکوں' مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ بھی تیرے ہی کرم سے ہو سکا' جوز ور وقوت کسی کو حاصل ہے وہ تیرے ہی کرم سے ہے''۔ ❶

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے روانگی کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور کی طرف بڑھے جو مکے کے نشیبی علاقے میں ایک پہاڑ میں واقع ہے اور دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان باتوں کو جو اہل مکہ صبح ہونے کے بعد ان کے اور آپؐ کے بارے میں سنتے رہیں اور اس کی اطلاع چپکے سے انہیں پہنچا دیں۔ چنانچہ اگلی رات انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ان کے مویشیوں کو ان اونٹوں کے ساتھ جو وہ غار ثور کے باہر چھوڑ دیں گے مکے کی چراگاہ میں چراتا رہے اور بکریوں میں سے کسی کو ذبح کر کے اس کا گوشت روزانہ مکے لے جایا کرے تا کہ ان کے گھر سے رات کے وقت انہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نہ کسی کے ہاتھ کھانا پہنچتا رہے۔ چنانچہ وہ ان کے حکم کے مطابق کوئی نہ کوئی بکری ذبح کر کے اس کا گوشت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر چپکے سے پہنچانے لگا۔

ہم اس سلسلے میں بخاریؒ کی روایت آگے چل کر عنقریب پیش کریں گے۔ ویسے ابن جریر نے بخاریؒ کے بعض راویوں کے حوالے سے اس سلسلے میں جو کچھ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے غار ثور میں جا پہنچے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دے گئے تھے کہ وہ لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے اور صدقے کی چیزیں مستحقین میں تقسیم کر کے وہاں آپؐ سے آ ملیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کر کے غار ثور ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے لیکن یہ حکایت مشہور روایات کے برعکس بڑی عجیب ہے کہ آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور سے مدینے کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے باہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں اطمینان سے جا ٹھہرے تو

---

❶ اس حدیث نبوی کا ترجمہ بامحاورہ اردو میں پیش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ (مترجم)

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا آپ کو اور اپنے والد کو اگلی شام سے اہل مکہ کی نگاہوں سے بچ کر وہاں کھانا پہنچانے لگیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکے سے روانہ ہو گئے تو ابوجہل اور قریش کے چند دوسرے آدمیوں نے ان کے دروازے پر آ کر آواز دی اور جب وہ باہر نکلیں تو ان کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ انہوں نے جب لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل نے ان کے منہ پر بہت زور کا تھپڑ مارا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑبڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد کی زبانی اپنی دادی کا بیان کردہ وہ واقعہ جو ان کی دادی نے خود اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس سلسلے میں سنا تھا یہ تھا:

''اسماءؓ کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے سے چلے تو ان کے پاس پانچ یا چھ ہزار درہم موجود تھے جو وہ سب کے سب اپنے ساتھ لے گئے تھے اس کے اگلے دن ان کے دادا ابوقحافہ جب ان کے گھر آئے تو انہوں نے انہیں اپنے والد کے متعلق بتا دیا کہ وہ آپؐ کے ہمراہ چلے گئے تھے۔ ابوقحافہ نے جب پوتی سے پوچھا کہ آیا وہ ان کے لیے کچھ چھوڑ گئے تھے جس سے ان کی گزر بسر ہو سکے۔ تو انہوں نے اپنے دادا سے کہا کہ جو بھلائی وہ ان کے لیے چھوڑ گئے تھے کیا وہ کافی نہیں تھی۔ پھر بھی ان کے اطمینان کے لیے مکان کے ایک کونے سے کپڑوں کی ایک پوٹلی اٹھا کر انہیں دکھائی جسے دیکھ کر وہ سمجھے کہ اس میں کافی درہم ہوں گے اور پھر ان سے رخصت ہو کر ان کے مکان میں جو زر نقد تھا وہ لے کر بصرے چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت اسماء کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے دادا کے اطمینان کے لیے انہیں وہ پوٹلی دکھائی تھی تا کہ وہ سکون کے ساتھ مکے سے رخصت ہو سکیں''۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ انہیں بعض اہل علم نے جن میں حسن بن ابی حسن بصری بھی شامل ہیں بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور کے دہانے پر پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے قبل کہ آپؐ اس میں داخل ہوتے پہلے اپنا پاؤں ٹخنے تک اس کے اندر ڈال کر دیکھا کہ اس کے اندر کوئی درندہ یا موذی جانور نہ ہو۔ پھر اس غار میں خود داخل ہوئے اور وہاں دونوں طرف اس طرح صفائی کی کہ ایک تنکا تک کسی طرف نہ چھوڑا۔ پھر اس کے بعد عرض کیا کہ آپ اندر تشریف لے آئیں۔ جب آپ بھی غار کے اندر تشریف لے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دیوار میں سوراخ دیکھا تو اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا تا کہ وہاں سے کوئی کیڑا کانٹا یعنی سانپ' بچھو وغیرہ نکل کر آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اسی مستند روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی سوراخ سے بچھو نے ڈنک مارا تھا لیکن وہ صبر کیے رہے تا کہ آپؐ کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔

جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی خواب گاہ میں نہ پایا اور ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سوتا پایا تو وہ دن کی روشنی ہوتے ہی آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور آپؐ کے تعاقب میں غار ثور تک جا پہنچے۔ اور اس کے اندر جھانکنے لگے۔ وہی وقت تھا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا تھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن غار میں داخل ہو کر یا تو آپ کو باہر لے جائیں گے یا وہیں قتل کر دیں گے لیکن اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وہ آیت نازل ہوئی جس کا ایک حصہ آپؐ نے

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی فکر و غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے غار ثور کی طرف تشریف لیے جا رہے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کے آگے آگے ہو جاتے اور کبھی آپ کے پیچھے یا داہنے بائیں چلنے لگتے۔ آپ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ بولے کہ وہ جلدی کی وجہ سے آپ سے آگے چلنے لگتے تھے اور کسی دوسری جانب سے آنے والے راہ گیر کو بھی دیکھ سکیں لیکن بعد میں یہ سوچ کر پیچھے ہو جاتے تھے کہ آپ کے آگے چلنا سوئے ادب ہے نیز یہ بھی کہ کوئی شخص پیچھے یا داہنے بائیں سے آپ پر حملہ نہ کر سکے۔

اس روایت کے تمام شواہد ہم نے اپنی کتاب سیرت صدیق میں درج کیے ہیں۔ (مؤلف)

بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ اور ابوبکر احمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ انہیں یکے بعد دیگرے موسیٰ بن حسن، عباد، عفان بن مسلم، سری بن یحییٰ اور محمد بن سیرین نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض لوگ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بلحاظ سیرت و کردار ترجیح دیتے تھے۔ جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو انہوں نے فرمایا:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ ایک رات جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی خدمت گذاری میں بسر کی بلحاظ قیمت و فضیلت میری اور میری تمام اولاد کی ساری زندگی سے بہتر تھی''۔

بیہقی ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ اور ابوسعید بن ابی عمرو نے بتایا اور ان دونوں کو ابوالعباس الاصم، عباس الدوری، اسود بن عامر شاذان اور اسرائیل سے بالترتیب اسود اور جندب بن عبداللہ کے حوالے سے معلوم ہوا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں تھے تو انہوں نے ایک پتھر اپنے ہاتھ میں لے کر اسے مخاطب کر کے فرمایا تھا:

ترجمہ: ''اگر یہ رات گزر جائے تو تو گواہ رہنا کہ یہ رات مجھ پر اللہ کی راہ (اور اس کے رسول کی خدمت میں) کیسے گزری''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں عبدالرزاق، معمر اور عثمان الجزری نے بتایا اور انہیں فرداً فرداً ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اس آیت کے نزول کے بارے میں معلوم ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا:

﴿ وَ اِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْ لِيُثْبِتُوْكَ ﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کو ان سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت کا قصد فرمایا تھا تو قریش آپ کو جیسا کہ ان کا خیال تھا بستر پر نہ پا کر صبح ہوتے ہی آپ کی تلاش میں اِدھر اُدھر اس ارادے سے نکل پڑے تھے کہ آپ کو پکڑ کر قید میں ڈال دیں گے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا ارادہ آپ کو یقیناً قتل کر دینے کا یا کم سے کم مکے سے نکال دینے کا تھا اور یہ ارادہ وہ اس رات سے پہلے ہی کر چکے تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس رات کو آپ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سوئے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام نے انہی کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا کہ جب مشرکین مکہ نے

[illegible]

نے عدم واقفیت کا اظہار کیا تو وہ لوگ صبح ہوتے ہی آپ کو تلاش کرتے ہوئے غار ثور تک جا پہنچے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی اس سے بہتر جگہ کوئی دوسری نہیں تھی لیکن جب انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں اگر کوئی فرد واحد بھی داخل ہوتا تو مکڑی کا جالا ضرور ٹوٹ جاتا۔ ظاہر ہے کہ مکڑی کا وہ جالا آپ کی دشمنوں سے حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔

مکڑی کے جالے کی یہ روایت جو متعدد ثقہ اسناد کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ بالاتفاق مستندترین روایت سمجھی گئی ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن علی بن سعید القاضی نے مسند ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ ان سے بشار الخفاف نے جعفر و سلیمان، ابوعمران الجونی اور معلّٰی بن زیاد نیز حسن بصریؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں داخل ہوئے تھے تو اس کے بعد مکڑی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا جسے دیکھ کر قریش نے کہا تھا کہ اگر کوئی ایک شخص بھی اس غار میں داخل ہوتا تو وہ جالا ضرور ٹوٹ جاتا۔ تاہم اس وقت غار کے اندر آپؐ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار کے منہ پر دشمنوں کو دیکھا اور آپؐ سے عرض کیا کہ انہیں آپؐ کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے تو دریغ نہ تھا لیکن وہ آپ کی وجہ سے فکرمند تھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تھا: یا ابابکر لا تخف ان اللّٰہ معنا یعنی اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈرو نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ روایت انتہائی مستند اور حسن تسلیم کی گئی ہے جس میں غار کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مستند روایات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بعد میں اپنے بیٹے کو بتایا تھا کہ آنحضرت نے مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ بھی خوش خبری دی تھی کہ انہیں رات دن کھانا بھی مسلسل وہیں پہنچتا رہے گا۔ اس روایت کو بعض شاعروں نے نظم بھی کیا ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ غار ثور کے منہ پر اُگی ہوئی بیلوں میں کبوتروں کے ایک جوڑے نے اپنا گھونسلا بھی آپؐ کے اندر داخل ہونے کے بعد فوراً خدا کی قدرت سے بنا لیا تھا۔ اس کا ذکر مشہور شاعر صرصری نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

فغمی علیہ العنکبوت بنسجہ　　　و ظل علی الباب الحمام یبعضی

ترجمہ: ''غار کو مکڑی نے جالے سے ڈھک دیا تھا۔ اور اس کے منہ پر (گھونسلا بنا کر) کبوتری نے انڈے دے دیئے تھے''۔

ایسی ہی ایک روایت حافظ نے مختلف ثقہ حوالوں سے پیش کی ہے جس میں خصوصاً ابومصعب مکی کی زبانی زید بن ارقم، مغیرہ بن شعبہ اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے اس کے کناروں پر جھاڑیاں اُگا کر ان میں کبوتروں کے گھونسلے بنوا دیئے اور ان کے درمیان میں مکڑی کا جالا تن دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان جھاڑیوں، ان میں کبوتروں کے گھونسلوں اور مکڑی کے جالے کے عقب میں آپؐ ان لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ اور محفوظ رہے حالانکہ وہ غار کے دہانے پر اس طرح کھڑے تھے کہ آپ کو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غار کے اندر سے ان کے پاؤں کے پنجے تک نظر آ رہے تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے وہاں مذکورہ بالا طریقے سے آپ کی حفاظت کا [illegible] اور [illegible] تھا آپؐ نے [illegible] اس حقیقت [illegible] کا ذکر [illegible] معلوم [illegible]

بن مالک مدلجی نے واقدی کے ذریعہ اور موسیٰ بن محمد بن ابراہیم اور ان کے والد کے حوالے سے بھی کیا ہے۔ ویسے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے ایک آیت قرآنی میں اس وقت فرمایا جب کچھ لوگ جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے سے کترا رہے تھے۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ .... الخ ﴾

بعض سیرت نگاروں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غار میں اگلی منزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ آپؐ وہاں مستقل قیام کے لیے نہیں تشریف لائے تھے ان روایات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے غار سے تھوڑے ہی فاصلے پر ساحل سمندر دیکھا تھا جس پر کشتیاں موجود تھیں۔

یہ روایت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے لحاظ سے بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تردید میں کوئی قوی یا ضعیف روایت بھی ہماری نظر سے نہیں گزری۔ چنانچہ ہم نے اسے یہاں من وعن پیش کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابوبکر بزاز کہتے ہیں کہ ان تک یکے بعد دیگرے اور بالترتیب فضل بن سہل، خلف بن تمیم، موسیٰ بن قیصر القرشی اور ان کے والد نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے بیان کیا تھا کہ جب قریش کے ہاتھوں تنگ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خود ہجرت کے ارادے سے جس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکا تھا پہلے غار ثور میں چلے گئے تھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انہیں وہاں بھی جب تک ان کا قیام رہے گا کھانا شب و روز برابر پہنچتا رہے گا۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابوبکر بزاز کہتے ہیں کہ انہیں معلوم نہیں کہ یہ روایت خلف بن تمیم کے علاوہ کسی اور نے بھی بیان کی ہے۔

موسیٰ بن مطیر نے اس روایت کو ضعیف و متروک بتایا ہے لیکن یحییٰ بن معین نے موسیٰ بن مطیر کے اس قول کو ناقابل قبول کہہ کر رد کر دیا ہے۔ بہرکیف یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غار ثور میں قیام اور وہاں سے مدینے کی طرف سفر کا حال قصہ سراقہ سمیت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

ابن لہیعہ ابی اسود اور عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی قبائل کے حسب معمول سالانہ حج کے بعد یعنی انصار مدینہ کی طرف سے آپ کی بالواسطہ بیعت کے بعد ماہ ذی الحجہ، محرم اور صفر تک مکے میں قیام فرمایا تھا لیکن جب قریش نے باہم مشورے کے بعد پختہ ارادہ اور فیصلہ کر لیا کہ وہ یا تو آپ کو قید کر دیں گے یا قتل کر دیں گے یا کم سے کم جبراً مکے سے نکال دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیہ شریفہ ﴿ وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ...... الخ ﴾ نازل فرما کر آپ کو ان لوگوں کی سازش کی اطلاع دیتے ہوئے آپ کو ہجرت کا حکم بھی دے دیا تو آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دے کر خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکے سے نکلے اور پہلے غار ثور میں تشریف لے گئے جب کہ دوسری طرف آپؐ کے دشمن جاں

قریش صبح ہوتے [illegible]

اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے مغازیہ میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت اور اس کے ضمن میں ان دونوں کے غار ثور میں ایک رات قیام کا ذکر کیا ہے اور اس سے قبل ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حبشہ کو ہجرت اور وہاں سے واپسی کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ یہی ذکر ابن ہشام نے بھی تصریحاً کیا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اس سلسلے میں لیث کی زبانی عقیل کے حوالے سے ابن شہاب کی بیان کردہ ایک روایت یوں بتائی گئی کہ آخر الذکر کو عروہ بن زبیر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ اس طرح سنایا:

''مجھے اس کے علاوہ کچھ بھی معلوم نہ تھا کہ میرے والد نے آنحضرت ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے اور اب وہ دونوں اس دین کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ویسے رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں روزانہ صبح و شام تشریف لایا کرتے تھے مگر جب مشرکین قریش نے مسلمانوں کو حد سے زیادہ تنگ کرنا شروع کیا تو میرے والد آپ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن وہ ابھی **برک الغماد** [1] تک پہنچے تھے کہ انہیں ابن دغنہ نے دیکھ لیا جو قبیلہ تارہ کا سردار تھا۔ جب اس نے ان سے مکے سے چلے آنے کا سبب پوچھا اور انہوں نے اس کی تفصیل بتائی تو وہ انہیں اپنے ساتھ مکے واپس لے آیا اور ان سے کہا کہ وہ وہاں اس کے پڑوس میں قیام کریں تو وہ بولے کہ وہ تو ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں ہیں۔ بہر کیف جب میرے والد ابن دغنہ کے ہمراہ مکے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ اس روز تک مکے ہی میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو اس کے بعد بتایا کہ حبشہ کے علاوہ جب وہ ہجرت کریں گے تو وہ مقام دو گرم مقامات کے درمیان ایک سرسبز و شاداب نخلستان ہوگا''۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''پھر جنہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنا تھی وہ ادھر جانے لگے اور میرے والد ان لوگوں کے لیے سامان فراہم کرنے لگے''۔

اس کے بعد آپ فرماتی ہیں:

''ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ آپؐ انہیں بھی مدینے روانہ فرما دیتے لیکن خود اپنے لیے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے آپؐ سے یہ سن کر میرے والد نے اپنے متعلق پوچھا تو انہیں آپؐ نے اپنے ہمراہ ہجرت کی خبر دی۔ اس کے بعد میرے والد رات دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ اس زمانے میں ہمارے ہاں دو سواریاں تھیں اور ان کے لیے چارہ بھی پڑا رہتا تھا جو چھ مہینے کے لیے کافی تھا''۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] برک الغماد یمن میں ایک جگہ کا نام ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مکے سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع ہے۔ (مؤلف)

''ان دنوں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لے آتے تھے اور کسی روز میرے والد آپ کے ہاں چلے جاتے تھے۔ پھر انہی دنوں ایک روز جب آپ ہمارے ہاں تشریف لائے تو فرمایا: ''اب میں تمہارے پاس سے چلے جانے والا ہوں''۔ یہ سن کر میرے والد نے آپ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ کے اہل وعیال کہاں رہیں گے؟''۔ آپ نے جواب دیا: ''ابھی تو اللہ تعالیٰ نے صرف مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے۔ البتہ تمہیں بھی میرے ساتھ تنہا ہی چلنے کی اجازت ملی ہے''۔ چنانچہ اس کے بعد میری بہن اسماء نے ایک موزے میں کچھ درہم ڈال کر اس کا منہ سی دیا تاکہ میرے والد اسے اپنے ساتھ لے جاسکیں۔ انہوں نے دونوں سواریوں کو بھی ہمارے سمیت سفر کے لیے تیار کر دیا''۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ

''پھر ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دونوں اونٹ لے کر مکے سے (رات کے اندھیرے ہی میں) غار ثور کی سمت چلے گئے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قیمت دے کر سواری قبول کی تھی۔ اس کے بعد وہ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد نے اس غار میں تین راتوں تک قیام کیا تھا''۔

پھر فرماتی ہیں:

''میرے بھائی عبداللہ رات بھر غار کے آس پاس رہتے تھے اور جیسا کہ انہیں میرے والد نے حکم دیا تھا صبح کو مکے میں واپس آجاتے تھے اور جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بارے میں قریش آپس میں کرتے تھے ان کی خبر رات کو غار کے قریب جا کر انہیں پہنچا دیتے تھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں سواریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ ان کی بکریوں کے ساتھ چرایا کرتے تھے اور ان میں جو بکریاں ان دنوں دودھ دیتی تھیں ان کا دودھ حسب ضرورت رات کے وقت غار میں پہنچا دیتے تھے اور اپنا ریوڑ پہلے ہی مکے پہنچا کر ان دونوں اونٹوں کو کہیں چھپا کر باندھ دیتے تھے۔ ان کا یہ عمل تین راتوں تک برابر جاری رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد کو کھانا پہنچاتی تھیں اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ (مؤلف)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو بنی دئل میں سے بنی عبد ابن عدی کا آدمی تھا اور سار بانی کا کام کرتا تھا اجرت پر راستہ بتانے اور اپنی سواریوں کے ساتھ چلنے کے لیے ٹھہرالیا تھا کیونکہ وہ تمام راستوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ شخص اگرچہ کفار قریش میں سے تھا لیکن آل عاص میں عاص بن وائل سہمی کے قبیلے کے حلیفوں میں سے تھا اور

اس سے آپ کی اور حضرت ابوبکر [illegible] کی مکہ سے روانگی اور غار ثور میں قیام کو راز میں رکھنے کی قسم لے لی گئی تھی۔ اسے تین دن کے بعد سواریاں لے کر غار پر آ جانا تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا راہبر اور اس کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی تیسری رات کو وہاں آ گئے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سواریوں پر سوار ہو کر اس رہبر کے بتائے ہوئے راستے پر اس کے ساتھ ساحلی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ انہیں عبدالرحمن بن مالک مدلجی نے جو سراقہ کا چچازاد بھائی تھا اپنے والد کی زبانی بتایا اور یہ کہا کہ اس کے والد کو خود سراقہ بن مالک ابن جعشم کی زبان سے براہ راست معلوم ہوا کہ ایک روز ان کے قبیلے میں کفار قریش کا ایک شخص ان کی طرف سے ایک خط لے کر آیا تھا جب کہ سراقہ بھی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ خط پڑھا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے یا زندہ گرفتار کر کے مکہ پہنچانے کے لیے بہت بڑا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ سراقہ نے بیان کیا کہ اس خط کا مضمون سن کر وہ چپکے سے وہاں سے اٹھا اور اپنے ایک پڑوسی دوست کے پاس جا کر اس سے کہا کہ وہ اس کا گھوڑا لے کر چپکے سے ان کے علاقے کے نشیبی حصے میں چلا جائے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے نکل کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس کا وہ پڑوسی دوست گھوڑا لیے اس کا منتظر تھا۔ سراقہ کے بیان کے مطابق اس نے صحیح راستے کا تعین کرنے کے لیے پہلے تو عربوں کی رسم کے مطابق بطور شگون ادھر اُدھر تیر پھینکنا چاہے مگر اس کا ایک تیر بھی آگے جانے کی بجائے اس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر گرا اور وہیں گڑ کر رہ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ جھنجھلایا اور یونہی اندازے سے گھوڑے کو ایک طرف سرپٹ دوڑا دیا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے دیکھا کہ کافی دور کچھ لوگ اس راستے پر آگے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ سوچ کر کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی اسے تلاش ہے وہ آگے بڑھا تو ان کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دو آدمی اونٹوں پر سوار اور دو اور اشخاص ان کے آگے پیچھے چل رہے ہیں ان کے بالکل نزدیک پہنچ کر اس نے دیکھا کہ واقعی وہ اس کے مطلوبہ لوگ تھے۔ یہ دیکھ کر جیسا کہ سراقہ نے بیان کیا' اس نے اپنا نیزہ سنبھالا اور ان شتر سواروں پر حملہ کرنا چاہا لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا گھوڑا اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لیتا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے گھوڑے کے سم زمین میں گڑتے جا رہے تھے' جب اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے دوبارہ آگے بڑھانا چاہا تو اس کے پاؤں پہلے سے زیادہ زمین میں دھنس گئے یہ دیکھ کر اس نے سوچا کہ یہ معاملہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا ثبوت ہے۔ چنانچہ وہ فوراً ہی گھوڑے سے اتر آیا اور آپؐ سے معافی کا خواستگار ہوا اور آپ کو سارا واقعہ سنایا۔ چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سچائی کا اندازہ فرما کر اسے معاف فرما دیا اور اسے وہاں سے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ پھر بھی اس نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ اسے کسی کاغذ پر تحریر فرما کر دے دیں کہ آپؐ نے اسے امان دے دی ہے۔ اس کے اصرار اور لجاجت کے پیش نظر آپؐ نے عامر بن فہیرہ کو جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے حکم دیا کہ وہ اسے چند سطریں بطور ''امان نامہ'' لکھ کر دے دیں۔ عامر بن فہیرہ نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ تو سراقہ وہ کاغذ جیسی چیز لے کر آپ کو سلام کر کے اطمینان کے ساتھ وہیں سے واپس ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہو گئے۔ عامر بن فہیرہ نے وہ ''امان نامہ'' [illegible] کی شکل کے [illegible] ایک چمڑے پر لکھا تھا۔

بخاریؒ ابن شہاب کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ انہیں یعنی ابن شہاب کو عروہ بن زبیر نے بتایا کہ ان کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مکے سے مدینے کے سفر کے دوران دیکھا کہ جب وہ مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔ عروہ بن زبیر کو اپنے والد کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے والد کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مدینے کی طرف جاتے دیکھا تو وہ سفید لباس میں ملبوس تھے اور یہ کہ آپؐ کے مکے سے روانگی کی اطلاع مدینے میں مسلمانوں کو مل چکی تھی اور وہ لوگ صبح ہوتے ہی شہر سے باہر مکے کے راستے میں آپ کا ہر روز انتظار کرتے تھے۔ لیکن جب دن ڈھلنے لگتا تو واپس اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ جب وہ کسی کو جیسا کہ انہیں معلوم ہو چکا تھا سفید کپڑوں میں ملبوس مدینے کی طرف آتا دیکھتے تو سمجھتے کہ وہ آپؐ ہی تھے لیکن قریب آنے پر معلوم ہوتا کہ وہ تو سفید عربی لباس میں کوئی یہودی تھا۔ بہر کیف ان کی خوش قسمتی سے ایک روز آپؐ مدینے میں تشریف لے ہی آئے۔ اور وہ لوگ خوشی سے آپؐ کے گرد وپیش ہو کر چلنے لگے حتیٰ کہ آپ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں جا پہنچے اس روز روز دوشنبہ اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے کھڑے رہے جب کہ آپ بیٹھ گئے۔ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت تک نہیں دیکھا تھا آگے بڑھ بڑھ کر آپ کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگے لیکن چونکہ اس وقت آپؐ پر دھوپ آنے لگی تھی اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے سر مبارک پر اپنی چادر سے سایہ کر دیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے کون سے ہیں؟۔

آنحضرت ﷺ نے بنی عمرو بن عوف میں سات روز قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں پہلی مسجد تھی اور جہاں آپؐ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور لوگ آپؐ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ آپ کی اونٹنی چلتے چلتے آخر کار خود بخود وہاں ٹھہر گئی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے۔ یہ جگہ حجر اسود بن زرارہ میں دو یتیم لڑکوں سہل و سہیل کی تھی جنہوں نے وہ جگہ آپؐ کے لیے ہبہ کرنا چاہی لیکن آپؐ نے انکار کر دیا اور انہیں بعد میں اس کی قیمت ادا کر دی گئی۔ بہر کیف آپؐ اس جگہ سواری سے اتر پڑے اور فرمایا کہ ''یہی میری منزل ہے''۔ وہاں بھی آپؐ نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس روز مدینے کے جملہ مسلمانوں کے ساتھ وہیں نماز ادا فرمائی۔

اسے رسول اللہ ﷺ کا معجزہ یا مدینے میں آپ کی تشریف آوری کی برکت سمجھنا چاہیے کہ سوکھے جانوروں کے تھنوں میں بھی دودھ اتر آیا۔ چنانچہ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ اس سے قبل مدینے کے مسلمانوں میں ہر طرف بلند آواز سے کہا جا رہا تھا:

''رسول اللہ ﷺ آ گئے محمد (ﷺ) آ گئے''۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ اس وقت جملہ مسلمانوں کی زبان پر یہ شعر تھا۔

لا عیش الا عیش الآخرۃ اللّٰھم ارحم الانصار و المھاجرہ

یہ شعر آپؐ سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن ابن شہاب بیان فرماتے ہیں کہ جب سوکھے جانوروں کے تھنوں میں ۔۔۔ اتر آیا

آپؐ نے بے ساختہ فرمایا تھا:

ھـذا الـحـمـال لا حـمـال خیبـر ھـذا ابـرّ ربّـنـا واطـھـر

اور یہ بھی:

لاھـم ان الاجـر اجـر الاخـره فـارحـم الانـصـار والمھـاجـره

احادیث میں ان اشعار کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا شعر نہیں آیا جسے پورے طور پر آپؐ سے منسوب کیا گیا ہو۔ البتہ یہ ضرور ذکر آیا ہے کہ آپؐ نے اس وقت یہ فرمایا تھا:

لا عیـش الا عیـش الآخـره اللھم ارحم المھاجرین والانصار

ترجمہ: ''عیش آخرت کے سوا کوئی دوسرا عیش نہیں ہے۔ یا اللہ مہاجرین وانصار پر رحم فرما''۔ (مؤلف)

مدینے میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ اور آپ کی منزل کا تقرر

بخاریؒ کی بیان کردہ روایت جو پہلے پیش کی گئی اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینے میں دوپہر کے وقت داخل ہوئے تھے۔ اگر واقعی ایسا ہی ہوا ہوگا تو آپ یقیناً وہاں وقت زوال کے بعد داخل ہوئے ہوں گے جیسا کہ صحیحین میں اسرائیل کی روایت میں ابی اسحٰق' براء بن عازب اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ آپؐ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں رات کے کسی حصے میں داخل ہوئے تھے اور پھر یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ آپ کہاں قیام فرمائیں گے اور آپ عبدالمطلب کے ننھیالی عزیزوں میں ٹھہریں گے۔ اس التباس کی توضیح یہ ہے کہ عرب میں عموماً بعد زوال شام کے ہر حصے کو عموماً رات سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ موسم گرما کی دوپہر کے بعد زوال ہی ہوتا ہے اور اس وقت سے رات تک ہر وقت کو وہاں رات کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ توضیح اگر درست ہے تو آپ نے قباء میں قیام کے دوران رات بنی نجار میں بسر فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم

بہرکیف بخاریؒ نے زہری اور عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت نے قباء میں بنی عمرو بن عوف کے پاس دس راتیں بسر فرمائی تھیں اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی اور اس کے بعد آپ سوار ہو کر اندرون مدینہ کے طرف تشریف لے گئے تھے اور لوگ آپؐ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور آخر کار وہاں رُکے تھے جہاں آج کل مسجد نبوی واقع ہے اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس جگہ تعمیر مسجد کے لیے جگہ دو یتیم لڑکوں سہل و سہیل سے خریدی گئی تھی نیز یہ کہ یہ جگہ بنی نجار کے علاقے میں واقع تھی۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے (عروہ بن زبیر کے حوالے سے) بیان کیا اور آخر الذکر یعنی محمد بن جعفر بن زبیر نے اس روایت میں عبدالرحمٰن ابن عویم بن ساعدہ کے حوالے سے بتایا کہ انہیں ان کی قوم کے ان لوگوں نے جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں تھے سنایا کہ جب سے انہوں نے آپ کی مکے سے روانگی کی خبر سنی تو وہ روز شہر سے باہر نکل کر صبح سے شام تک آپ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی سنایا کہ حالانکہ ان دنوں موسم گرما کی سخت گرمی کا زمانہ تھا لیکن وہ لوگ کڑی دھوپ میں بھی آپ کا انتظار کیا کرتے تھے اور رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو اتفاقاً سب سے پہلے آپ کو ایک یہودی نے دیکھا اور وہ چلا کر بولا:

''اے بنی قیلہ تمہیں اپنے جن بزرگ کا انتظار تھا وہ تشریف لے آئے ہیں''۔

اس کے زبان سے یہ سن کر وہ لوگ آپ کی طرف دوڑے تو انہوں نے دیکھا کہ آپؐ ایک درخت کے ساتھ میں تشریف فرما ہیں اور آپؐ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ آپؐ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میں امتیاز نہیں کر سکے تھے یہاں تک کہ جب آپؐ کے سر مبارک پر دھوپ آئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے سر مبارک پر اپنی چادر سے سایہ کر دیا۔ تب جا

کر وہ لوگ آپ کو پہچانے۔

اس قسم کی روایت ہم اس سے قبل بخاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں نیز ''مغازیہ'' میں موسیٰ بن عقبہ کی روایت بھی ایسی ہی ہے۔ اس کے علاوہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے پہلے ہاشم نے اور پھر سلیمان نے ثابت اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لائے تو وہ ان لڑکوں میں جو آپ کی تشریف آوری کا بلند آواز سے اعلان کر رہے تھے پیش پیش تھے لیکن آپ کو دیکھ نہیں سکے تھے۔ انہوں نے ان دوسرے لڑکوں کے ساتھ دوبارہ وہی نعرہ لگایا لیکن کوشش کے باوجود آپ کو دیکھ نہیں سکے۔ تاہم انہیں آخر کار آنحضرت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نظر آ ہی گئے۔ ان کے بقول وہ اور دوسرے لوگ اس وقت مدینے کے ایک غیر آباد علاقے میں تھے۔ سب سے پہلے ایک بدوی شخص آپ کی آمد کا اعلان کرتا ہوا آگے آگے آیا تو انصار جن کی تعداد قریباً پانچ سو تھی آپ کے استقبال کے لیے آگے بڑھے' وہ کہے جاتے تھے: ''اے اللہ والو! مبارک ہو''۔ اس کے بعد پھر تو جب آپؐ مدینے میں داخل ہوئے لوگ ہر گھر سے نکل پڑے اور کچھ لوگ گھروں کی چھت پر چڑھ کر بلند آواز سے کہنے لگے۔ ''ہاں ہاں وہی ہیں' وہی ہیں''۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایسا منظر میں نے اپنی زندگی میں اس سے قبل اور اس کے بعد کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے بعد وہ زور دے کر بیان کرتے ہیں کہ اتنی بھیڑ کا منظر یا تو انہوں نے اس وقت دیکھا تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تھے یا پھر اس روز دیکھا جب آپؐ نے وفات پائی۔

بیہقی نے بھی مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا منظر حاکم' اصم' محمد بن اسحاق صنعانی' ابی نضر ہاشم بن قاسم' سلیمان بن مغیرہ' ثابت اور انس کے حوالے سے قریباً ایسا ہی پیش کیا ہے۔

صحیحین میں اسرائیل کے انداز میں ابی اسحٰق' براء اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں داخلے کی جو روایت پیش کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگ استقبال کرنے والوں کے علاوہ جوق در جوق گھروں سے نکل آئے' لڑکے زور زور سے اعلان کرنے لگے:

''اللہ اکبر' رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے' اللہ اکبر' محمد ﷺ تشریف لے آئے''۔

اس کے اگلے دن پھر انہیں مناظر کے ساتھ وہ دوسرے واقعات پیش آئے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابو عمرو الادب اور ابوبکر اسماعیلی نے بتایا کہ انہوں نے ابا خلیفہ اور ابن عائشہ کو کہتے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو عورتیں اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر خوشی سے یہ گیت گا رہی تھیں:

طلع البدرُ علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قباء پہنچے تو بنی عمرو بن عوف کے بھائی کلثوم ابن ہدم کے پاس جو بنی عبید میں رہتے تھے قیام فرمایا' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ وہاں سعد بن خیثمہ کے ہاں ٹھہرے' ایک اور راوی کے مطابق آپ کا قیام کلثوم بن ہدم ہی کے ہاں تھا لیکن آپؐ نے سعد بن خیثمہ کے مکان پر تشریف فرما ہو کر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ یہ مکان خالی تھا

چونکہ سعد بن خیثمہ کے اہل وعیال نہیں تھے۔ ابن اسحاق کی اس روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سخ میں خبیب بن اساف کے پاس جو بنی حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے قیام فرمایا تھا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا قیام خارجہ بن زید بن ابی زہیر کے ہاں ہوا تھا جو بنی حارث بن خزرج کے بھائی تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے روانگی کے بعد وہاں تین شب وروز قیام فرمایا اور آپؐ کے حکم کے مطابق لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے اور صدقات کی رقوم یا اشیاء مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے بعد مدینے تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام کیا تھا لیکن ان کا قیام قباء میں ایک یا دو رات ہی رہا تھا۔

ابن اسحٰق کی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قباء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جس مکان میں قباء میں قیام فرما تھے اس کے برابر کے مکان میں ایک مسلمان عورت رہتی تھی جس کا شوہر نہیں تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رات کے وقت دونوں دن ایک شخص نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب اس عورت نے دروازہ کھولا تو اس شخص نے باہر ہی سے اسے کوئی چیز دی اور واپس چلا گیا۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا:

''اے اللہ کی بندی! تیرا شوہر تو ہے نہیں' پھر یہ شخص جو رات کے وقت تیرا دروازہ کھٹکھٹا کر باہر ہی سے تجھے کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے؟''۔

اس عورت نے جواب دیا:

''یہ شخص سہل بن حنیف ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میرا نہ شوہر ہے نہ کوئی دوسرا ایسا آدمی ہے جو میری روزی کا بندوبست کرے تو وہ چپکے سے رات کے وقت مجھے روزانہ کھانے پینے کے لیے کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول سہل بن حنیف ان کے ہمراہ مدینے سے عراق چلا گیا تھا اور وہ وہاں بھی اس کی اس طرح خاموشی سے بے سہارا لوگوں کی مدد کرنے پر اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں پیر کے دن سے جمعرات کے روز تک قیام فرمایا اور وہاں آپؐ نے ایک مسجد کی بنیاد بھی رکھی تھی اور جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہو گئے لیکن بنو عمر ابن عوف کے خیال میں آپ کا قیام وہاں اس سے زیادہ رہا تھا۔ ویسے عبداللہ بن ادریس نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ بنو عمرو بن عوف کے خیال میں آپؐ نے ان کے ہاں اٹھارہ راتیں بسر فرمائی تھیں۔ بہر کیف جیسا کہ بخاریؒ کی روایت میں ہے' اور یہ روایت انہوں نے زہری کے ذریعہ اور عروہ کے حوالے سے پیش کیا ہے' آپؐ نے بنی عمرو بن عوف کے ہاں قریباً دس راتیں گزاری تھیں حالانکہ موسیٰ بن عقبہ مجمع بن یزید بن حارثہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آپؐ نے ہمارے ہاں یعنی عمرو بن عوف کے پاس قباء میں بارہ راتیں قیام فرمایا تھا جب کہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ وہاں چودہ راتیں ٹھہرے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جہاں تک انہیں علم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں جمعہ کی نماز بنی سالم بن عوف کے ساتھ اس مسجد

میں ادا فرمائی تھیں جس کی بنیاد آپؐ نے اس وادی میں جسے وادی رانونا کہا جاتا تھا رکھی تھی۔ ویسے اس کے بعد آپ نے جمعہ کی نماز باقاعدہ مدینے میں ادا فرمائی تھی۔ بہرکیف جب آپؐ قباء سے (اونٹنی پر) سوار ہو کر آگے روانہ ہونے لگے تو عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ بن نضلہ اور بنی سالم کے دوسرے لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ابھی آپ ہمارے ہاں چند روز اور قیام فرمایئے لیکن آپؐ نے فرمایا:

''اب آپ لوگ اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیں کیونکہ یہ مامور ہے اور اب میری یہ اونٹنی آگے چل کر خود بخود جہاں ٹھہرے گی میں وہیں سواری سے اتروں گا اور میری منزل بھی وہی ہوگی''۔ ❶

یہی درخواست آپؐ سے بعد میں جب آپؐ یکے بعد دیگرے بنی بیاضہ اور بنی ساعدہ کے مکانوں کے پاس سے گزرے تو ان قبیلوں کے لوگوں میں سے بالترتیب زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو نے اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو نے کی لیکن آپؐ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو ابن اسحٰق نے اپنی متعلقہ روایت میں بطور حدیث نبوی پیش کیا ہے اور جس کا اندراج سطور بالا میں ہو چکا ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ یہی ارشاد آپؐ نے اس وقت بھی فرمایا جب آپؐ اس کے بعد یکے بعد دیگرے بنی حارث بن خزرج اور عدی بن نجار کے مکانوں کے قریب سے گزرے اور ان قبائل کے لوگوں میں سے بالترتیب سعد بن ربیع' خارجہ بن زید' عبداللہ بن رواحہ اور سلیط بن قیس' ابوسلیط اسیدہ بن خارجہ نے بھی آپؐ سے وہی درخواست کی تھی بلکہ عدی بن نجار کے لوگوں نے تو آپؐ سے زور دے کر یہ بھی عرض کیا تھا کہ آپ اپنے ماموؤں میں بھی چند روز قیام فرمائیں کیونکہ وہ لوگ ام عبدالمطلب سلمیٰ بنت عمرو کے رشتے سے آپؐ کے ماموں لگتے تھے لیکن آپؐ انہیں بھی وہی جواب دے کر کہ آپ کا ناقہ مامورہ من اللہ ہے آگے روانہ ہو گئے تھے اور مدینے میں آپ کی اونٹنی خود بخود رُک کر وہاں بیٹھ گئی تھی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''یہی میری منزل ہے'' اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے مسجد کے لیے یہ جگہ آپؐ نے دو یتیم لڑکوں سہل و سہیل سے جو حجر معاذ بن عفرہ میں رہتے تھے قیمتاً خرید فرمائی تھی۔ بخاریؒ کی روایت کے مطابق جو پہلے پیش کی جا چکی ان لڑکوں کا قیام حجر اسعد بن زرارہ میں تھا۔ واللہ اعلم

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ راہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے مکان کے قریب لمحہ بھر ٹھہرے تھے اور منتظر تھے کہ وہ مکان سے نکل کر غالباً آپؐ سے اپنے پاس قیام کی درخواست کرے گا لیکن وہ جو ان دنوں اپنے قبیلے کا سردار تھا مکان میں موجود ہونے کے باوجود باہر تک نہیں آیا۔ آپؐ نے بعد میں جب اس کا ذکر انصار میں سے ایک شخص سے کیا تو وہ بولا:

''حضورؐ اس عزت کا تاج اور اس کا شرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب میں تھا۔ پھر یہ سعادت اسے کیسے نصیب ہوتی؟''۔

❶ اس حدیث کا ترجمہ حتی الامکان لفظی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (مترجم)

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ قباء سے اونٹنی پر سوار ہو کر آگے چلے وہاں سے بہت سے انصار جمع ہو کر آپؐ کے ساتھ چل رہے تھے لیکن اونٹنی کی مہار جو آپؐ نے چھوڑ رکھی تھی اسے آپ کی کرامت سمجھتے ہوئے کسی نے پکڑ کر چلنے کی جرأت نہیں کی۔ اس کے علاوہ جس قبیلے والوں نے آپؐ سے اپنے یہاں قیام کی درخواست کی آپؐ نے ان سے یکے بعد دیگرے یہی فرمایا کہ آپ کی اونٹنی مامور من اللہ ہے۔ لہٰذا جہاں وہ خود بخود رکے گی وہی آپ کی منزل ہوگی اور آپؐ وہیں قیام فرمائیں گے۔ آخر کار جہاں آپ کی اونٹنی چلتے چلتے خود بخود رکی بلکہ بیٹھ گئی وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دروازہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے وہیں اتر کر مدینے میں انہی کے ہاں قیام فرمایا۔ پھر آپؐ نے اس جگہ کے متعلق جوان کے مکان کے قریب خالی پڑی تھی دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ وہ زمین معاذ بن عفراء میں سے دو یتیم بچوں سہل و سہیل کی ملکیت تھی۔ چنانچہ آپؐ نے وہ زمین مسجد کے لیے ان لڑکوں سے قیمت دے کر لے لی اور وہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی جو اب مسجد نبوی کہلاتی ہے۔ ویسے آپ نے مسجد کی تعمیر اور اس کے ساتھ اپنی مستقل قیام گاہ تیار ہونے تک حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہما کے مکان ہی پر قیام فرمایا جنہوں نے اپنے دروازے پر آپ کی اونٹنی کے رکتے ہی اس کی مہار سنبھال لی تھی اور آپؐ سے اپنے گھر میں تشریف لے جانے کی گذارش تھی۔

ابن اسحٰق نے بھی یہ روایت اسی طرح بیان کرتے ہوئے آخر میں بیان کیا ہے کہ مسجد کی تعمیر میں انصار و مہاجرین کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔

بنائے مسجد کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔ (مؤلف)

بیہقی اپنی کتاب ''الدلائل'' میں بیان کرتے ہیں اور ابوعبداللہ بھی کہتے ہیں کہ انہیں ابوالحسن علی بن عمرو الحافظ' ابوعبداللہ محمد بن مخلد الدوری' محمد بن سلیمان بن اسمٰعیل ابن ابی الورد' ابراہیم بن صرمہ اور یحییٰ بن سعید نے یکے بعد دیگرے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ اور انس کے حوالے سے بتایا کہ جب آخر الذکر رسول اللہ ﷺ کی مدینے میں آمد کی خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ انصار کے مرد اور عورتیں آپؐ کے پاس جمع ہو کر یکے بعد دیگرے عرض کر رہے ہیں:

''یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لے چلیے۔ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لے چلئے''۔

اور آپؐ ان سے فرما رہے تھے:

''اس ناقے کو بلاؤ' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے' یہ جس طرف چاہے گی چلی جائے گی''۔

چنانچہ آپ کی اونٹنی وہاں سے چل کر سیدھی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچی اور وہیں رک کر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر انصار کے وہ لوگ جو بنونجار کے پڑوس تھے' دف بجا بجا کر گانے لگے:

نحن جوار من بنی النجار　　یا حبذا محمدٌ من جار

ترجمہ: ''ہم بنی نجار کے پڑوسی ہیں اے خوشا! محمد ﷺ بھی ہمارے پڑوسی ہو گئے''۔

یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جا کر ان سے پوچھا:

''کیا آپ لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟''۔

اس کے جواب میں وہ لوگ یک زبان ہو کر بولے:

''ہاں یا رسول اللہ ﷺ ہم خدا کی قسم آپ سے محبت کرتے ہیں''۔

اس پر آپ نے فرمایا:

''میں بھی خدا کی قسم تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں بھی خدا کی قسم تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں بھی خدا کی قسم تم سے محبت کرتا ہوں''۔

چونکہ یہ حدیث غریب ہے' شاید اس لیے محدثین نے عموماً اپنی اپنی سنن میں اسے پیش نہیں کیا۔ البتہ حکم نے اپنی ''مستدرک'' میں اسے شامل کیا ہے۔

بیہقی نے اپنی مندرجہ بالا روایت میں مزید بیان کیا ہے کہ انہیں ابوعبدالرحمٰن سلمی اور ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن سلیمان النحاس المقری نے بغداد میں بتایا نیز عمر بن حسن حلبی' ابوخیثمہ مصیصی اور عیسٰی بن یونس نے عوف اعرابی' ثمامہ اور انس کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت مدینے میں بنی نجار کے قریب پہنچے تو وہاں کے لوگ آپ کے سامنے آئے اور دف بجا بجا کر گانے لگے:

نحن جوار من بنی النجار یاحبذا محمدٌ من جار

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ جانتا ہے کہ میں (بھی) تمہیں دل سے چاہتا ہوں''۔ (ترجمہ حدیث)

یہی روایت ابن ماجہ نے ہشام بن عمار اور عیسٰی بن یونس کے حوالے سے بیان کی ہے۔ صحیح بخاری میں معمر' عبدالوارث' عبدالعزیز اور انس کے حوالے سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں اور لڑکیوں کے بارے میں جو آپ کی مدینے میں تشریف آوری کی خوشی میں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں انہیں ''مقبلین'' فرما کر اپنی رائے گرامی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا: ''تم میرے لیے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو''۔ اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ انہیں عبدالصمد بن عبدالوارث' ابی اور صہیب نے انس بن مالک کی بیان کردہ یہ روایت سنائی کہ رسول اللہ ﷺ مدینے میں داخلے کے وقت سے کچھ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے لحاظ سے بوڑھے لیکن آپ ان کے مقابلے میں جوان نظر آتے تھے نیز یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہاں لوگ پہچانتے تھے جب کہ آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس لیے ایک اجنبی سے شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ان سے پوچھا:

''یا ابا بکرؓ! یہ آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دیا:

''یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے راستہ دکھایا' یہ جاننے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے جو راستہ دکھایا وہ بھلائی کا راستہ ہے''۔

پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو غور سے دیکھا تو انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اس کا نام فارس تھا۔ جب وہ ان کے اور نزدیک آیا تو انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اس کا نام فارس تھا۔ جب وہ ان کے اور نزدیک آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) یہ فارس ہے جو ہمارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا ہے''۔

یہ سن کر آپؐ نے اس شخص پر ایک نظر غور سے ڈالی اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''یا اللہ! اسے ایسا اپاہج کر دے کہ یہ ہمارا تعاقب نہ کر سکے''۔

چنانچہ فارس اور اس کا گھوڑا وہیں گویا زمین میں گڑ کر رہ گئے یہ آپ کی دعا کا اثر تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا تھا۔ یہ دیکھ کر فارس بہت حیران ہوا اور پھر عاجزی سے بولا:

''اے اللہ کے نبی (ﷺ) آپ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں لیکن مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے اسے وہیں ٹھہرے رہنے کی ہدایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ وہ آپؐ کے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں کسی کو نہ آنے دے۔ اس کے بعد آپ حرہ کی طرف بڑھ گئے اور پھر جب آپؐ مدینے کے قریب پہنچے تو انصار آپؐ کے استقبال کو آ گئے اور یک زبان ہو کر آپ کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بقول وہ شخص یعنی فارس صبح تک آنحضرت ﷺ کا مخالف اور جنگجو تھا لیکن شام کو آپ کا محافظ اور پہرہ دار بن چکا تھا۔ انصار نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ اطمینان سے سوار ہو جائیں اور آگے تشریف لے چلیں کیونکہ اب آپؐ کے خادم حاضر ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد جب آنحضرت دوبارہ سوار ہو کر آگے بڑھے تو مسلح انصار آپ کی حفاظت کے لیے آپؐ کے گرد و پیش چل رہے تھے۔ پھر جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے آپ کی اونٹنی جس کی آپؐ نے مہار چھوڑ رکھی تھی چلتے چلتے حضرت ابوایوب انصاری کے دروازے پر آ کر رکی اور بیٹھ گئی۔ اس وقت تک مدینے میں آپ کی آمد کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی اور لوگ خوشی سے اعلان کرتے پھر رہے تھے:

''رسول اللہ آ گئے' رسول اللہ آ گئے''۔

اس وقت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ قریب کے کسی باغ میں اپنے اہل وعیال کے لیے کھجوریں لینے لگے تھے۔ جب انہیں آپ کی آمد کی خبر ملی تو وہ فوراً وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچ گئے جہاں آپؐ اپنی سواری سے اترے تھے اور آپؐ سے عرض کیا:

''حضورؐ! میرے یہاں تشریف لے چلیے''۔

آپؐ نے فرمایا: ''کس کا مکان قریب تر ہے؟''۔

یہ سنتے ہی ابوایوب انصاری بولے: ''یارسول اللہ ﷺ میرا گھر یہ رہا اور یہ اس کا دروازہ ہے''۔

چنانچہ آپؐ نے انہی کے ہاں قیام کا فیصلہ فرمایا۔ کچھ دن بعد عبداللہ بن سلام نے آپؐ سے عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! میں جانتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور یہاں اشاعت حق کے لیے تشریف لائے ہیں۔

پھر بولے: میں یہاں کے یہودی بزرگوں' ان کے بیٹوں' یہاں کے سب سے بڑے عالم یہودیوں اور ان کے بیٹوں سے

بخوبی واقف ہوں۔ اگر آپؐ ارشاد فرمائیں تو میں انہیں آپؐ کی خدمت میں بلا لاؤں۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں اجازت دے دی۔ پھر جب وہ یہودی آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے انہیں بٹھا کر ارشاد فرمایا:

''اے اہل یہود! مجھے تم پر افسوس ہے' اللہ سے ڈرو کیونکہ وہی ذات واحد معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور پیغام حق لے کر یہاں آیا ہوں۔ لہٰذا تم بھی مسلمان ہو جاؤ''۔

اس کے جواب میں یہودی بولے:

''جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ تثلیث ہے''۔

یہ روایت بخاریؒ نے منفرد کر کے محمد کے حوالے سے اسے عبدالصمد سے منسوب کیے بغیر پیش کی ہے۔ [1]

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں یزید بن ابی حبیب نے مرثد بن عبداللہ الیزنی نے ابی رھم کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر سے خود ابوایوب انصاری نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے مکان میں تشریف فرما ہوئے تھے تو آپؐ نے ان کے مکان کی فرشی منزل میں قیام فرمایا تھا اور وہ خود اور ان کی والدہ اوپر کی منزل میں تھے چنانچہ انہوں نے اسے معیوب سمجھ کر کہ آپؐ تو نچلی منزل میں قیام فرمائیں جب کہ وہ اور ان کی والدہ ام ایوب رضی اللہ عنہا اوپر کی منزل میں رہتے ہیں آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) کیا یہ بات خلاف ادب نہیں ہے کہ آپ ہمارے آقا و مولیٰ ہو کر فرش منزل پر قیام فرمائیں جب کہ آپ کا یہ غلام اور اس کی ماں اوپر کی منزل میں رہتے ہیں؟''۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

''نیچے کی منزل میں رہنے سے میری منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا نہ آئے گا''۔

چنانچہ آپ کا یہ جواب سن کر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو خاموش ہو جانا پڑا لیکن جب بارش ہوئی اور اس کا پانی اوپری منزل کی چھت سے ٹپک ٹپک کر فرش پر آنے لگا تو وہ یہ سوچ کر بہت گھبرائے کہ اگر وہ پانی نچلی منزل کی چھت سے اس طرح ٹپک کر کہیں نیچے گیا تو اس سے آپ کو یقیناً تکلیف ہوگی اور وہی موٹی مخملی چادر جو وہ اوڑھا کرتے تھے اس جگہ بچھا دی جہاں سے پانی ٹپک کر نیچے جانے کا خطرہ تھا حالانکہ اس چادر کے علاوہ ان کے پاس اوڑھنے کے لیے کوئی دوسری چیز نہیں تھی۔

اس کے بعد حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''پہلے روز میں آپؐ کے لیے جو رات کا کھانا لے کر گیا تھا اس کے سالن میں پیاز یا لہسن بھی شامل تھا۔ جب صبح کو میں نے دیکھا تو وہ کھانا ویسے کا ویسے ہی رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے آپؐ سے عرض کیا؟ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان میں رات آپؐ کے لیے کھانا لایا تھا لیکن آپؐ نے تو اسے چھوا تک نہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

''مجھے چونکہ پیاز اور لہسن کی بو اوراد و وظائف میں اکثر مشغول رہنے کی وجہ سے اچھی نہیں لگتی۔ اس لیے میں نے یہ کھانا

---

[1] یہ روایت ''اصلیہ'' ... اور صحیح بخاری ... [illegible]

نہیں کھایا لیکن تم تو اسے کھا سکتے ہو۔ لہٰذا لے جاؤ اور کھالو''۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اور ان کی والدہ نے وہ کھانا کھالیا اور پھر آپؐ کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں پکائی جس میں پیاز یا لہسن ڈالا گیا ہو۔

اسی طرح کی ایک روایت بیہقی نے لیث بن سعد کے ذریعہ اور یزید بن ابی حبیب' ابی الحسن یا ابی الخیر' مرثد بن عبداللہ الیزنی' ابی رہم اور خود ابوایوب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں آخر الذکر کی زبانی وہی بتایا گیا ہے جو مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا جا چکا۔ اس دوسری روایت کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے یونس بن محمد المؤدب نے بھی لیث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں بیہقی ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبداللہ الحافظ' ابوعمرو الحیری نے بتایا اور پھر عبداللہ بن محمدؐ احمد بن سعید دارمی' ابونعمان' ثابت بن زید اور عام الاحول نے عبداللہ بن حارث اور ابوایوب کے غلام افلح نے ابوایوب کی زبانی ان کی تائید کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے مکان میں قیام پذیر ہوتے وقت فرشی منزل میں ٹھہرے جب کہ خود ابوایوب اپنی والدہ کے ہمراہ بالائی منزل میں تھے چنانچہ انہوں نے اسے خلاف ادب سمجھتے ہوئے آپؐ سے عرض کیا کہ آپ بالائی منزل میں قیام فرمائیں اور عذر وہی پیش کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ فرق مراتب کسی مکان کی فرشی یا بالائی منزل میں رہنے سے نہیں ہوتا کیونکہ دینی مرتبت اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ بہرحال جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے ابوایوب رضی اللہ عنہ کی پر اصرار درخواست پر آپ بالائی منزل پر تشریف لے گئے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کی والدہ آپؐ کے لیے باقاعدہ کھانا بھجوایا کرتی تھیں لیکن ایک روز صبح کے وقت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپؐ نے رات کا کھانا تناول نہیں فرمایا تھا اور وہ برتن میں ویسا ہی رکھا ہوا تھا۔ جب آپؐ سے انہوں نے مؤدب ہو کر اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ کو پیاز اور لہسن کی بو پسند نہیں تھی جو اس روز کے کھانے میں شامل تھے۔ ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے اس کے بعد ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز آپؐ کے کھانے میں شامل نہیں کی۔ بہرکیف جب ابوایوب نے آپؐ سے پوچھا کہ آیا پیاز لہسن کا کھانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ کو صرف ان چیزوں کی بو ناگوار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو فرشتہ آپؐ کے پاس وحی الٰہی لاتا ہے شاید اسے بھی ان اشیاء کی بو ناپسند ہو۔

مسلمؒ نے اس روایت کو احمد بن سعید کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آپؐ کے کھانے میں جو سبزی آئی تھی اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ آپؐ دنیا کی ہر حلال چیز تناول فرمالیتے ہیں لیکن بعض چیزوں کی بو آپ کو ناگوار ہوتی ہے۔ تاہم دوسروں کے لیے ان کا کھانا جائز ہے۔

واقدی سعد بن زرارہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ابوایوب کے مکان میں قیام فرماتھے تو اکثر انصار آپؐ کے لیے اپنے طور پر اچھے اچھے کھانے لاتے تھے جو گھی لگی روٹی اور ثرید اور گوشت کے شوربے پر مشتمل ہوتے تھے نیز یہ کہ آپؐ کے لیے کھانا لانے والوں کو ابوایوب رضی اللہ عنہ کی دروازے پر اکثر بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اس روایت میں ابوایوب انصاری

بیٹیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سودہ بنت زمعہ مکے سے اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ ان لوگوں نے ہمراہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی آئے تھے لیکن آپ کی بیٹی رقیہ اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعد میں آئیں۔ البتہ آپ کی دوسری دختر زینب اپنے شوہر عاص بن ربیع کے ساتھ مکے ہی میں رہ گئی تھیں جو بعد میں مدینے آئیں اور ان کے ساتھ زید بن حارثہ کی بیوی ام ایمن اور عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئیں لیکن اس وقت تک ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کا قیام بیوی کی حیثیت سے آپؐ کے پاس نہیں تھا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں علی بن احمد بن عبدان' احمد بن عبید الصفار' خلف بن عمر والعکبری نے بتایا اور سعید بن منصور' عطاف بن خالد اور صدیق بن موسیٰ نے عبداللہ بن زبیر کے بیان کے حوالے سے اس کی تصدیق کی کہ عبداللہ بن زبیر کی روایت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے اور آپ کی سواری جعفر بن محمد بن علی اور حسن بن زید کے مکان کے درمیان سے گزری تو دونوں مکانوں کے مکین آپؐ سے درخواست کرنے لگے کہ آپ ان کے ہاں قیام فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے یعنی آپ کی سواری کو روکو نہیں بلکہ جدھر جائے جانے دو' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔ چنانچہ آپ کی اونٹنی چلتے چلتے ایک اونچی جگہ کے سامنے رُک گئی اور پھر اس طرح بیٹھ گئی جیسے ساربانوں کے اشارے پر اونٹ اپنی سواریاں اور سامان اتارنے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ اس پر سے نیچے اتر آئے اور سائے میں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) میرا غریب خانہ یہ سامنے ہے تشریف لائیے''۔

چنانچہ آپؐ ''اچھا'' فرما کر اور اپنی اونٹنی کو ساتھ لے کر ان کے ہمراہ ہو لیے۔ اسی وقت ایک اور شخص نے آپؐ سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟''۔

آپؐ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرما کر جواب دیا:

''جہاں یہ شخص مجھے اور میری اونٹنی کو لے جائے گا وہاں ٹھہروں گا''۔

یہ جگہ عریش کہلاتی تھی اور وہیں اس زمانے میں حضرت ابوایوب انصاری کا مکان تھا۔ چنانچہ آپ کی مہمان داری کی عظیم خیر و برکت انہی کے حصے میں آئی۔

رسول اللہ ﷺ نے عریش میں بارہ روز قیام فرمایا اور وہیں مسجد کی بنیاد رکھی۔ رسول اللہ ﷺ کی مہمان داری اور اتنے دن آپ کی شب و روز خدمت کا فریضہ انجام دینا واقعی ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑی نعمت اور باعث عظمت تھی۔

جیسا کہ ہم نے یزید بن ابی حبیب کے ذریعہ اور محمد ابن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے آگے چل کر تفصیلاً

اطلاع ملی تو وہ فوراً ہی اپنے مکان سے نکلے اور انہیں بالکل اسی طرح اپنے مکان پر لے گئے جس طرح ابوایوبؓ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ مدینے میں اپنے گھر لے گئے تھے اور اپنا تمام گھر ان کے بصرہ میں قیام کے دوران میں ان کے اختیار میں دیئے رکھا' پھر جب وہ وہاں سے رخصت ہوئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیس ہزار دینار اور چالیس غلام ان کی نذر کیے۔

مدینے میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان بعد میں ان کے غلام افلح کو مل گیا تھا جسے اس سے مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے خرید کر مدینے کے فقراء و مساکین کے لیے وقف کر دیا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی مدینے کے ہر محلے کا ہر گھر بلند و بالا درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس کے چہار جانب دور دور تک کھجوروں کے سرسبز و شاداب درختوں کے علاوہ سبزہ زار بھی تھے اور ان محلوں کے ہر گھر والے کا یہ اشتیاق تھا کہ آپؐ اس کے گھر تشریف فرما ہوں اور وہ اس کے لیے آپؐ سے بڑی منت و سماجت کے ساتھ درخواست کر رہا تھا لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا یہ عزت و عظمت بنی نجار کے محلے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی جو مکان دراصل بنی نجار بن مالک کی ملکیت تھا۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں شعبہ کی بیان کردہ حدیث نبوی جو انس بن مالک کے حوالے سے پیش کی گئی ہے اس میں درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انصار میں سب سے بہتر دور بنی نجار کا' پھر بنو عبدالاشہل کا' پھر بنو حارث بن خزرج کا اور پھر بنو ساعدہ کا دور ہے''۔

جب سعد بن عبادہ نے ایک دفعہ یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف انہیں دوسرے قبیلوں پر فضیلت بخشی ہے۔ تو ان سے کہا گیا کہ ان پر تو آپؐ نے دوسرے متعدد قبیلوں کو فوقیت و فضیلت بخشی ہے (یہ بخاری کے الفاظ ہیں) ویسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ دونوں نے اس روایت کو انس و ابی سلمہ کی زبانی اور ابی اسید مالک بن ربیعہ کے حوالے سے عبیدہ بن سہل کے الفاظ میں بطور حدیث نبوی پیش کیا ہے لیکن بعض دوسری روایات میں ابی حمید کی بیان کردہ اس حدیث (روایت) میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے کہ ابواسید نے سعد بن عبادہ سے کہا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کے لحاظ سے بنی نجار کو سب سے اوّل اور ہمیں سب سے آخر میں رکھا ہے؟''۔

ابواسید سے یہ سن کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) کیا آپؐ نے بنی نجار کو بھلائی میں اوّل اور ہمیں آخر رکھا ہے؟''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم [illegible]''۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے سارے مسلمانوں کو دین و دنیا دونوں میں شرف و رفعت کی خوشخبری سنائی تھی جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ ...... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ ...... الخ ﴾

ان آیات و احادیث کے علاوہ دیگر متعدد احادیث محدثین نے انصار کے فضائل کے بارے میں روایت کی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

① ''اگر میں مہاجر نہ ہوتا تو یقیناً انصار ہی میں سے ایک ہوتا''۔

② ''اگر انسان صرف وادیوں اور قبائل سے منسلک ہوتے تو میں انصار کے کسی قبیلے یا وادی سے منسلک ہوتا''۔

③ ''انصار (دنیا میں) میرا لشکر اور میرے دست و بازو ہیں''۔

④ ''انصار جن سے صلح کریں گے میں ان سے صلح کروں گا اور جن سے جنگ کریں گے میں بھی ان سے جنگ کروں گا''۔

بخاری فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج بن منہال' شعبہ اور عدی بن ثابت نے البراء بن عازب کی زبانی سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد گرامی بیان کیے:

① ''انصار سے مومن کے سوا کوئی محبت اور ان سے منافق کے سوا کوئی عداوت نہیں کرتا''۔

② ''جو انصار کا دوست اللہ اس کا دوست اور جو ان کا دشمن اللہ اس کا دشمن ہے''۔

یہ احادیث نبوی ابوداؤد کے سوا جملہ جماعت محدثین نے روایت کی ہیں۔ (مؤلف)

بخاریؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے مسلم بن ابراہیم اور شعبہ نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن جبیر نے انس بن مالک کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی:

''انصار کی محبت ایمان کی نشانی اور ان کی عداوت نفاق کی نشانی ہے''۔

امام بخاری کے بقول انصار کے فضائل کے بارے میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کثیر تعداد میں پیش کی گئی ہیں۔

امام بخاریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور آپؐ کے لیے انصار کی جانثاری پر مشتمل ایک انصاری شاعر ابوقیس بن ابی انس کے قصیدے کا بھی ذکر کیا ہے جس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحاق نے ابوقیس کے کہے ہوئے کچھ اشعار بھی پیش کیے ہیں جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصار کی اسلام

سے سرفرازی اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کے لیے خصوصی محبت کا ذکر کیا ہے۔ (مؤلف)

ابوقیس کے مذکورہ بالا قصیدے اور اشعار کا ذکر بیہقی نے بھی کیا ہے۔ (مؤلف)

رسول اللہ ﷺ کی وہاں ہجرت کے علاوہ مدینہ منورہ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ وہ پر عظمت شہر اس کے بعد اولیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کے دیگر نیک بندوں کا پرامن مسکن بنا۔ مدینہ منورہ کی عظمت اور اس کے فضائل کے بارے میں کثرت سے احادیث موجود ہیں جنہیں ہم انشاء اللہ تعالیٰ حسب موقع آگے چل کر پیش کریں گے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں حبیب بن یساف کی زبانی جعفر بن عاصم اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث درج کی گئی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''ایمان یہ ہے کہ مدینے میں داخل ہونے والا یہاں اس طرح (اطمینان کے ساتھ) داخل ہو جیسے سانپ اپنے سوراخ میں (مطمئن ہو کر) داخل ہوتا ہے''۔

مسلمؒ نے اس قبیل کی ایک حدیث محمد بن رافع' شبابہ' عاصم بن محمد بن عبداللہ بن عمر اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ صحیحین میں ایک اور ایسی ہی حدیث مالک کی زبانی یحییٰ بن سعید کے حوالے سے پیش کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے۔ یہ حدیث یحییٰ بن سعید نے ابوالحباب سعید بن یسار کی زبانی سنی اور آخر الذکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے ایسے شہر آنے کا حکم دیا گیا جو دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ پسندیدہ بستی ہے۔ اس بستی کا نام یثرب ہے' یہ بستی انسان کو اس طرح پاک صاف کر دیتی ہے جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کا میل دور کر دیتی ہے''۔ (تفسیری ترجمہ)

امام مالکؒ نے دوسرے اماموں کے حوالے سے مدینے کی مکے تک پر فضیلت بیان کی ہے۔ (مؤلف)

بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوالولید اور ابوبکر بن عبداللہ نے بیان کیا' ان سے حسن بن سفیان' ابوموسیٰ انصاری' سعید بن سعید نیز ان کے بھائی نے بیان کیا اور آخر الذکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یا اللہ تو نے مجھے محبوب ترین شہر سے اپنے محبوب ترین شہر میں لا کر آباد کیا''۔

آپ کی یہ جائے سکونت مدینہ ہی تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکے سے لا کر بسایا تھا۔ وہ حدیث بہت ہی نادر اور جملہ راویوں کے حوالے سے مشہور ترین بیان کی جاتی ہے جس میں مکے کی مدینے پر سوائے آنحضرت ﷺ کے مدفن مبارک کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس بات کے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں جن سب کو یہاں پیش کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم انہیں ہم نے حسب موقع اپنی کتاب ''المناسک من الاحکام'' میں ایک ہی جگہ پیش کیا ہے۔ (مؤلف)

بہر حال مدینے پر مکے کی فضیلت کی سب سے بڑی اور مشہور دلیل رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث ہے جو امام احمدؒ نے پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ہم سے ابوالیمان اور شعیب نے زہری کے حوالے سے بیان کیا اور آخرالذکر کا بیان ہے کہ انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے عبداللہ بن عدی بن الحمراء کے حوالے سے وہ حدیث سنائی جس میں آنحضرت ﷺ نے جب آپ مکے کے ایک بازار میں خرورہ کے مقام پر تشریف فرما تھے''۔

ارشاد فرمایا:

''(اے ارض مکہ) تو اللہ کی بہترین زمین ہے جہاں بیت اللہ ہے جو مجھے ہر جگہ سے زیادہ عزیز ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں (ہرگز) نہ نکلتا''۔

اسی طرح امام احمدؒ نے بھی یعقوب بن ابراہیم اور ان کے والد صالح بن کیسان اور زہری کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اسی طرح ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو لیث عقیل اور زہری کے حوالے سے پیش کیا ہے اور ترمذی نے اسے حدیث حسن بتایا ہے۔ اسی حدیث کو یونس نے زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے نیز محمد بن عمرو نے اسے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ بہرکیف ہمارے نزدیک اس سلسلے میں جو احادیث زہری کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں وہ صحیح ترین ہیں۔ (مؤلف)

ہجری سال اوّل کے واقعات

جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کے سولہویں' سترھویں یا اٹھارہویں سال اس بات پر متفق ہوئے کہ تاریخ اسلامی کی ابتدا کی جائے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ جب اس بات پر اتفاق رائے کے لیے مجلس مشاورت منعقد کی گئی تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ دوسرے ادیان عالم کی طرح دین اسلام کی ابتداء سے تاریخ اسلامی کی ابتداء کی جائے ایک دوسرے شخص کی یہ رائے تھی کہ تاریخ اسلامی کی ابتدا تاریخ ایران کی طرح کی جائے اور اس میں بھی ہر دور حکومت کا احوال سال بہ سال درج کیا جائے۔ ایک اور صاحب بولے کہ اسے تاریخ روم کی طرح مرتب کیا جائے۔ آخر میں ایک صاحب نے کہا کہ جس طرح مقدونیہ سکندر بن فیلقوس کی سخت نشینی سے تاریخ روم کی ابتدا ہوئی ہے اسی طرح اسلامی تاریخ کی ابتدا کی جائے نیز یہ کہ اس کا پہلا مہینہ ماہ شعبان سے شروع ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کون سا شعبان؟ یہ شعبان' گزشتہ ماہ شعبان یا آئندہ ماہ شعبان؟''۔ اس کے بعد مجلس مشاورت سے اس امر پر رائے لی گئی کہ آیا اسلامی تاریخ کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت سے آپؐ کے یوم بعثت سے یا آپؐ کے یوم وفات سے کی جائے؟''۔

بخاریؒ ابتدائے تاریخ اسلامی کے بارے میں صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جیسا کہ عبداللہ بن مسلم عبدالعزیز اور ان کے والد کی زبانی اور سعد بن سہل کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ چھڑا کہ تاریخ اسلام کی ابتداء اور اس کا شمار کس طرح کیا جائے۔ کسی کی رائے تھی کہ اس کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت سے کیا جائے' کسی نے کہا کہ آپؐ کے یوم بعثت سے اور کسی نے آپؐ کے یوم وفات سے اس کی ابتدا کی جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ سال ہجرت سے اس کی ابتدا کی جائے اور انہیں کی رائے پر سب نے اتفاق کیا یعنی تاریخ اسلامی کا شمار اس دن سے کیا جائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار مدینے میں داخل ہوئے۔

واقدی بھی کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن ابی زناد نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ سال ہجرت کے بارے میں اسلامی تاریخ کی ابتداء کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا اور اسی پر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا تھا۔

ابوداؤد طیالسی قرہ بن خالد سدوسی اور محمد بن سیرین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تاریخ اسلامی کا مسئلہ سامنے آیا تو ان سے کسی نے عرض کیا کہ اس کی ابتدا کی جائے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ ضرور کی جائے لیکن سوال یہ تھا کہ کس طرح کی جائے۔ اس کے بارے میں اکثر لوگوں نے رائے دی کہ اسلامی تاریخ بھی اہل عجم کی طرح

سال اور مہینوں میں تقسیم کی جائے۔ اس کے بارے میں اکثر لوگوں نے رائے دی کہ اسلامی تاریخ بھی اہلِ عجم کی طرح سال اور مہینوں میں تقسیم کی جائے۔ پھر یہ سوال اٹھا کہ آیا اس کی ابتدا آنحضرت کے سالِ ولادت سالِ بعثت یا سالِ وفات سے کی جائے۔ آخر کافی بحث و تمحیص کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر سب کا اتفاق ہوا کہ اس کی ابتدا سالِ ہجرت سے کی جائے۔ اس کے بعد مہینے کے تعین کا سوال آیا تو بعض لوگوں نے ماہ رمضان المبارک کے بارے میں رائے دی لیکن اکثر لوگوں نے کہا کہ چونکہ مسلمانوں کی اکثریت حج سے فارغ ہو کر کاروبارِ زندگی از سرِ نو شروع کرتی ہے لہٰذا تاریخ اسلامی کے سال کی ابتدا ماہ محرم الحرام سے ہونی چاہیے چنانچہ ماہ محرم ہی اتفاقِ رائے سے تاریخ اسلامی کے ابتدائی سال کا پہلا مہینہ قرار پایا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے نوح بن قیس طائی نے عثمان بن محصن اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ اسلامی تاریخ کے پہلے مہینے کا تعین قول باری تعالیٰ عزاسمہ ''والفجر ولیال عشر'' روشنی میں کیا گیا چونکہ ماہ محرم الحرام ہی درحقیقت اسلامی سال کی فجر ہے عبید بن سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''محرم اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے' یہی ہر سال کی راس ہے کیونکہ اس مہینے میں بیت اللہ کی کشش بڑھ جاتی ہے اور لوگ عموماً اسی طرف کا رُخ کرتے ہیں نیز اسی مہینے میں ہر سال چاندی کے سکوں کی ڈھلائی کا کام شروع کیا جاتا ہے جو زندگی کے عمومی کاروبار کے لیے ضروری ہوتے ہیں''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں روح بن عبادہ اور زکریا بن اسحٰق نے عمرو بن دینار کے حوالے سے بتایا کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے مکے سے مدینے کو ماہ ربیع الاوّل میں ہجرت فرمائی تھی لیکن ہجرت کی تاریخ کی تدوین یمن میں یعلیٰ بن امیہ نے ماہ محرم الحرام ہی کو تاریخ اسلامی کے سال کی ابتدا کا پہلا مہینہ قرار دے دیا' اور اسی پر تاریخی عمل شروع ہو گیا۔

محمد بن اسحٰق نے زہری' محمد بن صالح اور شعبی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ درحقیقت سب سے پہلے بنو اسماعیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعے سے تاریخ کی ابتدا کی پھر انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی ابتدائی تاریخ پیش کی' پھر انہی نے کعب بن لوی کی موت کی تاریخ متعین کی اور پھر انہی نے واقعہ فیل کی تاریخ بتائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے سترھویں یا اٹھارھویں سال میں تاریخ ہجرت کی ابتدا کی۔

اس فصل کو ہم نے ''سیرت عمر رضی اللہ عنہ'' میں پیش کردہ اسناد کے ذریعہ تحریر کیا ہے جس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ تاریخ اسلامی کی ابتدا درحقیقت سالِ ہجری سے ہوئی اور مسلمانوں نے اتفاقِ رائے سے اس کے سالِ اوّل کا پہلا مہینہ ماہ محرم الحرام متعین کیا جس پر اب جملہ مؤرخین اسلام متفق ہیں۔ (مؤلف)

البتہ سہیلی وغیرہ امام مالکؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ امام موصوف کے نزدیک سن اسلامی کی ابتدا ماہ ربیع الاوّل سے ہوئی جب آنحضرت ﷺ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی۔

سہیلی اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ﴾ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں وارد ہونے کا یہی پہلا دن تھا۔ اس لیے سن ہجری کی ابتدا اس دن سے ہونی چاہیے۔

ویسے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخ اسلامی کی ابتدا سال ہجرت سے ہوئی ہے اور امام مالکؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن اہل عرب سن اسلامی کی ابتدا سال ہجرت سے ہونے پر تو متفق ہیں لیکن اس سال بلکہ ہر سال کی ابتدا ماہ محرم الحرام سے کرتے ہیں اور سارے عالم اسلام میں اب اسی کا رواج ہے۔

موضوع ہجرت ہی کے سلسلے میں ایک اہم بات جس پر بعض نہایت معتبر لوگوں میں باہم اختلاف رائے ہے وہ بعد بعثت مکے اور مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت قیام کی تقسیم ہے۔ ان میں سے بعض اسے دس دس برابر تقسیم کرتے ہیں اور مکے میں آپؐ کے قیام کی مدت کا شمار بعثت آغاز وحی سے کرتے ہیں اور اس لیے بعثت سے آپ کی وفات تک کی مجموعی مدت بیس سال بتاتے ہیں لیکن انہی میں سے دوسرے لوگ جو بعد بعثت آپؐ کے قیام کی مدت مکے میں تیرہ سال اور مدینے میں بعد ہجرت آپ کی وفات تک دس سال بتاتے ہیں (جس پر سب کو اتفاق ہے) ان کے استدلال کی مکے میں آپؐ کے قیام کی تیرہ سالہ مدت کی بنیاد وہ عام خیال ہے کہ آپ کی بعثت جبریلؑ کے ذریعہ نزول وحی کے آغاز سے تین سال قبل ہو چکی تھی جب آپؐ کے پاس اسرائیل آئے تھے اور آپؐ نے ان کی آواز سنی تھی اگر چہ انہیں دیکھا نہیں تھا۔ واللہ اعلم

عبداللہ ابن سلام کا اسلام لانا

امام احمدؒ محمد بن جعفر اور عوف کی زبانی زرارہ اور عبداللہ بن سلام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ خود عبداللہ بن سلام نے زرارہ کو بتایا:

''جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو لوگ آپ کو دیکھنے کے لیے کثرت سے جمع ہو گئے اور میں بھی انہی لوگوں میں شامل تھا لیکن میری نظر جونہی آپؐ کے چہرۂ مبارک پر پڑی میں سمجھ گیا کہ اس چہرے والا شخص کاذب نہیں ہو سکتا''۔

اس کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''سب سے پہلے جو کلام میں نے آپ کی زبان مبارک سے سنا وہ یہ تھا: امن و امان کو پھیلاؤ' اطمینان سے کھانا کھاؤ' رات کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو اور پھر جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو''۔

ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ اس روایت کو عوف الاعرابی اور زرارہ ابن ابی عوفی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور ترمذیؒ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس روایت کا سیاق اس کے صحیح ہونے کا مقتضی ہے اس لیے جو کچھ عبداللہ بن سلام نے بیان کیا وہ انہوں نے یقیناً آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہوگا اور جب آپؐ نے قباء میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرمایا اس سے قبل ہی انہوں نے دوسرے لوگوں کے ساتھ آپؐ کے وہاں داخل ہوتے ہی آپ کو دیکھ لیا ہوگا۔

اس سے قبل عبدالعزیز بن صہیب کی زبانی انس کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب آنحضرت قباء سے روانگی کے بعد مدینے میں بنی نجار کے محلے میں پہنچے تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر رکنے سے قبل بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ عبداللہ بن سلام ہی کی نظر آپؐ کے روئے مبارک پر سب سے پہلے پڑی ہو کیونکہ وہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ ویسے بخاری نے اس سلسلے میں عبدالعزیز کی زبانی انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام نے آپ کو دیکھتے ہی آپؐ سے عرض کیا تھا:

''اشھد انک رسول اللّٰہ و انک جعت بحق''.

انہوں نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپؐ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہ (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ) یہودیوں کے بڑے سے بڑے سرداروں بڑے سے بڑے عالموں اور ان کے بیٹوں کو خوب جانتے ہیں اور اس کے بعد آپؐ سے عرض کیا تھا کہ آپ انہیں یعنی ان یہودیوں کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دیں لیکن ان سے یہ نہ فرمائیں کہ وہ (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ) پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہیں ورنہ وہ کچھ کا کچھ کہنے لگیں گے۔ چنانچہ جب آپؐ نے ان یہودیوں کو طلب فرما کر ان سے اللہ سے ڈرنے اور

اس کی وحدانیت کا اقرار کر کے مسلمان ہو جانے کے لیے فرمایا تو انہوں نے دوسرے حاضرین سے کہا: ''ہم تو انہیں نہیں جانتے''۔ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی جانب تھا اور یہ بات انہوں نے آپؐ کے بارے میں تین بار کہی۔اس پر آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جانتے ہیں؟ یہ سن کر وہ یک زبان ہو کر بولے۔

''وہ ہمارے بزرگوں اور سب سے بڑے عالموں کی اولاد ہیں''۔

ان کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اپنے سامنے طلب فرمایا اور ان کی طرف اشارہ فرما کر ان یہودیوں سے ارشاد فرمایا:

''یہ تو مسلمان ہو چکے ہیں''۔

لیکن وہ یہودی آپؐ کے اس ارشاد گرامی کا یقین نہ کر کے واپس جانے لگے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اقرار کرتے ہوئے ان سے کہا:

''اے گروہ یہود واقعی یہ اللہ کے رسول ہیں اور دعوتِ حق لے کر یہاں تشریف لائے ہیں''۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر وہ بولے کہ وہ (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ) ان کے اور ان کے بزرگوں کے فتنہ پرداز لوگوں میں سے ہیں اور پھر ان میں ہزاروں نقص نکال ڈالے جس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد آپؐ نے فرمایا:

''مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا''۔

یہی روایت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک اور شخص کے بارے میں بیان کی جاتی ہے جو عبرانی زبان کا بہت بڑا عالم تھا۔کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی پہلے قباء میں اور پھر بنی نجار کے ہاں آپ کی زیارت کی تھی اور مسلمان ہو گیا تھا۔اس نے اپنی پھوپھی یا چچی سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کی باتیں وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔اس لیے آپؐ کے نبی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کی قبا سے روانگی اور بنی سالم میں آپ کا خطبہ

جب آنحضرت ﷺ اپنی ناقے پر سوار ہو کر قباء سے روانہ ہوئے اور بنی سالم بن عوف کے گھر پہنچے تو اس وقت زوال کا وقت ہو چکا تھا۔ لہٰذا آپؐ نے وہاں موجود مسلمانوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ پڑھا کیونکہ اس سے قبل مکے میں مشرکین قریش کی ایذا رسانی کی وجہ سے چند مسلمانوں کا آپس میں جمع ہو کر عام دنوں میں کسی وقت کی نماز پڑھنا بھی سخت مشکل تھا۔ اس لیے ظہور اسلام کے بعد اس جمعہ کی نماز کو جمعہ کی نماز باجماعت کو مسلمانوں کی ایسی پہلی نماز سمجھنا چاہیے۔ مکے میں ایسی نماز جمعہ اور اس کے خطبے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ انہیں یونس بن عبد الاعلیٰ اور ابن وہب نے سعید بن عبد الرحمٰن کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے اس خطبے کے بارے میں بتایا جو آپؐ نے قباء سے بنی سالم بن عمرو بن عوف میں پہنچ کر اس نماز جمعہ میں ارشاد فرمایا تھا جو آپؐ نے مدینے میں پہلی بار ادا فرمائی تھی۔

سعید بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ آپؐ نے اس نماز جمعہ میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا:

''الحمد للہ' میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے طالب امداد ہوں' اس سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور اسی سے ہدایت طلب کرتا ہوں' میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے وجود سے انکار نہیں کرتا' میں کفر کرنے والے کا دشمن ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی شریک ہے محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے جسے اس نے دوسرے رسولوں کی طرح دنیا کی ہدایت' دین حق کی تبلیغ اور زمین پر روشنی پھیلانے اور بندگان خدا کی پند و موعظت کے لیے بھیجا ہے تاکہ انہیں علم' انسان کی گمراہی' دنیا سے رحلت' قرب قیامت اور قرب اجل کے بارے میں بتایا جائے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ رشید ہے اور جس نے ان سے منہ موڑ کر راہ معصیت اختیار کی وہ ہمیشہ کے لیے پست ترین قعر مذلت و ضلالت میں گرا۔ میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں یہ وہ بھلائی ہے جو آخرت تک ہر مسلمان کو مسلمان بنائے رکھتی ہے۔ مسلمان دوسروں کو تقویٰ کا حکم اور اس کے نفس کی اطاعت سے روکتا ہے جس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں ہے نہ اس سے میرا کوئی ذکر ہے' تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جائے اور اس (کے عذاب) سے ڈرا جائے' امر آخرت کی صداقت جلد ظاہر ہونے والی ہے' جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین بھلائی کا خواہش مند ہے وہ بظاہر اور بباطن اس کے حکم پر عمل کرتا ہے جس کی مدت کچھ بہت زیادہ نہیں ہے' اپنے نفس کی

اطاعت سے پرہیز کرو'اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جو شخص قول کا سچا اور ایفائے وعدہ میں کامل ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿ وَ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾

اپنے ہر عمل میں وہ ظاہری ہو یا باطنی خدا سے ڈرو کیونکہ:

﴿ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا ﴾ اور ﴿ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾

جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بغض اور اس کی عقوبت کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی تکلیف بھی دور کر دیتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ (خوف) چہرے کو روشن کر دیتا ہے' متقی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے درجات بلند کر دیتا ہے (پس) اس سلسلے میں اپنے فائدے کی بات لے لو' اس کی طرف بھی افراط کا خیال ترک کر دو کیونکہ اس نے تمہیں اپنی کتاب مقدس کا علم بخشا ہے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ اختیار کریں تاکہ سچے اور جھوٹے لوگوں میں امتیاز کر سکیں۔ بھلائی کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے' اللہ کے دشمنوں سے عداوت رکھو اور اس کی راہ میں جہاد کرو جیسا اس کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (جہاد میں) مسلمان کو اپنے دشمن کو ہلاک کرنے یا اسے زندہ چھوڑ دینے کا حق دیا' جو قوت ہے فقط اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کیا کرو' وہی آخرت میں موت کے بعد تمہارے کام آئے گا۔ بندوں کی اصلاح اور ان کی اصلاح کا کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کسی بات کا تقاضا کر سکتا ہے' بندے اس سے کسی بات کا تقاضا نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زور اپنے بندوں پر ہے' ان کا اللہ تعالیٰ پر کوئی زور نہیں' بندے اللہ کی ملکیت ہیں' اللہ بندوں کی ملکیت نہیں ہے۔ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ** ''۔

نبی کریم ﷺ کا یہی خطبہ ہے جس کی ابن جریر نے بالا سناد مرسلہ روایت کی ہے (مؤلف)

بیہقی نے بھی اسی خطبے کو رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں درود کے بعد آپ کا پہلا خطبہ بتایا ہے۔ (مؤلف)

بیہقی مزید کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ' ابوالعباس الاصم' احمد بن عبدالجبار اور یونس بن بکیر نے ابن اسحٰق کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر سے مغیرہ بن عثمان بن محمد بن عثمان اور اخنس بن شریق نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے بیان کیا کہ ورود مدینہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے پہلے جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں حمد وثنا کے بعد جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ تھا:

''لوگو! اپنی ذات حیثیت پر پہلے غور کرو' اللہ تمہیں بتاتا ہے اور پھر تم سے پوچھتا ہے کہ اگر تم میں سے کسی پر اس کے حکم سے بجلی گر پڑے تو کیا اس کے بعد اس کے بکریوں کے گلے کو بلانے والا اور چرواہا کوئی ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی تمہارا ترجمان ہے اور نہ کوئی تمہارا پردہ پوش' وہ تم سے یہ بھی فرماتا ہے کہ کیا اس نے تمہاری ہدایت کے لیے اپنا رسول نہیں بھیجا؟ کیا اس نے تمہیں مال و دولت نہیں دی؟ کیا اس نے تم پر اپنا فضل نہیں کیا؟ پھر تم اپنے نفس کی پیروی پر کیوں

مائل ہو؟ ایسا کرو گے تو پھر اگر تم اپنے دائیں بائیں دیکھو گے تو تمہیں کوئی چیز نظر نہیں آئے گی اور اگر نیچے نظر ڈالو گے تو آتش جہنم کے سوا کچھ نہ دیکھ سکو گے۔ کاش تم ایک لمحے کے لیے اس پر غور کر کے اعمال نیک کی طرف آؤ گے تو تمہارے لیے ایک ہی بہتر راستہ ہے یعنی کلمہ طیب (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اعمال حسنہ کا تجزیہ کرنے کے لیے بس یہ کرسات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرب در ضرب بے شمار مثالیں ہیں۔ والسلام علی رسول اللہ و رحمة الله و بر کاته''۔ ❶

بیہقی مندرجہ بالا اصحاب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس جمعے کا خطبہ آخر میں آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

''الحمد للہ! میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے امداد طلب کرتا ہوں' ہم اپنے نفس کے فتنوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں' اللہ جس کو گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں) سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) ہے' اس نے فلاح پائی جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے زینت بخشی اور اسے کفر کے بعد اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور اسے اختیار بخشا کہ وہ ہدایات اسلام کے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں کی باتوں کو رد کر دے۔ کلام الٰہی سب سے زیادہ بہتر (یعنی شیریں) کلام ہے' اس کی تبلیغ کرو' جسے اللہ چاہے اسے تم بھی چاہو' اللہ کو اپنے دل کی تمام گہرائیوں سے چاہو' اللہ کے کلام اور اس کے ذکر کو نہ اُلٹ پلٹ کرو نہ اپنے قلوب میں اس کی کمی آنے دو' جسے اللہ تعالیٰ نے اختیار بخشا اور اس کے قلب کو مصفا بنایا اس نے (گویا) اس کے اعمال کو بھی نیک بنایا اور اپنے تمام بندوں میں اسے بھلائی کے لیے چن لیا' بہترین بات یہ ہے کہ کوئی دوسروں کو حرام و حلال میں فرق کرنا سکھائے۔ اللہ کی عبادت کرو' کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ' تقویٰ کو اتنا اختیار کرو جتنا اس کا حق ہے' جو کچھ منہ سے نکالو (یعنی جو بات کرو) اس میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر صداقت کا سب سے زیادہ خیال رکھو' آپس میں جو معاہدہ کرو اسے روح خداوندی جان کر پورا کرو' کیونکہ جو معاہدات پورے نہیں کرتے ان سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ والسلام علیکم و رحمة الله و بر کاتهٗ''۔

یہ روایت بھی تمام تر مرسل اور اختلاف الفاظ کے سوا پہلی روایت کی طرح قوی ہے۔ (مؤلف)

❶ ابن ہشام نے اس جگہ و السلام علیکم و علی رسول اللہ لکھا ہے۔ (مؤلف)

مسجد نبویؐ کی بنیاد اور ابوایوبؓ کے مکان میں اس کا استقرار

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے قباء میں تشریف آوری کے بعد وہاں مسجد کی بنیاد ڈالی اور نماز بھی ادا فرمائی تھی لیکن اس ضمن میں مختلف روایات ہیں کہ آپؐ نے وہاں کتنے روز قیام فرمایا تھا اور اس دوران میں کون سے دن مسجد کی بنیاد ڈالی تھی بہر کیف آپ وہاں بنو عمرو بن عوف میں ٹھہرے تھے اور اس کے بعد وہاں سے جو مدینے کا بالائی حصہ کہلاتا تھا روانہ ہو کر بنو نجار کی طرف چلے تو عمرو بن عوف کے قبیلے کے لوگ آپ کی حفاظت کے لیے آپؐ کے گرد و پیش تلواریں لے کر ایک جلوس کی شکل میں آپ کو وہاں تک پہنچانے کے لیے ساتھ ساتھ آئے۔ اس جلوس میں آپؐ کی سواری آگے آگے اور آپؐ کے پیچھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سواری تھی۔

جب آپؐ نے بنو نجار میں اپنی اونٹنی کے وہاں رُک جانے اور بیٹھ جانے کے بعد قیام کا ارادہ فرمایا تو وہ لوگ قباء کو واپس چلے گئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپؐ نے بنو نجار میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ بنو نجار کے ایک وفات یافتہ شخص عمرو کے دو بیٹوں سہل و سہیل سے مسجد کے لیے وہ زمین خرید فرمائی تھی جو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کے ساتھ خالی پڑی تھی' نیز یہ کہ ان بچوں نے وہ زمین آپ کو بخوشی ہبہ کرنا چاہی تھی لیکن آپؐ نے اس کی قیمت ادا فرمائی تھی۔

جب آپؐ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہونے کے بعد اس کے متصل خالی زمین خرید فرما کر وہاں مسجد تعمیر فرمانے کا فیصلہ فرما دیا تو اس کی بنیاد رکھنے سے قبل وہ میدان کوڑے کرکٹ اور سنگریزوں وغیرہ سے صاف کیا گیا۔ پھر جب مسجد کے احاطے کے لیے نشانات لگانے کے بعد وہاں کی زمین بنیادوں کے لیے کھودی جانے لگی۔ تو اس کی مٹی اٹھانے میں انصار و مہاجرین کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے لیکن آپ مٹی کی ایک ٹوکری اٹھاتے تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو ٹوکریاں ساتھ ساتھ اٹھاتے تھے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا:

''(افسوس ہے) ایک دن تمہیں باغیوں کا گروہ قتل کر دے گا''۔

اسی طرح کچھ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب غزوہ خندق سے قبل مدینے میں جہاں خندق کھودی جا رہی تھی تو اس وقت بھی جب آپؐ مہاجرین و انصار کے ساتھ شریک ہو کر مٹی کی ایک ٹوکری اٹھاتے تھے تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو ٹوکریاں بیک وقت اٹھاتے تھے اور آپؐ نے ان سے یہی جملہ اس وقت بھی کہا تھا۔ ویسے چونکہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے ان شامیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے جو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ کر رہے تھے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو بظاہر بڑی غریب ہے کچھ شیعہ حضرات کی اختراع ہو۔ ویسے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیادوں سے مٹی

لگاتے وقت جب اس میں انصار و مہاجرین کے جوش و خروش کو ملاحظہ فرمایا تھا تو اکثر ثقہ راویوں کے بقول آپؐ نے یہ شعر ورد ارشاد فرمایا تھا:

لا عیش الاعیش الآخرہ' اللّٰھم ارحم الانصار و المھاجرین۔

حالانکہ اس محنت کشی میں آپؐ خود بھی شریک تھے۔ ممکن ہے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بیک وقت مٹی کی دو دو ٹوکریاں اٹھاتے دیکھ کر آپؐ نے خوش ہو کر انہیں کچھ اور بھی دعا دی ہو لیکن جب مدینے میں خندق کی کھدائی کے وقت اس کے بارے میں یہ روایت سامنے آتی ہے کہ اس وقت بھی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو پتھر ساتھ اٹھا رہے تھے جب کہ آپؐ اور دوسرے مہاجرین و انصار بیک وقت صرف ایک پتھر اٹھاتے تھے تو اس روایت کی صحت اور بھی شک و شبہ میں ڈال دیتی ہے کیونکہ خندق کی کھدائی میں پتھر اٹھانے کی روایت عجیب معلوم ہوتی ہے بہر حال چونکہ یہ دونوں روایات بخاریؒ اور دیگر بہت سے ثقہ راویوں کے حوالے سے ہم تک پہنچی ہیں اس لیے ہم ان کے بارے میں واللہ اعلم ہی کہہ سکتے ہیں اور چونکہ فی الوقت ہمارا موضوع مسجد نبوی کی بنیاد اور اس کی تعمیر ہے اس لیے اس ضمنی گفتگو کے بعد ہم اسی طرف آتے ہیں۔ (مؤلف)

بیہقی ابی بکر بن ابی الدنیا کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر سے حماد الضحی اور عبدالرحیم ابن سلیمان نے اسماعیل بن مسلم اور حسن کے حوالے سے بیان کیا کہ جب مسجد کی بنیادیں بھری جا چکیں تو آنحضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ انہیں عریش موسیٰ کی حد تک بلندی پر لے جائیں۔ آپؐ کی زبان سے مسلم نے حسن سے پوچھا ''عریش کا کیا مطلب ہے؟''۔ تو حسن نے مسلم کو بتایا کہ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ بلند کرنے کی حد کو عریش کہا جاتا ہے اور اس سے مراد چھت ہوتی ہے۔

یہی روایت حماد بن سلمہ کی زبانی ابی سنان' بن شداد بن اوس کے حوالے سے یوں پیش کی گئی ہے کہ جب مسجد کی بنیادیں بھرنے کے بعد لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ انہیں کس حد تک اٹھایا جائے تا کہ جب ان پر چھت ڈالی جائے تو اس کے نیچے آسانی سے نماز ادا کی جا سکے یعنی نماز پڑھتے وقت کھڑے ہونے میں کوئی دقت نہ ہو تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) سے اس معاملے میں زیادہ بلند نہیں جانا چاہتا' اس کی چھت عریش موسیٰ کی برابر پڑے گی''۔

یعنی جتنی بلند حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چھت رکھی تھی۔

یہ حدیث اس میں ''عریش موسیٰ'' کے ذکر کی وجہ سے غریب بتائی جاتی ہے۔ (مؤلف)

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن حاتم اور عبداللہ بن موسیٰ نے سنان' عطیہ عوفی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ مسجد کی بنیادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دوسری چیزوں یعنی پتھر کے ٹکڑوں اور کھجور کی لکڑی کے مضبوط حصوں سے بھری گئی تھیں اور اس کی دیواریں اور چھت کھجور کے تختوں سے بنائی گئی تھیں نیز یہ کہ اس کی چھت پر مٹی سے پہلے کھجور کے پتے رکھے گئے تھے اور آپ کی وفات تک وہ اسی حالت میں تھیں' پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب وہ بوسیدہ ہو کر گرنے لگیں

عہد میں مسجد کو اینٹوں سے تعمیر کرایا۔ تاہم یہ روایت بھی غریب ہی بتائی جاتی ہے کیونکہ دوسری ثقہ روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد کی بنیادوں میں اینٹیں لگوائی تھیں اور اس کی دیواریں بھی کچی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھیں۔ البتہ اس کی چھت میں کھجور کے تختے استعمال ہوئے تھے اور اس پر کھجور ہی کی جھاڑیاں رکھی گئی تھیں نیز یہ کہ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس کی دیواریں پکی اینٹوں سے چنوادی تھیں لیکن اس کی چھت میں وہی چیزیں استعمال کروائی تھیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھیں یعنی کھجور کے تختے اور ان کے اوپر کھجور ہی کے پتے وغیرہ۔ ویسے ابوداؤد مذکورہ بالا حوالوں کے ذریعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد میں نہ صرف کافی اضافہ کیا تھا بلکہ اس کی دیواروں میں منقش پتھروں کے علاوہ اس کے فرش میں بھی پتھر کی سلیں لگوائی تھیں۔

مسجد کے موضوع سے کسی قدر ہٹ کر یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے جسے امام احمدؒ نے ابی نضر' حشرج بن نباتہ عبسی ❶، بہز' زید بن حباب' عبدالصمد اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے آخرالذکر دونوں کو یہ بات سعید بن جمہان اور سفینہ سے معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت میں بدل جائے گی''۔

سفینہ اس حدیث پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضورؐ کی بات سچ تھی کیونکہ آپؐ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال' عمر رضی اللہ عنہ کی دس سال' عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال رہی جس کی مجموعی مدت تیس سال ہوتی ہے۔

امام احمد کی روایت کردہ حدیث کے بھی یہی الفاظ ہیں جنہیں ابوداؤد' ترمذی' اور نسائی نے سعید بن جمہان ہی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حدیث حسن بتایا ہے۔

---

❶ اصل نسخے میں ... حشرج لکھا ہے۔ (مترجم)

مسجد نبویؐ کے فضائل

مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے وہاں مسجد کی بنیاد پڑنے اور اس کی تعمیر کا ذکر کرنے کے بعد اس کے مستند فضائل پر تفصیلی گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد میں محراب و منبر کی تعمیر کے بعد آپ کے منبر سے خطبہ شروع کرتے ہی جو حیرت خیز و اثر انگیز واقعہ پیش آیا اس کا ذکر کر دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں آپؐ کے خطبات کے لیے ممبر کی تعمیر سے قبل آپؐ اپنے مصلیٰ ہی سے مسجد میں نماز کے لیے جمع شدہ مسلمانوں کی طرف رُخ فرما کر خطبات ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان کے دوران میں سہارے کے لیے مصلیٰ کے قریب ہی ایک لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا لیتے تھے لیکن جب پہلے روز آپؐ نے ممبر سے خطبہ ارشاد فرمانا شروع کیا تو اس ستون سے ایسی آواز آنے لگی جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے جدا ہو کر روتا ہے۔ یہ دیکھ کر اور لوگ تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے لیکن جب آپؐ نے ممبر سے اتر کر اس ستون پر شفقت سے ہاتھ رکھا تو وہ بالکل اسی طرح خاموش ہو گیا جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں آ کر چپ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ ممبر سے خطبہ ارشاد کرنے سے قبل اور اس کے بعد اس ستون پر شفقت سے ہاتھ ضرور پھیرتے تھے۔

یہ روایت سہل بن سعد ساعدیؓ جابرؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ انس بن مالک اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس روایت کی تصدیق فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ مدینے کے اہل ایمان کو جو رسول اللہ ﷺ سے بے انتہا محبت تھی اس کے علاوہ بے جان چیزوں کا بھی آپؐ سے اس درجہ لگاؤ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور یہی آپؐ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا ثبوت ہے۔

قباء میں ظہور اسلام کے بعد پہلی مسجد اور وسط مدینہ میں مسجد نبویؐ کے فضائل سے متعلق تمام تر روایات درج ذیل ہیں:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن انیس بن ابی یحییٰ نے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ ان کے والد نے ابوسعید خدری سے سنا کہ بنی خدرہ اور بنی عمرو بن عوف کے دو آدمیوں کے درمیان اس بات پر اختلاف تھا کہ جو مسجد بر بنائے تقویٰ اپنی تعمیر کے لیے مشہور ہے وہ مسجد قبا ہے جو ظہور اسلام کے بعد سب سے پہلے تعمیر کی گئی یا مسجد نبوی؟ خدری کہتا تھا کہ وہ مسجد قبا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔ آپؐ اس وقت مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے اس مسجد کے متعلق فرمایا: ''وہ یہ مسجد ہے''۔ یعنی مسجد نبوی کو مسجد قباء پر فضیلت ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے مسجد قبا کے بارے میں ''خیر کثیر'' والی مسجد فرمایا۔

ترمذیؒ نے قتیبہ' حاتم بن اسماعیل اور انیس بن ابی یحییٰ اسلمی کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے اسے حدیث حسن بتایا ہے۔

امام احمد اسحاق بن عیسیٰ لیث بن سعد ترمذی نسائی [illegible] عمران بن ابی انس عبدالرحمٰن بن ابی سعید اور ان کے والد کے حوالے سے اس حدیث کے بارے میں مذکورہ بالا دو آدمیوں کا مسجد قباء اور مسجد نبوی کی بابت باہم اختلاف بیان کرتے ہوئے اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ بالا جواب پیش کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حمید الخراط کی زبانی ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے یہ حدیث اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ابی سلمہ نے جب عبدالرحمٰن بن ابی سعید سے پوچھا کہ ان کے والد کو یہ حدیث کیونکر معلوم ہوئی تو وہ بولے کہ انہوں نے جب مسجد قباء اور مسجد نبوی کی ترجیحی حیثیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے خود دریافت کیا تو آپؐ نے مٹھی بھر کنکر زمین سے اٹھا کر انہیں زور سے زمین پر پٹک کر فرمایا: ''یہ تمہاری مسجد ہے''۔ ظاہر ہے کہ اس سے آپ کی مراد مسجد نبوی تھی۔ مسجد نبوی کی فضیلت کے بارے میں امام احمدؒ نے کئی دوسرے متعدد حوالوں سے دو دوسری روایات میں بھی پیش کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے عبداللہ' زید بن ثابت اور سعید بن مسیب نے بھی اپنی اپنی روایات میں آنحضرت ﷺ کی اس رائے کا اظہار کیا ہے اور ابن جریر نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ بہر کیف متاخرین اس بات پر متفق ہیں کہ مسجد قباء کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی اس حدیث میں اس لیے تضاد نہیں ہے کہ مسجد قباء کی فضیلت اپنی جگہ درست ہے لیکن جیسا صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) دونوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بار ہا اپنی اپنی جگہ بلحاظ فضیلت جن تین مساجد یعنی مسجد نبویؐ، مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس کا بطور خاص زور دے کر ذکر فرمایا وہ اس لیے کہ مسلمان ہمیشہ انہی تین مساجد سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ رکھیں گے۔ آنحضرتؐ نے جیسا کہ صحیحین میں بیان کیا گیا ہے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کا ثواب سوائے مسجد حرام کے ہزاروں ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ صحیحین میں یحییٰ القطان کی زبانی حبیب' حفص بن عاصم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت بھی پیش کی گئی ہے کہ آنحضرت نے مسجد نبویؐ کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا:

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''۔

مسجد نبوی کے فضائل سے متعلق بے شمار احادیث ہیں جنہیں ہم ان شاء اللہ کتاب ''المناسک من کتاب الاحکام الکبیر'' میں بیان کریں گے۔ **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔** (مؤلف)

رسول اللہ ﷺ کے لیے مسجد نبوی کے قریب ایک کمرہ اور آپؐ کے اہل و عیال کے لیے اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے گئے تھے۔ حسن ابن حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ وہ جب لڑکے تھے تو اپنی والدہ خیرہ کے ساتھ جو ام سلمہ کی کنیز تھیں رہا کرتے تھے ان کے بقول آنحضرت ﷺ کا کمرہ ایسا تھا جس کی چھت وہ اٹھا کر چھو لیا کرتے تھے اور اس کے کمرے کے ساتھ جو کمرے تھے وہ بہت ہی چھوٹے اور شکست و ریخت کے قریب معلوم ہوتے تھے۔

جو شکل و شمائل' جسامت اور قد و قامت حسن ابن حسن بصریؒ کی بیان کی گئی ہے وہ خود حسن بصریؒ کی تھی۔ (مؤلف)

سہیلی اپنی کتاب ''الروض'' میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے جو مکان بنائے گئے تھے وہ اینٹوں کے تھے' [illegible] بنائے گئے تھے ان میں پہاڑی

بجری بھی استعمال کی گئی تھی اور ان کی چھتیں بھی اینٹوں کی تھیں۔ اس کے بارے میں حسن بصریؒ کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کمرہ درخت عرعر کی شاخوں کو باہم پیوست کر کے بنایا گیا تھا۔ انہی کے بقول اور جیسا کہ تاریخ بخاری میں بھی ہے آپ کے مکان کا دروازہ پتلی پتلی لکڑیوں سے بنایا گیا تھا اور اس کی درزیں سوکھی گھاس سے بھر دی گئی تھیں نیز یہ کہ اس دروازے میں دو پٹ نہیں تھے۔ آپ کی ازواج مطہرات کی وفات کے بعد ان کے سارے مکان بھی مسجد کے صحن میں شامل کر لیے گئے تھے۔

واقدی اور ابن جریر وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن اریقط دئلی مدینے سے مکے جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلاموں زید بن حارثہ اور ابو رافع کو بھی ان کے ساتھ کر دیا تھا تا کہ وہ آپؐ کے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کو وہاں سے مدینے لے آئیں آپؐ نے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ضروری زادِ راہ کے علاوہ پانچ سو درہم بھی دے دیئے تھے تا کہ وہ قدید سے اونٹ خرید لیں۔ چنانچہ وہ آپ کی بیٹیوں حضرت فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما اور آپ کی ازواج سودہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپؐ کے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دیگر اہل و عیال کو مکے سے مدینے لے آئے تھے۔ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہم اور ان کی والدہ ام رومان نے تینوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی والدہ ام رومان نے راستے میں اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ میں پکڑا دی تھی اور کہتی جا رہی تھیں:

''میں مدینے پہنچ کر اپنی بیٹی کو دلہن بنا کر اس کی رخصتی کر دوں گی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد فرماتی ہیں کہ:

''ایک جگہ کسی نے مجھ سے کہا کہ اونٹ کی مہار مجھے دے دو' چنانچہ میں نے مہار اسے دے دی۔ اس کے بعد اونٹ رک گیا اور ہم خدا کے فضل و کرم سے اس پر سے آرام سے اتر آئے اور خدا کا شکر ادا کیا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جہاں وہ سواری سے اتری تھیں وہ جگہ سنخ تھی۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آٹھ ماہ بعد اپنے گھر سے رخصت ہو کر زوجہ رسول ﷺ کی حیثیت سے آپ کے مکان میں چلی گئی تھیں۔ ان کے ہمراہ ان کی بڑی بہن اسماء گئی تھیں جب کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے شکم میں تھے۔ اس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر سال اوّل ہجری کے آخری واقعات کے ساتھ کریں گے۔

مدینے میں مہاجرین کے ابتدائی مصائب

متعدد مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین مکہ کے مدینے پہنچنے سے قبل وہاں کی مقامی خصوصیات میں شدت کی گرمی، پانی کی کمی اور وبائی امراض کی کثرت تھی۔

اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی جو روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے مدینے پہنچ کر وہاں کی یہ خصوصیات سننے کے بعد جب اپنے والد حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ انہوں نے مدینے کو کیسا پایا تو ان کا جواب یہ تھا کہ جن کے ساتھ وہ مدینے آئے تھے ان کی خاطر سے وہ موت کو ان کے جوتے کی ایڑی کے ایک پرزے سے بھی کمتر سمجھتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہی بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ مدینے کے وہ عارضی مصائب تو کیا تھے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رات سے صبح تک ان کے تمام بال نوچ لیے جائیں اور کھال اتار لی جائے تو وہ اس حالت میں بھی گھبرائیں گے نہیں بلکہ خوشی کا اظہار کریں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت منقول ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہی کے بقول حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا جوابات سے انہیں یہی اندازہ ہوا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشاری کی وجہ سے یہ جوابات دینے پر مجبور تھے ورنہ مدینے میں عام مہاجرین کو جن مصائب کا سامنا تھا وہ درحقیقت کچھ اور تھے۔

بہرکیف جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مدینے کو مکے کی طرح بلکہ اس سے زیادہ محبوب بنا دیا ہے اور اس کے جملہ نقائص کو ہمارے لیے خوبیوں سے بدل دیا ہے''۔

ایک دوسری روایت میں جو امام احمدؒ نے یونس اور لیث کی زبانی یزید بن ابی حبیب' ابی بکر بن اسحٰق بن یسار' عبداللہ بن عروہ اور خود عروہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما دونوں بیمار ہو گئے تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینے پہنچیں اس وقت تک بیمار تھے۔ چنانچہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جب ان کی عیادت کے لیے گئیں اور ان دونوں سے یکے بعد دیگرے ان کی ناسازی طبع کا احوال پوچھا تو ان دونوں نے وہی جوابات دیئے جن کا مندرجہ بالا پہلی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی ذکر ہو چکا ہے۔

مدینے کے مذکورہ بالا شدائد کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بھی متعدد مستند روایات میں وہی ملتا ہے جو بطور حدیث نبوی سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو روایت پیش کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

جب اہل مکہ سے معاہدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے کچھ صحابہ ؓ عمرہ کی غرض سے مدینے سے مکے پہنچے تو اس زمانے میں مدینے کے موسمی بخار میں کافی عرصے تک مبتلا رہنے کی وجہ سے کافی کمزور ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر مشرکین مکہ آپس میں کہنے لگے کہ وہ مدینے کے مصائب اور وہاں کے وبائی امراض سے گھبرا کر نقاہت کے باوجود وہاں سے مکے لوٹ آئے ہیں۔ ان کی ان چہ میگوئیوں کی خبر جب آپ کو ملی تو آپؐ نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف وغیرہ مستعدی سے کریں تا کہ مشرکین مکہ کا گمان گمانِ باطل ثابت ہو جائے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینے میں نماز کے وقت کچھ لوگ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں سے آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نصف ہوتا ہے اور ایسے لوگ جب اللہ تعالیٰ سے کسی قسم کی دعا کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے احساس و اظہار ضعف و اضمحلال کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی طرف مسلمانوں کو کس عذر کی بناء پر صوم وصلوٰۃ میں جو رعایت دی گئی ہے اس سے متصادم یا متضاد نہیں ہے کیونکہ آپ کا یہ ارشاد تو عام مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور مصائب میں صبر و استقامت کے لیے تھا۔ ویسے نہ صرف اپنے رسول بلکہ عام مہاجرین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مدینے کی فضا کو اپنے فضل و کرم سے رفتہ رفتہ خوشگوار بنا دیا تھا۔ (مؤلف)

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مہاجرین و انصار کو باہمی محبت و مواخاۃ کی تلقین' اس سلسلے میں باقاعدہ تحریر اور یہود مدینہ سے صلح اور امداد باہمی کا معاہدہ

بنوقینقاع' بنونضیر اور بنوقریظہ کے یہودی انصار سے قبل اس وقت حجاز میں آ کر آباد ہو گئے تھے جب بخت نصر نے جیسا کہ طبری نے لکھا ہے بیت المقدس کو تہ و بالا کر کے وہاں کے یہودیوں کی کثیر تعداد کو تہ تیغ کر دیا تھا جب کہ عذاب الٰہی کی صورت میں سیل ارم سے تباہی کے بعد قبائل اوس و خزرج بھی منتشر و متفرق ہو کر مدینے آ گئے تھے اور وہاں کے یہودیوں کے حلیف بن گئے تھے حالانکہ دونوں میں اب تعلیمات انبیاء کا اثر باقی تھا نہ حق پرستی رہی تھی۔ البتہ عقائد شرک میں دونوں شریک تھے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے اپنے آبائی وطن سے نکلنا پڑا تھا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں عفان' حماد بن سلمہ اور عاصم الاحول نے انس بن مالک کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انس بن مالک کے مکان میں انصار و مہاجرین سے باہمی مواخاۃ اسلامی کے لیے حلف لیا تھا۔

امام احمدؒ اس سلسلے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ انہیں یہی باتیں نصر بن باب نے حجاج بن ارطات کے حوالے سے اور سریج و عباد نے حجاج' عمرو بن شعیب' حکم' قاسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتائیں۔

امام احمد' بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے دوسرے متعدد ذرائع کے علاوہ عاصم بن سلیمان الاحول اور انس بن مالک کے حوالے نیز آخر الذکر ہی کی زبانی بیان کیا ہے کہ قریش و انصار کے مابین مواخاۃ اسلامی کے لیے حلف برداری آنحضرت ﷺ نے انہی کے مکان میں کرائی تھی نیز ایک تحریر بھی ان کی عقل و فہم کے مطابق تحریر کرائی تھی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو تحریریں الگ الگ لکھوائی تھیں جن میں سے پہلی تحریر انصار و مہاجرین قریش میں باہمی مواخاۃ کے لیے حلف نامے اور یادداشت کی صورت میں اور دوسری مسلمانوں اور یہود مدینہ کے درمیان بطور معاہدہ تھیں۔ پہلی تحریر یہ تھی:

''یہ تحریر نبی امی محمد (ﷺ) نے مدینے کے مومن و مسلم انصار اور مکے کے مسلم و مومن مہاجرین کے لیے بطور شرائط مواخاۃ اسلامی یادداشت کی صورت میں لکھائی ہے۔

اس کی شرائط یہ ہیں:

چونکہ مکے کے مہاجرین یا مدینے کے انصار دونوں اسلام کی رو سے ملت واحد ہیں' اس لیے ان میں خواہ ان کا تعلق

اپنے معاشی حالات اور کثیر العیال ہونے کی وجہ سے تنگ دست ہو، زندگی میں کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے بلکہ ہر حال میں فدیہ و دیت کے ادا کرنے میں باہمی امداد کریں گے ... کوئی مومن کسی غیر مومن کا حلیف نہیں ہوگا، مومنین کے مابین بنائے ظلم وتعدی کا ذریعہ بننے والا فتنہ وفساد کا مرتکب ہوگا ... کسی غیر مومن کی نصرت و امداد پر مائل نہیں ہوگا خواہ وہ اس غیر مومن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، ہر مومن اپنے غریب ... کی مدد کرے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ذمہ داری ہے، کوئی مومن کافر کے ساتھ ہو کر کسی مسلمان کو قتل نہیں کرے گا نہ مومن کے مقابلے میں کافر کی مدد کرے گا، بعض مومن یہودیوں کے غلام ہیں اس لیے مومنوں کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان غلاموں کو ان کے غیر مومن مالکوں کے ظلم وتعدی سے بچائیں۔ کیونکہ تمام مسلمان ملت واحد ہیں اس لیے کوئی مومن فی سبیل اللہ جہاد میں کسی غیر مومن کی مدد نہیں کرے، البتہ بطور عدل وانصاف باہمی صلح صفائی میں شریک ہو سکتا ہے، کوئی مومن قریش کے کسی مشرک کو پناہ دے گا نہ کسی مومن پر اس کو ترجیح دے گا۔ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھوں بالقصد قتل ہو جائے یا قتل کر دیا جائے تو دوسرے مسلمان بہ تقاضائے انصاف اس کے ورثا کو خون بہا یا دیت لینے پر راضی کرنے کی کوشش کریں گے، ہر مسلمان مکمل مسلمان ہے اس لیے اس کے لیے اپنے دین پر قائم رہنا لازم ہے۔ ہر مسلمان اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) سے رجوع کر کے ان کے احکام کی پابندی کریں گے۔ ورنہ اس کے برعکس عمل پر خدا اور رسول کے مغضوب ٹھہریں گے اور دنیا وآخرت دونوں جگہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے''۔

مدینے کے یہودیوں سے مسلمان مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے جو تحریری معاہدہ کرایا وہ یہ ہے:

''یہود مدینہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ مدینے کے مسلمانوں سے کبھی محاربات نہیں کریں گے بنی عوف کے یہودی بنی عوف کے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں گے۔ مسلمان اپنے دین پر اور یہودی اپنے عقائد پر قائم رہیں گے، ان کے مذاہب الگ الگ سہی لیکن وہ ایک دوسرے کے دینی و مذہبی امور میں مداخلت نہیں کریں گے، اگر وہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو ان سے از روئے عدل وانصاف مواخذہ ہوگا، بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی اوس، بنی ثعلبہ اور بنی حیفہ وبنی شطنہ کے یہودیوں اور مدینے کے مسلم انصار اور مہاجرین کے درمیان اس معاہدے کی شرائط وہی ہوں گی جو بنی عوف کے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس معاہدے کی رو سے طے پائی ہیں۔ یہود مدینہ کے علاقے ان کی تحویل میں رہیں گے، وہاں سے کسی یہودی کے نکل کر کہیں اور اقامت کے لیے محمد (ﷺ) کی اجازت لازمی ہوگی، یہودیوں کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی اس لیے مسلمان جس سے جنگ کریں گے ان کا ساتھ دینے اور ان کے مخالف سے جنگ کی ذمہ داری یہودیوں پر ہوگی، اس معاہدے کی رو سے مدینے کے کسی شخص پر غیر ضروری دباؤ نہیں ہوگا، یہودی اور مسلمان جو اس معاہدے میں شریک ہیں وہ اسی طرح مل جل کر رہیں گے جیسے ایک ہی گھر کے لوگ رہتے ہیں، اگر ان میں کوئی باہمی نزاع یا اختلاف ہوگا تو وہ محمد (ﷺ) سے مصالحت یا فیصلے کے لیے رجوع کریں گے۔ باہم

صلح صفائی کرائیں گے‘ کسی پر اس وقت تک دباؤ نہیں ڈالیں گے نہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے جب تک وہ ظلم کا مرتکب نہ ہوگا‘ اس معاہدے کے تحت عدل و انصاف کی رو سے سب برابر ہوں گے‘ اللہ صرف انصاف کرنے والوں اور پرہیزگاروں کا محافظ ہوتا ہے۔ مدینے میں ہر شخص کو امن و عافیت سے رہنے کی اجازت ہوگی جب تک وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو اس معاہدے سے متجاوز اور قابل تادیب و مواخذہ ہو‘‘۔

اس معاہدے کے بارے میں ابن اسحٰق کی روایت قریباً یہی ہے۔ ابوعبید القاسم بن سلام نے ’’کتاب الغریب‘‘ میں اس معاہدے پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم میں مواخاۃ کے لیے حکم خداوندی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

① ﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُالدَّارَ وَ الْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ .... الخ ﴾

② ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ .... الخ ﴾

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے صلت بن محمد اور ابواسامہ نے ادریس' طلحہ بن مصرف' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قول باری تعالیٰ ﴿ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ﴾ اور ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ کے بارے میں ورثہ کا یہ قول بیان کیا کہ ان آیات قرآنی میں جو اشارات ہیں وہ ان جملہ مہاجرین کے بارے میں ہیں جنہوں نے مکے سے مدینے کو اللہ کے حکم پر ہجرت کی اور ان انصار مدینہ کے بارے میں جنہوں نے ان مہاجرین کو خلوص قلب سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور انہوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر ایمان رکھتے تھے بلکہ بعد میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً حقیقی بھائیوں کی طرح بھائی بھائی بنا دیا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سفیان نے عاصم سے سن کر انس کا یہ قول بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں مہاجرین و انصار کو مواخاۃ اسلامی کی تلقین فرمائی تھی اور انہی کے گھر میں دونوں سے اخوۃ اسلامی پر قائم رہنے کا حلف لیا تھا اور ان میں سے دو دو افراد کو بھائی بھائی بنایا تھا۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں مہاجرین و انصار میں فرداً فرداً اخوت اسلامی کی بنیاد رکھی تھی اور انہیں خود اپنی زبان مبارک سے بھائی بھائی بنایا تھا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جو حدیث ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے مہاجرین و انصار کو جمع کر کے ان سے فرمایا: تـاخـوا فـي الله اخوين. یعنی اللہ کے نام پر دو دو آدمی ایک دوسرے کے بھائی بنو۔

پھر آپؐ نے حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: هـذا اخـي (یہ میرا بھائی ہے) چنانچہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سید المرسلین' امام المتقین اور رسول رب العالمین تھے اور جن کا کوئی دوسرا عدیل ومثیل نہیں ہے (اس اجتماع میں) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رسمی طور پر اپنا بھائی بنایا۔ اس طرح حمزہ رضی اللہ عنہ نے جو خدا اور رسول خدا کے شیر تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اپنا بھائی بنایا۔ حضرت حمزہ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو جنگ احد میں اپنا وصی بنایا تھا۔ اس کے بعد جعفر بن ابی طالب ذوالجناحین اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھائی بھائی بنایا گیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جعفر اس وقت تک حبشہ میں تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جعفر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے بعد یکے بعد دیگرے ابوبکر اور خارجہ بن

زید خزرجی' پھر عمر بن خطاب اور عتبان بن مالک' ابوعبیدہ اور سعد بن معاذ' عبدالرحمٰن بن عوف اور پھر سعد بن ربیع' زبیر بن عوام اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہم بھائی بنے۔ ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زبیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھائی بنے تھے۔ بہرکیف اس کے بعد عثمان بن عفان اور اوس بن ثابت بن منذر نجاری' طلحہ (بن عبیداللہ) اور کعب بن مالک' سعید بن زید اور ابی بن کعب' مصعب بن عمیر اور ابوایوب' ابوحذیفہ بن عتبہ اور عباد بن بشر' عمار اور حذیفہ بن یمان عبسی جو عبدالاشہل رضی اللہ عنہم کے حلیف تھے بھائی بنے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حذیفہ بن یمان عبسی رضی اللہ عنہ کی بجائے ثابت ابن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بنے تھے۔ بہرحال مندرجہ بالا برادرسازی کی دوطرفہ اسناد موجود ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس طرح یکے بعد دیگرے مذکورہ بالا لوگ بھائی بھائی بنے اس کے بعد ابوذر بریر بن جنادہ اور منذر بن عمرو المعتق لیموت' حاطب بن ابی بلتعہ اور عویم بن ساعدہ' سلمان اور ابودرداء اور سب سے آخر میں بلال رضی اللہ عنہ اور ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی بھائی بھائی بنے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جہاں تک انہیں علم اور جہاں تک اس کے بارے میں انہوں نے دوسروں سے سنا بھائی بندی کی یہ فہرست وہ ہے جو مدینے میں ایک ہی روز بھائی بھائی اور جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسمی طور پر باقاعدہ بھائی بھائی بنایا۔

بہرکیف ہمارے نزدیک اس فہرست میں ماسوا اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھائی بندی کی خبر کی صحت سے علمائے کرام اور دوسرے باخبر لوگ انکار کی ممانعت کرتے اور اس کے بارے میں کسی شک وشبہ تک کو غلط ٹھہراتے ہیں بعض دوسری اطلاعات محل نظر ہیں کیونکہ اس بات سے قطع نظر کہ اس فہرست میں کچھ لوگ قدیم عادات کے زیر اثر باہم انشقاق و ارتفاق میں مبتلا ہو سکتے تھے اور ان کی بھائی بندی بہ نفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلامی اخوت اور مصلحت کا تقاضا تھا نیز کچھ مہاجرین مثلاً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی بندی اسلامی مساوات کے عملی اظہار کے لیے تقاضائے وقت تھا لیکن دوسرے ان مہاجرین کے درمیان جو خونی رشتہ داری کے علاوہ اسلام لاتے ہی ایک دوسرے کی محبت میں غرق ہو گئے تھے از سرِ نو بھائی بندی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی بندی کی روایت سے اس لیے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے باوجود کہ علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے حقیقی عم زاد تھے اور اپنے چچا ابوطالب کی زندگی ہی میں آپؐ نے ان کی پرورش' نگہداشت اور تربیت شروع کر دی تھی لیکن ان کے ساتھ سب کے سامنے اخوت کی رسمی تجدید دوسروں کے لیے نظیر قائم کرنا تھی اور تقاضائے وقت بھی یہی تھا اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا یہ فہرست کچھ دوسری بدیہی باتوں کی وجہ سے بھی محل نظر ہے مثلاً جعفر اور معاذ بن جبل کی بھائی بندی جس کی طرف عبدالملک بن ہشام نے اشارہ کیا اور بتایا ہے کہ جعفر تو اس وقت تک حبشہ سے واپس نہیں آئے تھے بلکہ ساتویں سال ہجری کے اوائل میں فتح خیبر کے وقت پہلی بار مدینے پہنچے تھے۔ اس کے علاوہ ابن اسحٰق کی پیش کردہ روایت کی رو سے جو انہوں نے عبدالصمد' حماد اور ثابت کی زبانی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی اور جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی عبیدہ بن جراح اور ابی طلحہ رضی اللہ عنہما کو بھائی بھائی بنایا تھا' محل نظر قرار پاتی ہے۔ واضح رہے کہ امام احمدؒ کی اس روایت کی مسلم نے حجاج بن شاعر اور عبدالصمد بن

عبدالوارث کے حوالے سے خاص طور پر تائید کی ہے اور مسلم کی یہ روایت بہرطور اس سلسلے میں ابن اسحٰق کی روایت سے جس میں ابو عبیدہ اور سعد بن معاذ کی مواخاۃ کا ذکر کیا گیا ہے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

امام بخاریؒ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں مواخاۃ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوجحیفہ کے اقوال پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی بندی کا اسلامی رشتہ قائم کیا تھا اور اسی طرح سلمان فارسی اور ابی درداء کے درمیان مواخاۃ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس طرح بخاریؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں محمد بن یوسف اور سفیان کی زبانی حمید اور انس کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع انصاری کو مواخاۃ اسلامی کے تحت بھائی بھائی بنایا تو سعد بن ربیع انصاری نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے زر و مال اور اہل وعیال میں سے نصف حصے کی پیش کش کی تو عبدالرحمٰنؓ نے ان سے کہا:

''تمہارے اہل وعیال اور تمہارا زر و مال اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، مجھے تو بازار میں کسی کاروبار سے لگا دو''۔

پھر بھی سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ گھی کچھ پنیر اور کچھ نقدی اصرار کر کے دے دی تھی تا کہ وہ اس سے کاروبار شروع کر سکیں۔ کچھ دن بعد آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو غالباً بیماری کی وجہ سے ان کا رنگ کسی قدر زرد ہو رہا تھا۔ اس لیے آپؐ نے ان سے پوچھا: ''عبدالرحمٰن یہ تمہارا کیا حال ہے؟''۔ وہ بولے: ''یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے''۔ یہ سن کر آپؐ نے ان سے پوچھا: ''اس سے تمہیں کیا ملا؟''۔ وہ بولے: ''اس کے پاس سونا بہت ہے''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر بکریاں ہوتیں تو اس سے بہتر تھا''۔

آنحضرت ﷺ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان اس گفتگو کی روایت کو اکثر راویوں نے بطور خاص پیش کیا ہے کیونکہ اس سے آپؐ کے بحیثیت انسان ذوق مذاح کا پتہ چلتا ہے۔[1] (مؤلف)

اس روایت کو ابن اسحٰق نے حسب موقع آخر میں مختلف ذرائع اور حمید کے حوالے سے پیش کیا ہے امام احمدؒ اس روایت حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ان سے یکے بعد دیگرے عثمان، حماد اور ثابت وحمید نیز انس کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ جب

---

[1] اس جگہ ناچیز کو دو مشہور احادیث یاد آئیں۔ ایک تو یہ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی غریب آدمی نے آپؐ سے عرض کیا: ''حضورؐ میرا اونٹ کہیں کھو گیا ہے اور کئی دن سے نہیں ملا''۔

آپؐ نے فرمایا: ''اسے اونٹ کا ایک بچہ دے دیا جائے''۔ اس پر وہ بولا ''میں اونٹ کا بچہ کیا کروں گا' مجھے تو بار برداری کے لیے اونٹ چاہیے''۔

اس آدمی سے یہ سن کر آپؐ نے تو تبسم فرمایا اور حاضرین مجلس نے اس سے کہا ''بے وقوف اونٹ کا بچہ بھی تو اونٹ ہوتا ہے''۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ ایک روز آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی بوڑھا شخص جنت میں نہیں جائے گا''۔ یہ سن کر ایک بوڑھا آدمی رونے لگا تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے اس سے کہا: ''میرے بھائی! کیا تم نے آپ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ جنت میں داخلے سے قبل بوڑھے جوان بنا دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا''۔ (مترجم)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینے پہنچے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''بھائی! میرے پاس دوسرے اہل مدینہ کے مقابلے میں زیادہ مال و دولت ہے اور میری دو بیویاں ہیں لہٰذا یوں کرو کہ میرے مال میں سے تم اپنی حسب پسند جتنا مال چاہے لے لو۔ اس کے علاوہ میری دو بیویوں میں سے جو تمہیں پسند ہوگی میں اسے طلاق دے کر اس کا نکاح تم سے کرا دوں گا''۔

عبدالرحمٰن ان کی یہ بھائی بندی کی انتہا اور فراخدلی دیکھ کر بولے:

''بھائی! تمہارا مال اور تمہاری بیویاں اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے' مجھے تم بازار میں کوئی کام دلا دو''۔

چنانچہ سعد ابن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ انہیں کچھ گھی' کچھ پنیر وغیرہ دے کر تجارت میں لگا دیا جس میں انہیں کافی فائدہ ہوا چنانچہ ایک روز جب وہ شاندار لباس پہنے کہیں جا رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر ان کا حال پوچھا۔

وہ بولے: ''میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے؟''۔

آپؐ نے پوچھا: ''تم نے اسے بھی کچھ دیا؟''۔

وہ بولے: ''کچھ سونا دیا ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''کچھ بکریاں بھی دے دیتے تو اچھا ہوتا''۔

عبدالرحمٰنؓ بولے: ''چاندی سونے کے علاوہ میں نے اس کے لیے ایک عمدہ مکان بھی بنا دیا ہے''۔

بخاریؒ اس حدیث کی تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے یہ عجیب و غریب حدیث ہے لیکن اس کی صحت کے بارے میں انس کی روایت کے علاوہ کوئی دوسری سند نہیں ہے''۔

خدا جانے بخاریؒ نے اس حدیث کی تعلیق کے لیے کیا ذرائع اختیار کیے ہیں اور ان سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔ (مؤلف)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں یزید وحمید نے انس کے حوالے سے بتایا کہ ایک روز آخرالذکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے اہل مدینہ (انصار) کے علاوہ کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو ہماری امانت میں کسی سے کم نہیں اور ہم پر خرچ کرنے میں سب سے آگے ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا:

''مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکوں کا سارا اجر یہی سمیٹ لیں گے''۔

ان سے یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا

''نہیں (ایسا نہیں ہے) کیا تم نے ان پر احسان نہیں کیا اور کیا تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ اسلام نہیں دی؟''۔

حضور نبی کریم ﷺ کا مطلب ان الفاظ سے یقیناً یہ تھا کہ کسی قوم کی اصلاح اور اسے ہدایت کر کے نیکی کے راستے پر ڈال دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ صاحبان صحاح ستہ میں سے کسی نے خود استخراج نہیں کی لیکن تین اسناد ثقہ کی بناء پر صحیح ترین حدیثوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خود بخاریؒ نے اسے صحیح بخاری کی کتاب وکالت میں اس کا اندراج کیا ہے۔ (مؤلف)

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں حکم بن نافع' شعیب اور ابوالزناد نے اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ انصار مدینہ نے ان سے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ کھجوروں کی ساری پیداوار مہاجرین میں جو ان کے بھائی ہیں اور ان میں برابر برابر تقسیم کر دیں۔ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے کہ ''یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے'' یعنی یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس پر انصار نے کہا کہ آیا وہ یعنی مہاجرین نہیں چاہتے کہ انصار ان کی مدد کر کے اس کا ثمر (اجر) اللہ تعالیٰ سے پائیں اور اس کے لیے تمہارے بھی شکرگزار ہوں کہ تم نے ہماری پیش کش قبول کر کے ہمیں اس کا موقع دیا۔

ایک بار آنحضرت (ﷺ) نے مہاجرین کے بارے میں انصار سے فرمایا:

''یہ تمہارے بھائی اپنے اموال و اولاد چھوڑ کر آئے ہیں''۔

آپؐ کی زبان مبارک سے یہ سن کر بہت سے انصار یک زبان ہو کر بولے:

''حضورؐ ہمارا مال ان کے لیے حاضر ہے''۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

''یہ لوگ کوئی کام کرنا نہیں جانتے اس لیے تم (فی الحال) ان کی کفالت کرو اور ان میں کھجوریں تقسیم کر دو''۔

چنانچہ وہ لوگ اس پر بخوشی راضی ہو گئے۔

ہم نے انصار کے فضائل و محاسن کے بارے میں جتنی احادیث ہیں ان سب کا ذکر کیا ہے اور اس سے قبل ان کے حسن اخلاق اور سیرت و کردار کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ بھی پیش کر چکے ہیں جو یہ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

ابی امامہ اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار کی وفات

ابی امامہ ان بارہ آدمیوں سے ایک اور پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی قوم بنی نجار کے سامنے مکے کے قریب عقبہ میں رات کے وقت رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیعت کا اعلان کیا تھا اور اس وجہ سے اپنی قوم کے نقیب تسلیم کر لیے گئے تھے۔ انہوں نے تینوں عقبات میں رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کی بیعت کے مناظر دیکھے لیکن عقبہ ثانیہ میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر کے مسلمان ہونے والے وہ پہلے جوان شخص تھے اور وہی پہلے آدمی تھے جنہوں نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' مدینے میں لوگوں کو جمع کر کے وہاں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا اعلان کیا تھا۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابی امامہ اسعد بن زرارہ کی وفات اس مہینے میں ہوئی تھی جب مدینے میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تھی اور یہ کہ ان کی موت گلے کی بیماری سے ہوئی تھی۔

ابن جریر اپنی تاریخی کتاب میں کہتے ہیں کہ انہیں محمد بن عبدالاعلیٰ اور یزید بن زریع نے معمر' ہری اور انس کے حوالے سے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ شوکہ میں ابی امامہ سے ملے تھے جہاں کے لوگ بہت سچے اور نیک تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے یحییٰ بن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی امامہ کی موت پر فرمایا:

> ''ابی امامہ کی موت (اس وقت) بری ہوئی' کیونکہ یہودی اور دوسرے اہل عرب جو میرے مخالف ہیں کہہ رہے ہیں کہ اگر میں نبی ہوتا تو میرا ساتھی کیوں مرتا' حالانکہ اپنی یا اپنے کسی ساتھی کی موت کو روک دینا جیسی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے''۔

آپ کا یہ ارشاد واقعی تقاضائے وقت تھا کیونکہ ہجرت کے فوراً بعد ابی امامہ کی اچانک موت آپؐ کے لیے صدمے کا باعث تھا اور وہی پہلے شخص تھے جن کی وفات آپؐ کے مدینے میں تشریف آوری کے تھوڑے ہی دن بعد ہوئی۔ ویسے ابوالحسن بن اثیر کا خیال یہ ہے اور یہی انہوں نے ''غابہ'' میں لکھا کہ ابی امامہ کا انتقال ماہ شوال میں ہوا جب کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینے میں تشریف لائے ہوئے سا تواں مہینہ تھا۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابی امامہ اسعد بن زرارہ کی وفات کے بعد بنی نجار نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اب ان کا نقیب کسے ہونا چاہیے یا آپؐ ان کی جگہ کسے اس حیثیت سے مقرر فرمانا چاہتے ہیں؟

آپؐ نے جواب دیا:

''آپ لوگ رشتے میں میرے ماموں ہیں اور اب میں آپ لوگوں میں آ گیا ہوں تو آپ کا نقیب بھی اب میں ہی ہوں''۔

آپ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سن کر وہ لوگ سوچ میں پڑ گئے کیونکہ آپ کو اپنا نقیب بنانا وہ خلاف ادب سمجھتے تھے۔ تاہم آپ کا یہ جواب اس مصلحت پر مبنی تھا کہ آپ ان میں سے کسی کو کسی دوسرے پر ترجیح دینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بہر حال بنی نجار کے فضائل میں اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ آپؐ ان کے نقیب ہوں۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ابی نعیم اور ابن مندہ دونوں کے اس بیان کی صریحاً تردید ہوتی ہے کہ ابی امامہ اسعد بن زرارہ اور بنی ساعدہ کے نقیب تھے اور ابی امامہ اسعد بن زرارہ واقعی بنی نجار ہی کے نقیب تھے اور ابن اثیر کا مندرجہ بالا قول بالکل صحیح ہے۔

ابوجعفر بن جریر اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینے پہنچنے کے بعد مسلمانوں میں وفات پانے والے پہلے شخص ابی امامہ ہی تھے۔ ابن جریر اس ضمن میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آپؐ مدینے تشریف لائے تو اس کے بعد اپنی وفات تک ابی امامہ کے صاحب مکان کلثوم بن ہدم نے ایک کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں پہنا اور یہ کہ کلثوم بن ہدم کی وفات کے بعد یعنی اسی سال اچانک ابی امامہ بھی وفات پا گئے جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی جس میں ابی امامہ دن رات مشغول رہتے تھے۔

کلثوم بن ہدم بن امرئ القیس بن حارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس انصاری اوسی جن کا تعلق بنی عمرو بن عوف سے تھا بہت ہی بوڑھے آدمی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں تشریف آوری سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ جب آپؐ نے مکے سے مدینے کو ہجرت کرنے کے بعد سے قباء میں قیام فرمایا تو وہ اس رات وہاں پہنچ گئے تھے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے مکان میں رات سے صبح تک گفتگو میں مشغول رہے تھے جس کے بعد جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے بنی نجار میں منتقل ہو گئے تھے۔ ابن اثیر بیان کرتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینے میں پہنچنے کے بعد مسلمانوں میں وفات پانے والے یہی بزرگ تھے' اسعد بن زرارہ نے ان کے بعد وفات پائی۔ اس سلسلے میں طبری کا یہی بیان ہے''۔

سال ہجری کے پہلے سال ماہ شوال میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت

ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں اسلام میں پہلا جو بچہ پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے جیسے پہلے بچے انصار میں بعد ہجرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہجرت کے بیسویں مہینے میں پیدا ہوئے۔ یہ قول ابوالاسود کا ہے اور واقدی نے بھی محمد بن یحیٰی بن سہل بن ابی حثمہ اور آخر الذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں نعمان بن بشیر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے چھ ماہ قبل یعنی بعد ہجرت چودھویں مہینے کے اوائل میں پیدا ہوئے لیکن صحیح وہی ہے جو ہم پہلے عنوان بالا میں بتا چکے ہیں یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سن ہجری کے آغاز میں ماہ شوال میں پیدا ہوئے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے زکریا بن یحیٰی اور ابواسامہ نے ہشام بن عروہ ان کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اسماء مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی طرف روانہ ہوئیں تو اس وقت حاملہ تھیں اور جب وہ قبا پہنچیں تو ان کے بطن سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی اور وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور آپؐ انہیں (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو) اپنے حجرے میں لے گئے اور کھجور طلب فرمائی، پھر آپؐ نے اس کھجور کو اپنے دہن مبارک میں اچھی طرح چبا کر اس کا شیرہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو چٹایا۔ چنانچہ پہلی چیز جو اس نومولود کے پیٹ میں گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس نومولود کو اس کھجور کا باقی شیرہ گھٹی کی طرح پلا دیا اور اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اس کے والدین کو مبارک باد دی۔ یہ اسلام میں پیدا ہونے والا پہلا لڑکا تھا۔

یہی بات بعد میں خالد بن مخلد نے علی بن مسہر، ہشام، ہشام کے والد اور اسماء رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کی اور خود اسماء کی زبانی بتایا کہ جب وہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے پہنچیں تو حمل سے تھیں۔

قتیبہ نے ابی اسامہ، ہشام بن عروہ، ان کے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا اور بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اسلام میں پیدا ہونے والے پہلے بچے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔ جب انہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے انہیں گود میں لے کر کھجور طلب فرمائی، اسے چبایا اور پھر اس کا شیرہ اس بچے کے منہ میں ٹپکایا۔ اس لحاظ سے جو چیز سب سے پہلے اس بچے کے پیٹ میں گئی وہ آپ کا لعاب دہن تھا"۔

یہ حدیث واقدی وغیرہ کے لیے ان کے مذکورہ بالا بیانات کے خلاف مدلل ثبوت ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کے ساتھ جب وہ مدینے سے مکے واپس جانے لگے تھے زید بن حارثہ اور ابا رافع کو بھی بھیج دیا تھا تاکہ وہ وہاں سے آپ کے اور ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو مدینے لے آئیں۔ چنانچہ جب وہ ان لوگوں کو لے کر مدینے واپس آئے تو اس وقت اسماء (بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما) حاملہ تھیں اور ان کا وضع حمل قریب تھا۔ چنانچہ مدینے پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کے بطن سے بچہ پیدا ہوا تو مسلمانوں نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کیونکہ انہیں خبر ملی تھی کہ یہودیوں نے ان کے اوپر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے بعد ہجرت ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوگا اور اس بچے کی ولادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو جھوٹا ثابت کر دیا تھا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

امام احمدؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کی تزویج و رخصتی کے بارے میں وکیع' سفیان' اسماعیل بن اُمیہ' عبداللہ بن عروہ' ان کے والد اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ (ﷺ) نے مجھ سے شادی شوال کے مہینے میں کی یعنی میری رخصتی اسی ماہ میں ہوئی' میرے ساتھ شادی سے زیادہ آپ کس عورت کے ساتھ اپنی شادی سے محظوظ ہوئے ہوں گے؟''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی اور شوال کے مہینے میں اپنی رخصتی سے خوشی ہوئی ہوگی اور انہوں نے اسے اپنے لیے بابرکت سمجھا ہوگا۔

مسلم' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے بھی سفیان ثوری کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے اور ترمذیؒ نے اس روایت کو روایت حسن اور صحیح بتایا ہے لیکن ہم نے اس روایت کو بجز اس کے کہ یہ سفیان ثوری سے منقول ہے اس حدتک صحیح بلکہ قرین قیاس نہیں سمجھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شادی سے صرف سات یا آٹھ ماہ قبل ہوگئی ہوگی۔

البتہ اس سلسلے میں ابن جریر کے دوقول بھی پیش کیے گئے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی آنحضرت ﷺ سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی سے قبل ہجرت کے بعد نخ میں دن کے وقت ہوئی تھی۔ یہ بیان ہر چند ان باتوں کے برعکس ہے جو آج کل بیان کی جاتی ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ عیدین کے درمیان شادی کسی کو راس نہیں آتی کیونکہ اس سے زوجین میں تفرقہ پڑ جاتا ہے لیکن یہ صرف توہمات پر مبنی ہے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق جو سطور بالا میں درج کیا گیا رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ماہِ شوال ہی میں ہوئی تھی اور رخصتی بھی اسی ماہ میں ہوئی تھی بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا' انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ ان کے ساتھ شادی سے زیادہ کس دوسری عورت کے ساتھ اپنی شادی سے محظوظ ہوئے ہوں گے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے خیال میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج میں سب سے زیادہ انہی سے محبت کرتے تھے اور ان کا یہ بیان واضح دلائل سے ثابت ہے۔

اس روایت کی صحت میں اس سے بہتر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ صحیح بخاری میں اس روایت کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث درج کی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے (ایک روز)

دریافت کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ کو عورتوں میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا''۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت (ﷺ) سے پوچھا:

''اور مردوں میں یارسول اللہ (ﷺ)''۔

آپؐ نے فرمایا:

''ان کے باپ''۔

نماز حضر کی رکعتوں میں اضافہ

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ سن ہجری کے سال اوّل ہی میں نماز حضر میں اضافہ کیا گیا' اس سے قبل نماز حضر اور سفر دونوں میں دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ نماز حضر میں یہ اضافہ رسول اللہ (ﷺ) کی ہجرت کے بعد مدینے میں ماہ ربیع الآخر میں اس وقت ہوا جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔

واقدی کے نزدیک ابن جریر کی اس روایت کے بارے میں آج بھی اہل حجاز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس روایت سے قبل بخاریؒ نے معمرؒ کے ذریعہ زہریؒ، عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جو نماز اوّل اوّل فرض کی گئی تھی اس میں دو رکعات تھیں' میں اگر چہ سفر میں دو رکعات ہی پڑھتی تھی' لیکن اس کے بعد حضر کی حالت میں اس میں اضافہ کر لیتی تھی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی یہ روایت شعبیؒ کے ذریعہ مسروق کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔

بیہقی حسن بصریؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب نماز فرض کی گئی تو قیام کی حالت میں یعنی جب نمازی سفر میں نہیں ہوتا تھا تو چار رکعات نماز پڑھنا فرض تھا۔ واللہ اعلم

ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آیت قرآنی:

﴿ و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم ...... الخ ﴾

کے موقع پر اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

اذان اور اس کی مشروطیت

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ کو مدینے میں اطمینان حاصل ہوا' آپؐ کے مہاجر بھائی بھی وہیں آ کر آپؐ کے پاس جمع ہو گئے اور امور انصار کے ساتھ امور اسلام کو بھی استحکام حاصل ہوا تو اس کے بعد باقاعدہ نماز بھی قائم ہوئی اور روزوں کے ساتھ زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اس کے علاوہ حدود شرعی کا قیام' حلال وحرام میں باقاعدہ امتیاز عمل میں آیا اور اہل اسلام کھلم کھلا اسلامی فرائض ادا کرنے لگے۔ تاہم مسلمان اس وقت تک اوقات نماز کی پابندی تو کرتے تھے اور نماز کے لیے وقت پر مسجد میں جمع بھی ہو جاتے تھے لیکن اس کے لیے باقاعدہ اعلان کی کوئی صورت نہ تھی۔ چنانچہ اس صورت حال پر رسول اللہ ﷺ نے غور فرمایا اور پہلے یہ سوچا کہ ہر نماز کے لیے یہودیوں کی طرح بگل بجا کر اس کا اعلان کیا جائے لیکن آپ کو عبادات اسلامی کے لیے یہودیوں کی پیروی پسند نہ آئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو نماز کے لیے مسجد میں بلانے کے واسطے ناقوس کے بارے میں سوچا لیکن یہ صورت بھی آپ کو مکروہ معلوم ہوئی۔ پھر اس کے بارے میں جب مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا گیا تو عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ نے جو حارث بن خزرج کے بھائی اور اپنے قبیلے کے منادی تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ میں نے کل رات خواب میں اپنے آپ کو حالتِ طوافِ کعبہ میں پایا اور دیکھا کہ ایک شخص سبز کپڑے پہنے ہوئے اور ہاتھ میں ناقوس لیے میرے قریب سے گزر کر جا رہا ہے''۔ یہ دیکھ کر میں نے اس شخص سے کہا: ''یہ ناقوس مجھے قیمتاً دے دو''۔ اس نے پوچھا: ''تم اس کا کیا کرو گے؟''۔ میں نے کہا: ''ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے''۔ میرا یہ جواب سن کر وہ بولا: ''اگر میں نماز کے لیے لوگوں کو بلانے کا اس سے بہتر ذریعہ تمہیں بتاؤں تو؟'' میں نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' اس نے جواب دیا:

''ہر نماز کے وقت مسجد سے بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کرو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه.

عبداللہ بن زید بن ثعلبہ کا یہ خواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خواب سچا ہے اور ان شاء اللہ سچا ثابت ہوگا''۔ پھر آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ وہ اس طرح ہر نماز کے وقت بلند آواز سے لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں بلایا کریں۔ اس کے بعد جب بلال رضی اللہ عنہ نے اس طرح اذان دینا شروع کی اور حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے جو اس وقت اپنے گھر میں تھے بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنی تو وہ اپنی چادر اوڑھے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یا نبی اللہ (ﷺ) آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات بالکل ٹھیک بتائی گئی ہے''۔

پھر جب انہوں نے آپؐ سے عبداللہ بن زید بن ثعلبہ کے خواب کا حال سنا تو بولے

''میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر فرمایا: ''فللّٰہ الحمد''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں اس حدیث کے بارے میں محمد بن ابراہیم بن حارث نے محمد بن عبداللہ بن زید ثعلبہ ابن عبدربہ اوران کے والد کے حوالے سے بتایا۔

یہی حدیث ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے بھی محمد ابن اسحاق ہی کے حوالے سے روایت کی ہے۔ البتہ ترمذی اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ انہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اذان کے بعد جب نمازی نماز کے لیے صف بستہ کھڑے ہو جائیں تو بطور اعلان اقامت صلوٰۃ یہ کہا جائے:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ' قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔''

ابن ماجہ نے یہ حدیث ابی عبید محمد بن عبید بن میمون' محمد بن سلمہ حرانی اور ابن اسحٰق کے حوالے سے پیش کی ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں دوبارہ ''اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم'' کا اضافہ کر دیا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔ پہلے ہی روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے اذانِ فجر میں ان الفاظ کا اضافہ سنا تو انہوں نے مسجد میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انہوں نے اسی رات کو خواب میں تھوڑی ہی دیر پہلے ایک غیبی آواز سنی تھی جس میں اذان فجر میں انہی کلمات کا اضافہ تھا۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں اذان فجر میں ان کلمات کے اضافے کی تجویز آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے والا تھا لیکن بلال رضی اللہ عنہ کسی سے کہے سنے بغیر مجھ پر بھی سبقت لے گئے۔''

اذان اور اس کی مشروطیت کے بارے میں ہم نے یہ بیانات اس فصل میں کتاب ''الاحکام الکبیر'' سے اخذ کر کے درج کیے اور وہ سب کے سب بڑی مستند روایات پر مبنی ہیں' تاہم سہیلی نے بزار کے ذریعہ محمد عثمان بن مخلد اور ابی کی زبانی زیاد بن منذر محمد بن علی بن حسین' ان کے والد حضرت علیؓ کے حوالے سے جو حدیث اسراء پیش کی ہے اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک فرشتے نے پردے کے پیچھے سے شب معراج میں آنحضرتؐ کے سامنے آ کر آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو اذان سنائی تھی اس میں رات دن کی اذانوں کے علاوہ اذان فجر میں یہ کلمات یعنی ''الصلوۃ خیر من النوم'' بھی شامل تھے۔ سہیلی اس حدیث کو صحیح بتاتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ حدیث منکر ہے جسے کئی دیگر روایات میں حدیث اسراء کی روایت میں زیاد بن منذر ابوالجارود کی طرف سے جس کے نام سے فرقہ جارودیہ منسوب ہے اضافہ بتایا گیا ہے اور خود فرقہ جارودیہ کو تہمین میں شمار کیا گیا ہے۔ اگر شب اسراء میں

رسول اللہ ﷺ کو جملہ اذانوں اور نمازِ فجر کی اذان کے لیے مندرجہ بالا کلمات بتائے گئے ہوتے تو آپ مدینے میں ہجرت کے فوراً بعد یقیناً ان کلمات کے ساتھ اذان کا حکم دیتے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

ابن ہشام کہتے ہیں اور ابن جریج بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں عطا نے عبید بن عمیر سے سن کر بتایا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے نماز کے لیے لوگوں کو مسجد میں بلانے کے سلسلے میں ناقوس کا مشورہ دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناقوس کے لیے بانس کی نلکی جیسا کوئی سامان تلاش کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اذان کے بارے میں وحی آ گئی جس سے قبل عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کو اذان کے بارے میں اپنا خواب سنا چکے تھے اور جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد آپ سے یہ بھی عرض کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے میں ان پر سبقت لے گئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن زید کا اس سلسلے میں اپنا خواب بیان کرنے کی روایت صحیح ہے جس کی تصدیق وحی کے ذریعہ بعد میں ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب سچا خواب تھا۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو بنی نجار کی ایک عورت نے جس کا گھر مسجد نبوی کے قریب تھا بتایا کہ اس نے بلال رضی اللہ عنہ کو ہر صبح فجر کی نماز کے لیے اذان دیتے سنا تھا اور ان کا یہ عمل باقاعدہ ان کی وفات تک جاری رہا۔

یہ روایت ابوداؤد نے بھی بطور خاص پیش کی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قائد لشکر بنانا:

ابن جریر بیان کرتے ہیں اور واقدی کا خیال بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجری سال اوّل کے ماہِ رمضان المبارک یعنی ہجرت کے ساتویں مہینے کے اوائل میں تیس آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ لشکر کی کمان اور سفید پرچم دے کر مدینے کے قریب سے گزرنے والے قریش مکہ کے قافلوں پر نظر رکھنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس دستہ لشکر کا آمنا سامنا ابوجہل سے مجدی بن عمرو میں ہوا تھا۔ ابوجہل کے ہمراہ تین سو افراد تھے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے درمیان اس وقت جدال و قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اس دستہ لشکر کے پرچم دار ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہ تھے۔

عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو لشکر کی کمان ملنا

ابن جریر کہتے ہیں اور اس سے پہلی فصل میں بیان کردہ روایت کی طرح اس روایت میں بھی واقدی ابن جریر سے متفق ہیں کہ سال اوّل ہجری کے ماہِ شوال کے آغاز میں آنحضرت ﷺ نے عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو ستر افراد پر مشتمل ایک دستہ لشکر کا سردار بنا کر رابغ کے قریبی علاقے میں بھیجا تھا اور انہیں بھی سفید پرچم دیا تھا۔ اس دستہ لشکر کے پرچم بردار مسطح بن اثاثہ تھے۔ اس دستہ لشکر میں کوئی انصاری نہیں تھا۔

اس دستہ لشکر کو جب دوسری بار علاقہ جحفہ کے درمیانی حصے تک بھیجا گیا تھا۔ اس دستہ لشکر کا آمنا سامنا احیاء کے مقام پر جس قریش مکہ کے قافلے سے ہوا تھا لیکن اس وقت ان میں دور سے تیراندازی کے علاوہ باقاعدہ مقابلہ نہیں ہوا تھا حالانکہ واقدی کے بقول قریش مکہ کی تعداد دو سو تھی اور ان کی نگرانی ابوسفیان صخر بن حرب کر رہا تھا۔ واقدی کا یہ قول مثبت ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش مکہ کے اس قافلے کا سالار مکرز بن حفص تھا۔

واقدی کہتے ہیں کہ ہجری سالِ اوّل کے ماہ ذیقعدہ میں آنحضرت ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ لشکر کا سردار بنا کر خرار کی طرف روانہ فرمایا تھا اور انہیں بھی سفید پرچم دیا تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پرچم بردار مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوبکر بن اسماعیل نے اپنے والد اور عامر بن سعید نیز آخرالذکر کے والد کے حوالے سے ذکر کیا جنہوں نے بتایا کہ جب وہ خرار کے ارادے سے مدینے سے نکلے تو ان کا دستہ کل بیس یا اکیس افراد پر مشتمل تھا اور وہ راستے میں دن کے وقت آرام کرتے اور رات کے وقت سفر کرتے تھے اور ان کا دستہ پانچویں روز صبح کے وقت خرار جا پہنچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ یہ لوگ خرار سے آگے نہ جائیں' کیونکہ اس سے قبل سعد عیر تک جو خرار سے ایک دن کے سفر کے فاصلے پر آگے تھا ستر افراد کا ایک دستہ لے کر پہلے ہی جا چکے تھے اور وہ راستہ بھی صرف مہاجرین پر مشتمل تھا۔

ابوجعفر بن جریر کہتے ہیں اور ابن اسحاق بھی ان کی تائید کرتے ہیں کہ ہجری سال اوّل میں مدینے کے دور ونزدیک علاقوں سے گزرنے والے قریش مکہ کے قافلوں پر نظر رکھنے کے لیے تاکہ وہ کسی برے ارادے سے مدینے کی طرف نہ بڑھ سکیں اسلامی لشکر کے یہی تین دستے روانہ کیے تھے جن کا ذکر واقدی نے اپنی تاریخ اسلامی میں ہجری سال دوم کے واقعات بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔

سال اوّل ہجری کے مبارک دوران میں عالم اسلام کی نسبت سے پہلے پیدا ہونے والے بچے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور بخاریؒ نے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کی خالہ ام المومنین حضرت

عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ البتہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے چھ ماہ قبل نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ پیدا ہو چکے تھے اور وہ ان دونوں بچوں کا سال ولادت دوسرا سال ہجری بتاتے ہیں یعنی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے چودہ ماہ بعد اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت ہجرت کے بیسویں مہینے بتاتے ہیں لیکن ان لوگوں کی طرف سے سال ہجری کا آغاز غلط اعداد و شمار پر مبنی ہے کیونکہ جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے مکے سے مہاجرین کے اختتام ہجرت کے فوراً بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی اس لیے بہر صورت انہی کی ولادت اسلام میں پہلی ولادت قرار پاتی ہے جو ہجری سال اوّل کے دوران ہی میں ہوئی۔ ہم اس کا تفصیلی ذکر ہجری سال دوم کے واقعات کے ضمن میں ان شاء اللہ عنقریب چل کر کریں گے۔

ابن جریر کہتے ہیں اور یہی اکثر کہا گیا ہے کہ مختار بن ابی عبید اور زیاد بن سمیہ بھی ہجری سال اوّل کے دوران ہی میں پیدا ہوئے۔ واللہ اعلم

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ ہجری سال اوّل کے دوران ہی میں کلثوم بن ہدم نے وفات پائی جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام قباء پر آپؐ کے بنی نجار کی طرف روانہ ہونے سے قبل حاضر ہوئے تھے اور اسی سال ابوامامہ اسعد بن زرارہ نے اس وقت وفات پائی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی بنیاد رکھ چکے تھے لیکن اس کی تعمیر ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ہجری سال اوّل ہی میں ابواصیحہ نے اپنی املاک پر طائف میں اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل سہمی نے مکہ میں انتقال کیا تھا۔

ابن جریر کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انتقال اسلام لانے سے قبل ہو چکا تھا۔[1] (مؤلف)

[1] ''اصلین'' میں ان لوگوں کے انتقال کا ذکر ہجری سال دوم کے واقعات کے ساتھ کیا گیا ہے جو غلط ہے کیونکہ تاریخی تحقیق کے مطابق اس سلسلے میں ابن جریر ہی کا بیان درست ہے جو انہوں نے اپنی کتاب تاریخ میں کیا ہے۔ (مؤلف)

سن ہجری سال دوم کے واقعات

(سن ہجری سال دوم میں کثرت سے غزوات پیش آئے' کچھ لشکری دستے اور ترتیب دیئے گئے۔ غزوات میں سب سے بڑی جنگ غزوۂ بدر ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل اور نیکی و بدی میں فرق و امتیاز پیدا کر دیا۔ یہ انہی غزوات اور اسی سلسلے کی دوسری باتوں کے بیانات ہیں جو اس سال کے دوران میں پیش آئیں جنہیں ہم ذیل میں مختلف مستند حوالوں سے پیش کر رہے ہیں۔)

کتاب المغازی:

امام محمد بن اسحٰق بن یسار اپنی کتاب ''السیرۃ'' میں یہودیوں کے ممتاز عالم لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر جیسے اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ ان یہودیوں میں پیش پیش حی بن اخطب اس کے دونوں بھائی ابو یاسر اور جدی' سلام بن مشکم' کنانہ بن ربیع بن حقیق' سلام بن حقیق یعنی اہل حجاز کا تاجر جو ابو رافع الاعور کے نام سے مشہور تھا اور جسے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیبر میں قتل کر دیا تھا' تھے اور ربیع بن ربیع بن حقیق' عمرو بن حجاش اور کعب بن اشرف بھی انہی میں شامل تھے۔ کعب بن اشرف کا تعلق طے سے تھا اور اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی اسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابو رافع سے پہلے ہی قتل کر دیا تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ان کے علاوہ ایک شخص بنی نبہان کا تھا اور باقی ان کے حلیف حجاج بن عمرو اور کردم تھے۔ ان کا تعلق بن نضیر سے تھا۔ مذکورہ بالا یہودیوں کے حلیفوں میں بنی ثعلبہ بن فطیون کا ایک شخص عبداللہ بن صوریا بھی تھا جو حجاز میں توریت کا علم حاصل کرنے کے بعد پھر کبھی وہاں نہیں گیا تھا۔ ویسے مجھے دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا اصل نام اسلم تھا' اس کے ساتھ ایک اور کٹر یہودی ابن صلوبا مخریق بھی تھا جو اپنی قوم کے عالموں میں سے تھا۔ یہ دونوں جنگِ خیبر کے روز مسلمان ہو گئے تھے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ (مؤلف)

ان لوگوں کے علاوہ بنی قینقاع کے لوگوں میں سے زید بن لصیت' سعد بن حنیف محمود بن شیخان[1]' عزیز بن ابی عزیز[2]' عبداللہ بن حنیف' سوید بن حارث' رفاعہ بن قیس' فنحاص' اشیع' نعمان بن اضا' بحری بن عمرو' شاش بن عدی' شاش بن قیس' زید بن حارث نعمان بن عمیر[3]' سکین بن ابی سکین' عدی بن زید' نعمان بن ابی عوفی ابو انس' محمود بن دحیہ' مالک بن صیف[4]' کعب بن راشد'

---

1. ''اصلین'' میں یہی نام لکھا ہے لیکن ابن ہشام نے ان کا نام محمود بن سیحان بتایا ہے۔ (مؤلف)
2. حلبیہ نسخہ میں یہی نام لکھا ہے اور ابن ہشام و سہیلی نے بھی یہی نام بتایا ہے لیکن مصری نسخے میں انہیں عزیز بن ابی عزیز لکھا گیا ہے۔ (مؤلف)
3. مصری نسخے میں یہی ہے مگر حلبی نسخے میں یہ نام عمر لکھا ہے اور ابن ہشام نے عمرو بتایا ہے۔ (مؤلف)
4. ابن ہشام کے نزدیک یہ شخص صیف کی بجائے ضیف پکارا جاتا تھا۔ (مؤلف)

عاز' رافع بن ابی رافع' خالد' ازار بن ازارعو بن ہشام' کے بقول آزر بن آزر بھی کہلاتا تھا' ان لوگوں کے ساتھ رافع بن حارثہ' رافع بن حریملہ' رافع بن خارجہ' مالک ابن عوف' رفاعہ بن زید بن تابوت اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی انہی میں شامل تھے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اور پہلے بھی ہم ذکر کر چکے ہیں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ پہلے ابن اسحٰق خود بیان کر چکے ہیں کہ وہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے اور ان کا پہلا نام حصین تھا لیکن جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہوئے تو آپؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا تھا۔ (مؤلف)

اس کے بعد ابن اسحٰق نے مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ جو نام بتائے ہیں وہ یہ ہیں:

بنی قریظہ کے زبیر بن باطا ابن وہب' عزال بن شموال اور کعب اسد جن کا بنی قریظہ سے معاہدہ تھا لیکن سال احزاب میں یہ معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہی لوگوں میں شمویل بن زید' جبل بن عمرو بن سکینہ نحام بن زید' کردم بن کعب' وہب بن زید' نافع بن ابی نافع' عدی بن زید' حارث بن عوف' کردم بن زید' اسامہ بن حبیب' رافع بن زمیلہ' جبل بن ابی قشیر' وہب بن یہوذا بنی زریق میں سے لبید بن عاصم جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا' بنی حارثہ کے یہود میں سے کنانہ بن صوریا' یہود بن عمرو بن عوف میں سے قردم بن عمرو' اور بنی نجار کے یہودیوں میں سے سلسلہ بن برہام۔

ابن اسحٰق کے مطابق یہ لوگ یہودیوں کے بڑے عالموں میں شمار ہوتے تھے لیکن بہت ہی شرارت پسند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی عناد و کفر کی وجہ سے سب سے زیادہ دشمن تھے اور انہی لوگوں نے اسلام کا چراغ گل کرنے کی دل میں ٹھان رکھی تھی نیز یہی وہ لوگ تھے جو شرارتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے کے لیے آپؐ سے الٹے سیدھے سوال کیا کرتے تھے۔ البتہ ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ شامل نہیں تھے جن کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابن اسحٰق بتاتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کی چچی خالدہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں مگر ان کے ایک اور ساتھی مخریق جن کا نام مذکورہ بالا لوگوں میں شامل کیا گیا ہے۔ غزوہ خیبر کے روز مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے کیونکہ یہی وہ شخص تھے جنہوں نے غزوۂ خیبر کے روز مسلمان ہو کر اپنی قوم سے کہا تھا:

''اے قوم یہود! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں اور ان کی امداد تم پر فرض ہے''۔

مخریق کو یہودیوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا:

''آج تو سنیچر کا دن ہے''۔

یہ سن کر مخریق نے کہا تھا:

''اب تمہارا یوم سبت یعنی سنیچر کا دن تمہارا نہیں رہا''۔

اس کے بعد وہ مسلح ہو کر اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوئے تھے:

''اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے لڑتا ہوا مارا جاؤں تو تم ان کی خدمت میں حاضر ہو جانا' پھر تم خود ہی دیکھ لو گے کہ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں''۔

مخریق یہودیوں میں کافی صاحب ثروت تھے۔ اپنی قوم سے اس گفتگو کے بعد وہ آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے اور آپؐ کے دوش بدوش اپنی قوم کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہی کے بارے میں فرمایا تھا:

''مخریق یہود کے سب سے اچھے شخص تھے''۔

ابن اسحٰق بنی اوس و بنی خزرج کے منافقین اور یہودیوں کے متذکرہ نام بتانے کے بعد کہتے ہیں کہ بنی اوس و بنی خزرج کے جن لوگوں کے نام انہوں نے بتائے ہیں ان کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے لیکن ان دونوں قبیلوں کے جن افراد کے ناموں پر مؤرخین متفق الرائے ہیں ان میں سے بنی اوس کے افراد زوی بن حارث اور جلاس بن سوید بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ ہیں اور انہی کے بارے میں یہ آیت قرآنی نازل ہوئی تھی۔

﴿ یَحْلِفُوْنَ بِااللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾

ان میں سے آخر الذکر وہ شخص تھا جس نے غزوۂ تبوک میں شرکت سے انکار بلکہ اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے آپؐ کے متعلق کہا تھا:

''(نعوذ باللہ) اگر یہ شخص سچا ہو تو مجھے شریر ترین گھوڑے سے بھی زیادہ شریر سمجھ لینا''۔

جب عمیر بن سعید کو آپؐ کے پاس بھیجا گیا تھا تو اس وقت جلاس نے اسے روک دیا تھا۔ اسی وجہ سے مندرجہ بالا آیت قرآنی میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ یہی دونوں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زوی بن حارث بعد میں سچا مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے اپنے پچھلے افعال قبیحہ سے واقعی توبہ کر لی تھی نیز یہ کہ بعد میں یہی اسلام کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہوا اور اس وجہ سے شہرت حاصل کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بھائی حارث بن سوید نے غزوۂ احد میں مجذر بن زیاد بلوی اور قیس ابن زید کو جس کا تعلق بنی ضبیعہ سے تھا قتل کیا تھا جس کے بعد وہ مسلمانوں سے جدا ہو کر قریش سے جا ملا تھا۔ چنانچہ اس کی منافقت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجذر نے اس کے باپ سوید بن صامت کو زمانہ جاہلیت کی کسی لڑائی میں قتل کر دیا تھا جس کا بدلہ اس نے مجذر سے غزوۂ احد میں لیا لیکن ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس کے باپ سوید کو جذر نے نہیں بلکہ معاذ بن عفراء نے قتل کیا تھا اور وہ بھی لڑائی میں نہیں بلکہ کہیں اور اسے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ ابن ہشام کو اس سے بھی اختلاف ہے کہ قیس بن زید کو حارث نے قتل کیا تھا جب کہ ابن اسحٰق نے اس کے ہاتھوں مذکورہ بالا دو آدمیوں میں سے کسی ایک کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اگر انہیں موقع ملے تو وہ جلاس جیسے منافق کو ضرور قتل کر دیں لیکن اس کے بھائی حارث نے اسے قبیلے میں واپس بلایا تا کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے آپؐ سے اپنی پچھلی حرکات کی معافی مانگ لے۔ تاہم جیسا کہ ابن اسحٰق ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں اسی زمانے میں آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ...... الخ ﴾

اس کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس آیت قرآنی کے مصداق جلاس کے علاوہ بجاد بن عثمان بن عامر اور نبتل بن حارث بھی تھے بلکہ آخر الذکر کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ نے صاف فرما دیا کہ:

''اگر کوئی شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے تو اسے دیکھ لے''۔

یہ شخص سر کے بہت زیادہ گھنے بالوں سرخ آنکھوں اور سیاہی مائل سرخ گالوں والا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جو چپکے چپکے آپ کی باتیں سن کر دوسرے منافقین کو سنایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسے اس کی اجازت ملی ہوئی ہے کہ وہ آپ کو ستائے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ایسے یہ لوگ تھے جن میں پیش پیش ابو حبیبہ بن ازعر جس نے کچھ دوسروں کے ساتھ مل کر مسجد ضرار بنائی تھی، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر تھے۔ ان میں دوسرا اور تیسرا وہ شخص تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے ان پر اپنا فضل فرمایا تو وہ اس کے نبی کی تصدیق بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے لیکن بعد میں اپنے اس عہد سے پھر گئے تھے اور انہی کے بارے میں مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تھی اور معتب وہی آدمی تھا جس نے غزوۂ اُحد کے بارے میں کہا تھا کہ اگر وہ چاہیں گے یعنی اگر وہ مجبور نہ ہوئے تو اس موقع پر ہرگز جنگ میں شامل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی ایک آیت اتری تھی اور معتب ہی وہ شخص تھا جس نے احزاب کے روز کہا تھا کہ:

''آیا محمد (ﷺ) ہمیں قیصر و قصریٰ کے خزانے دینے کا اور انہیں صرف کرنے کا وعدہ کر سکتے ہیں؟''۔

اور یہ بھی اس نے کہا تھا:

''اگر وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) ہمیں پانی میں ڈبونے کی حد تک چلے جائیں تو بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے''۔

مندرجہ ذیل آیت اس بارے میں نازل ہوئی تھی:

﴿ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ .... الخ ﴾

ابن اسحاق کہتے ہیں اور ابن ہشام بھی یہی کہتے ہیں کہ حارث بن حاطب، معتب بن قشیر اور ثعلبہ و حارث جو دونوں حاطب کے بیٹے اور بنی امیہ بن زید میں سے تھے اہل بدر میں سے تھے اور منافق نہیں تھے جیسا کہ انہیں باوثوق ذرائع اور اہل علم سے معلوم ہوا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ سہل بن حنیف کے بھائی حنیف اور بخرج ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی اور ان سے عمرو بن حرام، عبداللہ بن نبتل، جاریہ بن عامر بن عطاف اور اس کے دو بیٹوں یزید اور مجمع نے لے لی تھی۔ مجمع ایک نوجوان تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے قرآن کا بڑا حصہ جمع کر لیا تھا اور انہی آیات کے ساتھ مسجد ضرار میں نماز پڑھا کرتا تھا جب غزوہ تبوک کے بعد حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں مسجد ضرار مسمار کی گئی جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے تو حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اہل قباء سے دریافت کیا تھا کہ آیا مجمع ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا تو خود مجمع نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں منافقین کا امام کیسے ہوسکتا تھا اور اس نے حلف بھی اٹھا کر کہا کہ اسے منافقین کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اس کے بعد اہل قباء یہ سمجھ کر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور معاف کر دیا ہے اس کے ساتھ نماز پڑھنے لگے تھے۔

اس کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ودیعہ بن ثابت بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کہا تھا:

''ہم سوچ سمجھ کر کھیلتے ہیں''۔

چنانچہ وہ اپنے اسی قول کی بنیاد پر ان میں شامل ہوا تھا۔

ابن اسحٰق پھر کہتے ہیں کہ جس شخص نے مسجد ضرار کو اپنے گھر سے علیحدہ کیا تھا وہ خذام بن خالد تھا۔ ابن ہشام نے ابن اسحٰق کی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے قبیلہ اوس کے بنی بنیت یعنی زید کے دو بیٹوں بشر اور رافع کی منافقت کا ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن اسحٰق مربع بن قیظی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ شخص اندھا تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ میدان احد کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے اس کی ملکیت کی زمین سے گزرنے لگے تھے تو اس نے ایک مٹھی اٹھا کر آپ پر پھینکتے ہوئے کہا تھا:

''یہ مٹی کسی اور کا کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن تم اگر نبی بھی ہو تو تم پر تیر کا کام کرے گی''۔

اس کے بعد اسے اس کی قوم والوں ہی نے قتل کر دیا تھا' اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا:

''اسے صرف نابینا نہ کہو کیونکہ وہ نگاہ و قلب دونوں کی بصارت سے محروم ہے''۔ (حدیث)

اسے سعد ابن زید اشہلی نے اپنی کمان مار کر اس کا سر زخمی کر دیا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مربع بن قیظی کے بھائی اوس بن قیظی نے غزوۂ احد میں عدم شرکت کا یہ بہانہ بنایا تھا کہ اس کے جانے سے اس کا گھر بے محافظ کے رہ جائے گا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴾

ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ انہی لوگوں میں حاطب بن امیہ بن رافع بھی تھا۔ وہ ایک فربہ اندام شیخ تھا جو زمانہ جاہلیت ہی سے بہت مغرور تھا لیکن اس کا بیٹا یزید بن حاطب مسلمان ہو گیا تھا۔ حاطب کے اس بیٹے نے غزوۂ احد میں شرکت کی اور سخت زخمی ہونے کی حالت میں اسے اٹھا کر بنی ظفر کے مکان کی طرف لے جایا گیا۔ اس وقت وہاں بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں جمع ہو کر جب وہ وفات پانے والا تھا کہنے لگے کہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا بلکہ خود اس سے بھی یہی کہنے لگے۔ اس کے باپ کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا گیا لیکن یزید بن حاطب کی خوبیوں اور نیکیوں کا ہر شخص اس وقت بھی مداح تھا اور اس کی وفات کے بعد بھی مداح رہا۔

اس کے بعد ابن اسحٰق' بشیر بن ابیرن ابوطعمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ان بد باطن پوشیدہ منافقین میں سے تھا جن

کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ الخ ﴾

بنی ظفر کے حلیف قزمان کے بارے میں ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اگرچہ اس نے سات کافروں کو غزوۂ احد میں قتل کیا تھا لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر خود بھی خودکشی کر لی تھی اور آخر وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ وہ اسلام کے لیے نہیں بلکہ صرف قومی غیرت وحمیت کی وجہ سے لڑا تھا۔

قبیلہ بنی عبدالاشہل کے بارے میں ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جہاں تک ان کے علم میں ہے اس قبیلے کا کوئی شخص ضحاک بن ثابت کے علاوہ جو منافقت میں اتہام کا حامل اور یہودیوں کی دوستی اور ان کی طرف داری کی وجہ سے بدنام تھا' عورت ہو یا مرد منافق نہیں تھا۔ تاہم ان سب کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

ابن اسحٰق کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ خزرج کے لوگوں میں رافع بن ودیعہ' زید بن عمرو' عمرو بن قیس' قیس بن عمرو ابن سہل اور جد بن قیس کا بھی منافقین میں نام آتا تھا۔ البتہ عبداللہ بن ابی سلول ان سب کا سرغنہ تھا۔ ویسے اس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا لیکن وہ قبیلہ اوس کا بھی سردار تھا۔ اس پر زمانہ جاہلیت میں سب کو اتفاق تھا۔ البتہ اسلام لانے کے بعد دوسرے لوگوں کو بصیرت حاصل ہو گئی تھی اور وہ اس سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ وہ عبداللہ بن ابی ہی تھا جس نے کہا تھا کہ غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے جو مدینے سے نکلے گا وہ وہاں کے رذیلوں میں سے ہوگا۔

اس کے علاوہ ایسے لوگوں میں بنی عوف کا ایک شخص ودیعہ اور مالک بن ابی توقل' سوید اور داعس' بھی شامل تھے جن کا تعلق بنی رہطہ سے تھا اور انہی کے متعلق درج ذیل قرآنی آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ پوشیدہ طور پر بنی نضیر سے ملے ہوئے تھے۔

﴿ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ﴾

گزشتہ صفحات میں جن منافقین کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ' جیسا کہ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں وہ یہودی عالم بھی جو مسلمان ہو گئے تھے اور بظاہر بڑے نیک بنے ہوئے تھے لیکن اصل میں وہ بھی کافر ہی تھے اور انہی کی طرح شرارت پر آمادہ رہتے تھے۔ انہی لوگوں میں سعد بن حنیف اور زید بن لصیت ہی تھا جس نے اس وقت جب رسول اللہ ﷺ کا اونٹ کھو گیا تھا کہا تھا محمد (ﷺ) کو اپنے اونٹ کا تو پتہ نہیں کہ کہاں گیا لیکن وہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ انہیں آسمان سے خبریں ملتی ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا تھا:

''مجھے جو اللہ تعالیٰ بتا دیتا ہے اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا''۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنے اونٹ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اسے کچھ لوگوں نے فلاں جگہ پوشیدہ طور پر ایک درخت سے باندھ رکھا ہے۔ اس کے بعد جب چند مسلمانوں کو وہاں بھیجا گیا تو آپ کا ارشاد سچ نکلا۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں میں نعمان بن اوفی' عثمان بن اوفی اور رافع بن حریملہ بھی تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب رافع بن حریملہ مرا تو آنحضرت ﷺ نے جہاں تک انہیں معلوم ہے یہ فرمایا تھا:

''آج بہت بڑے منافقین میں سے ایک بڑا منافق مر گیا ہے''۔ (حدیث)

منافقین بلکہ کفار میں ایک شخص رفاعہ بن زید تابوت تھا۔ جس روز وہ مرا اس روز آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر مدینے کی طرف واپس آ رہے تھے اور آپؐ نے فرمایا تھا:

''بڑے کفار میں سے ایک بڑے کافر کو موت نے دبوچ لیا ہے''۔ (حدیث)

پھر جب آپؐ مدینے میں واپس آئے تو معلوم ہوا کہ جس روز آپؐ نے یہ فرمایا تھا اسی روز رفاعہ بن زید ریاحی مرض کی شدت سے مر گیا تھا۔

اس کے علاوہ ابن اسحٰق سلسلہ بن برہام اور کنانہ بن صوریا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے منافقین مسجد میں جمع ہو جایا کرتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے خطاب فرماتے تھے تو وہ کبھی اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں گفتگو کر کے اور کبھی سرگوشی کر کے اس میں خلل اندازی کرتے تھے۔ اس لیے ایک روز آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ ان میں سے کسی کو تھپڑ مار کر' کسی کو گولا لاٹھی بنا کر' کسی کو اس کی داڑھی پکڑ کر اور کسی کو اس کے لانبے بال پکڑ کر یا دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال دیا گیا تھا۔

کس مسلمان نے کس منافق کو کس طرح مسجد سے باہر نکالا تھا اس کا ذکر ابن اسحٰق نے فرداً فرداً اور نام بنام خاصی تفصیل سے کیا ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقر اور سورۂ توبہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی بیان کیا ہے۔

غزوہ ابواء یا غزوۂ ودان

امام بخاریؒ کتاب المغازی میں فرماتے ہیں کہ بعد ہجرت پہلے جو غزوہ (جنگ) پیش آیا وہ غزوۂ ابواء تھا جس کی کمان حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یا عبیدہ بن حارث کو دی گئی تھی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ پہلے غزوات جن میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی وہ بالترتیب غزوہ ابواء' غزوہ بواط اور غزوۂ عشیرہ تھے۔

ابن اسحٰق اس کے بعد زید بن ارقم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ بعد ہجرت غزوات کی کل تعداد انیس تھی جن میں سے سترہ غزوات میں خود رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور راوی نے ان کا مشاہدہ کیا۔ ان میں پہلا غزوہ غزوہ عسیرہ یا عشیرہ تھا۔

ہم ان شاء اللہ احادیث نبوی کے حوالے اور انہی اسناد کے ذریعہ آگے چل کر غزوۂ عشیرہ پر تفصیلی گفتگو حسب موقع کریں گے اور وہی سب سے زیادہ ثقہ ہوگی۔

صحیح بخاریؒ میں بریدہ کے حوالے سے جو روایت اس سلسلے میں پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بریدہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے سترہ غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی جن میں وہ خود بھی شریک تھا۔ مسلمؒ نے بریدہ ہی کے حوالے سے یہ روایت پیش کرتے ہوئے بریدہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سترہ غزوات میں شرکت فرمائی جن میں سے آٹھ غزوات ایسے تھے جن میں آپؐ نے دست بدست جنگ میں عملاً حصہ لیا۔ یہی روایت انہی الفاظ میں حسین بن واقد نے بریدہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حسین بن واقد نے بریدہ اور ان کے والد کے حوالے سے جو روایت بیان کی ہے ان میں ان آٹھ غزوات کے نام بھی بتائے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے دست بدست جنگ کی جو یہ ہیں:

''بدر، اُحد، احزاب، مریسیع، قدیر، خیبر، مکہ اور حنین''۔

ان کے علاوہ چودہ غزوات بریدہ اور ان کے والد نے وہ بتائے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے عساکر یا عسکری رسالوں اور دستوں کی کمان کسی دوسرے کے سپرد فرما کر انہیں ان غزوات کے لیے روانہ کیا۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عثمان دمشقی تنوخی اور ہیثم بن حمید نے مکحول کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اٹھارہ غزوات میں شرکت فرمائی جن میں سے بالترتیب آٹھ غزوات یعنی بدر' احد' احزاب' مریسیع' قریظہ' بیئر معونہ'

خزاعہ کے بنی مصطلق سے جنگ' خیبر' مکہ اور حنین و طائف میں آپؐ نے بنفس نفیس تیغ زنی فرما کر عملاً حصہ لیا۔ ❶

یعقوب کہتے ہیں کہ انہیں سلمہ بن شبیب اور عبدالرزاق نے بتایا اور آخر الذکر سے معمر نے زہری کے حوالے سے بیان کیا اور زہری نے سعید بن مسیّب سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ غزوات میں تیغ زنی فرما کر عملی حصہ لیا۔ زہری کے بقول جب سعید بن مسیّبؒ نے جب دوبارہ ان غزوات کا ذکر کیا تو ان کی تعداد چودہ بتائی۔

میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ سعید بن مسیّبؒ نے جب دوبارہ ان غزوات کی تعداد بتائی تو وہ واقعی ان کی بتائی ہوئی تعداد کے برعکس (اور اتنی زیادہ) تھی۔ (مؤلف)

بہرکیف طبرانی نے بھی آنحضرت ﷺ کے غزوات کی تعداد دبری' عبدالرزاق' معمر اور زہری کے حوالے سے چودہ ہی بتائی ہے۔

عبدالرحمٰن بن حمید اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ انہیں سعید بن سلام' زکریا ابن اسحٰق اور ابوزبیر نے جابر کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد گیارہ تھی لیکن حاکم نے ہشام کے ذریعہ اور قتادہ کے حوالے سے ان کی تعداد تیرہ بتائی ہے۔

اس کے بعد حاکم کہتے ہیں کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے غالباً اس تعداد میں ان غزوات میں سے بھی کچھ شامل کر لیے ہوں جنہیں ''سرایا'' کہتے ہیں اور جن میں آنحضرت ﷺ نے عملی حصہ نہیں لیا بلکہ کسی دوسرے کو عساکر کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ حاکم آگے چل کر کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الاکلیل'' میں آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے عساکر کی جو تعداد علی الترتیب بتائی ہے وہ سو سے اوپر ہے۔ حاکم اس کے بعد کہتے ہیں کہ انہیں ان کے ثقہ دوستوں نے بتایا اور انہوں نے بخاری' اور ابی عبداللہ محمد بن نصر کی کتاب میں بھی پڑھا کہ غزوات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے کفار سے مقابلے کے لیے جو لشکر روانہ فرمائے ان کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ یہ آخری بات جو حاکم نے بتائی واقعی بہت عجیب ہے لیکن یہ بات بھی کہ اس نے قتادہ کی بات پر اعتماد کر کے یہ بات بتائی ہو محل نظر ہے کیونکہ اس کے برعکس امام احمدؒ کی از ہر بن قاسم واسی' ہشام دستوائی اور خود قتادہ کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ سرایا سمیت آنحضرت ﷺ کے غزوات کی مجموعی تعداد تینتالیس ہے جن میں سے ان غزوات کی تعداد جن کے لیے آپ نے لشکر بھیجے چوبیس ہے' جن میں ان عساکر کے ساتھ جنگ ہوئی اور آپؐ نے ان میں خود مسلمانوں کی قیادت فرمائی

---

❶ یعقوب بن سفیان کی اس روایت میں ان غزوات کی مجموعی تعداد آٹھ کی بجائے نو ہو جاتی ہے جن میں آنحضرت ﷺ نے عملاً حصہ لیا اور ہم نے وہی یہاں نقل کر دی ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت میں جو غزوۂ بیئر معونہ کو غزوۂ قریظہ کے بعد رکھا گیا ہے وہ بھی محل نظر ہے کیونکہ غزوۂ بیئر معونہ بلحاظ ترتیب غزوۂ احد کے بعد ہوا' جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ (مؤلف)

ویسے یہاں خود مؤلف سے سہو ہوا ہے کیونکہ ان غزوات کی مجموعی تعداد جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے نو کے بجائے دس ہوتی ہے یا یہ ٹائپ کی غلطی ہے کہ غزوۂ بیئر معونہ کے بعد لفظ ﴿ ثُمَّ ﴾ یعنی پھر کا اضافہ ہو گیا ہے ورنہ غزوۂ بیئر معونہ اور غزوۂ بنی مصطلق دراصل ایک ہی ہیں جیسے غزوۂ حنین و طائف۔ (مترجم)

انیس ہے۔ ان آخر الذکر انیس غزوات میں وہ آٹھ غزوات بھی شامل ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تیغ زنی فرما کر عملی حصہ لیا یعنی بدر' احد' احزاب' مریسیع' خیبر' غزوہ فتح مکہ اور حنین۔ [1]

موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر ہجرت کے دوسرے سال ماہ رمضان میں' غزوۂ احد ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال میں' یوم خندق یعنی غزوات احزاب و قریظہ ہجرت کے چوتھے سال ماہ شوال میں' غزوہ بنی مصطلق و بنی لحیان ہجرت کے پانچویں سال ماہ شعبان میں غزوۂ ہجرت کے چھٹے سال' غزوہ فتح مکہ' ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان میں غزوۂ حنین اور اہل طائف کا محاصرہ ہجرت کے آٹھویں سال پیش آیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے نویں سال حج کیا اور حجۃ الوداع ہجرت کا دسواں سال ہے۔

اس کے علاوہ موسیٰ بن عقبہ کے بقول بارہ غزوات ایسے ہیں جن میں درحقیقت جنگ نہیں ہوئی۔ ان غزوات میں پہلا غزوہ' غزوۂ ابوا تھا۔

حنبل بن ہلال اسحاق بن علا' عبداللہ بن جعفر الرقی' مطرف بن مازن یمانی' معمر اور زہری کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ غزوات کے بارے میں درج ذیل آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے ورود کے بعد اُتری تھی۔

قرآنی آیت:

﴿ اذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا ﴾

کچھ لوگ مذکورہ بالا غزوات میں سے غزوات بدر و اُحد کے بارے میں کہتے ہیں کہ بدر میں ابوجہل نے اور بدر و احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قصائد کہے تھے لیکن ابن ہشام اور دیگر اہل علم اس سے انکار کرتے ہیں۔

[1] یہ تعداد سات ہوتی ہے۔ غزوۂ خندق یعنی قریظہ غالباً ٹائپ میں رہ گیا ہے۔ (مترجم)

غزوۂ بواط ❶

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ بواط ہجرت کے دوسرے سال ماہ ربیع الاوّل میں وقوع پذیر ہوا۔ اس میں نبی کریم ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور مدینے میں سائب بن عثمان بن مظعون کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ ابن ہشام بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپؐ نے جس شخص کو مدینے میں اپنی جگہ چھوڑا تھا وہ سائب بن عثمان بن مظعون تھے لیکن واقدی کہتے ہیں کہ وہ شخص سعد بن معاذ تھے۔

بہرکیف اس امر پر جملہ راوی اور مؤرخ متفق ہیں کہ اس غزوے کے لیے آنحضرت ﷺ اپنے ہمراہ سو سوار لے کر مدینے سے روانہ ہوئے تھے اور آپؐ کے اس عسکری دستے کا علم سعد بن ابی وقاص کے پاس تھا۔ اس غزوے کے لیے مدینے سے روانگی کا مقصد کفار قریش کی اس جمعیت کو مدینے کی طرف بڑھنے سے روکنا تھا جس میں سو سواروں کے علاوہ جو امیہ بن خلف کی سرکردگی میں سفر کر رہے تھے دو ہزار پانچ سو اونٹ بھی تھے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر (چونکہ دشمنوں کی طرف سے کوئی غلط اقدام نہیں ہوا تھا) آنحضرت ﷺ علاقہ رضوی کے نواح میں مقام بواط تک تشریف لے جا کر واپس آ گئے تھے جس کے بعد ماہ ربیع الاوّل کا باقی حصہ اور ماہ ربیع الآخر بلکہ جمادی الاوّل کا کچھ حصہ بھی امن و سکون سے گزر گئے تھے۔

---

❶ زیر نظر کتاب کے محترم مؤلف حافظ ابن کثیرؒ صفحات ماسبق میں بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی مجموعی تعداد جس پر اکثر راوی متفق ہیں۔ تینتالیس تھی جن میں سے بعض غزوات کے لیے آپؐ نے کسی دوسرے کو سرلشکر بنا کر بھیجا' بعض میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور بعض میں شرکت فرما کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں پہلے وہ چند غزوات بھی شامل ہیں جن کے لیے فوجی دستے بھیجنے کا مقصد مدینے کی سرحدوں کی حفاظت تھی۔ غزوۂ بواط بھی ایسا ہی ایک غزوہ تھا جس میں آپؐ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ (مترجم)

غزوۂ عشیرہ

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ عشیرہ کے لیے جس کا مقصد کفار قریش کے اس تجارتی قافلے کو جو شام جا رہا تھا اپنی سرحدوں سے دور رکھنا تھا۔ مدینے سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے وہاں اپنا نائب ابوسلمہ بن عبدالاسد کو بنایا اور اپنے ساتھ جو فوجی رسالہ لیا اس کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔

ابن اسحٰق اس غزوے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر پہلے نقب بنی دینار کے قریب پہنچے، پھر وہاں سے فیضائے بنی خیار گئے، وہاں سے آگے بڑھ کر بطحائے ابن ازہر میں پڑاؤ کیا جہاں ایک درخت کے نیچے آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ اس جگہ کو ذات الساق بھی کہا جاتا تھا۔ وہاں آپؐ نے نماز بھی ادا فرمائی۔ وہیں کچھ عرصہ بعد مسجد بھی بنائی گئی تھی۔ اسی ذات الساق میں آپؐ کے اور آپؐ کے فوجی رسالے کے لیے کھانا تیار کیا گیا جسے آپؐ نے اور آپؐ کے ہمراہیوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر تناول کیا اور آگے سفر کی تیاری کی۔ یہاں جس جگہ سے پانی لایا گیا۔ وہ مشیرب کہلاتی تھی۔

جب نبی کریم ﷺ ذات الساق سے آگے بڑھے تو راستے میں ان کنوؤں کو چھوڑتے چلے گئے جو خشک تھے اور سفر کرتے ہوئے شعبہ عبداللہ پہنچے۔ پھر وہاں سے حسب الشاد[1] ہوتے ہوئے اور مقامی لوگوں سے معاملات طے فرماتے ہوئے مخیّرات یمام پہنچے اور وہاں سے آہستہ آہستہ سفر فرماتے ہوئے عشیرہ پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ وہاں آپؐ نے جمادی الاوّل کے پورے مہینے قیام فرمایا اور ماہ جمادی الآخر کی کچھ راتیں گزاریں۔ وہیں آپؐ نے قبیلہ بنی مدلج اور اس کے حلیف قبیلے بنی ضمرہ سے مواعید پر گفتگو فرمائی اور پھر مدینے کی طرف مراجعت فرمائی۔

اس سفر کے دوران میں مذکورہ بالا قریشی قافلے سے کہیں آمنا سامنا ہوا نہ کوئی فوجی مقابلہ ہوا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ، وہب اور شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ یعنی ابی اسحٰق اور زید بن ارقم ایک ساتھ کہیں جا رہے تھے تو کسی شخص نے زید بن ارقم سے رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد پوچھی اور انہوں نے انیس بتائی۔

یہ سن کر ابی اسحٰق نے زید بن ارقم سے دریافت کیا:

''آپ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کتنے غزوات میں شریک رہے؟''۔

---

[1] مصری نسخے اور ابن ہشام میں یہی لکھا ہے لیکن خشنی نے اس جگہ کا نام 'صب السار' بتایا ہے اور اس کو صوابہ یسار بھی بیان کیا ہے اور حلبی نسخے میں اس نے یہی لکھا ہے اور ''صب السار'' بھی بتایا ہے۔ (مؤلف)

وہ بولے: ''سترہ غزوات میں''۔

ابی اسحٰق کہتے ہیں کہ جب انہوں نے زید بن ارقم سے غزوۂ اوّل کے بارے میں دریافت کیا تو زید بن ارقم نے اس کا نام غزوۂ عشیرہ بتایا جسے بعض لوگ عسیرا اور کچھ لوگ عشیر بھی کہتے ہیں۔

زید بن ارقم نے آنحضرت ﷺ کے غزوات میں سے پہلے غزوے کا نام عشیرہ بتایا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل کوئی غزوہ درحقیقت وقوع پذیر نہیں ہوا یا اگر اس سے قبل کوئی ہوا تو اس میں ممکن ہے زید بن ارقم شریک نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے صرف ان غزوات کے لحاظ سے جن میں وہ شریک ہوئے پہلے غزوے کا نام عشیرہ بتایا ہو اور زید بن ارقم کے بیان اور ابن اسحاق کے بیان میں اختلاف کی یہی وجہ ہو۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق یوم عشیرہ کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ اس روز آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو کچھ فرمایا اس کے بارے میں ان سے یزید بن محمد بن خثیم نے محمد بن کعب القرظی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ابو یزید محمد بن خثیم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جو کہا وہ یہ ہے:

''میں اور علی (رضی اللہ عنہ) غزوۂ عشیرہ کے سلسلے میں ینبع کے ریگستانی علاقے میں ساتھ ساتھ پہنچے تھے۔ علاقہ تو ریگستانی تھا لیکن ہم نے کچھ جھاڑیوں کے قریب آرام کا ارادہ کیا اور وہیں لیٹ کر سو رہے۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ سے ہم دونوں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ رسول اللہ (ﷺ) ہمارے قریب ہی کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم دونوں نے جلدی سے کھڑے ہو کر آپ کو سلام کیا''۔

آپؐ نے فرمایا:

''یہ تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ دیکھو تو سارے جسم پر خاک ہی خاک ہے''۔

پھر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر مخاطب کر کے فرمایا:

''اے ابوتراب! تمہارا تو سارا سر بھی ریت میں بھر گیا ہے''۔

یہ فرما کر آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر سے مٹی جھاڑنے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

''علی! تم پر دو شقی القلب لوگوں میں سے ایک بے خبری میں حملہ کرے گا''۔ ❶

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بعد میں بیان کیا کہ:

''اس واقعے کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بنی مدلج اور اس قبیلے کے حلیف قبیلہ بنی ضمرہ کے لوگوں سے صلح اور مواعید پر گفتگو ختم کر لی تو علی (رضی اللہ عنہ) نے مجھ سے پوچھا کہ آیا مذکورہ بالا قبائل کے لوگ اپنے وعدوں پر قائم رہیں گے؟ اس کے بعد آنحضرت (ﷺ) نے ان قبائل کے لوگوں کے تذکرے میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں میں سے انہی دو اشخاص

---

❶ اس حدیث کا ترجمہ مفہومی کیا گیا ہے۔ (مترجم)

سے خبر دار رہنا چاہیے جس کے بارے میں آپ پہلے ہمیں آگاہ فرما چکے تھے''۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بعد میں بتایا کہ پھر عشیرہ کی مہم کے اختتام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ دوسرے لوگ وہاں سے مدینے واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب کی وجہ تسمیہ وہی تھی جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت غریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ بخاریؒ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ (غالبًا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناراض ہو کر مسجد میں چلے آئے تھے اور وہاں کھلے فرش پر سو گئے تھے۔ جب اس کی اطلاع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ نے مسجد میں تشریف لا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے جسم سے مٹی جھاڑتے ہوئے ابوتراب کہہ کر جگایا تھا یعنی آپ نے فرمایا تھا:

''اٹھو! ابوتراب' اٹھو! ابوتراب''۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بخاری کی یہی روایت اب تک مشہور چلی آتی ہے۔ (مؤلف)

غزوۂ بدر اوّل

انس بن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عشیرہ کی مہم سے مدینے میں واپسی کے بعد وہاں صرف چند ہی راتیں بسر فرمائی تھیں کہ آپ کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر فہری نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر مدینے کی سرحد کے قریب ایک غار میں پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔ اس اطلاع پر آپؐ مسلمان جانبازوں کا ایک دستہ لے کر مدینے سے اس کی تلاش میں بدر کے قریب وادی سفوان تک تشریف لے گئے۔ واقدی کہتے ہیں کہ مجاہدین کے اس دستے کا علم آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ واقدی کے علاوہ ابن ہشام بھی بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے زید بن حارثہ کو مدینے میں اپنی نیابت سپرد فرمائی تھی۔

کرز بن جابر فہری غالباً آنحضرت ﷺ کی مدینے سے روانگی کی خبر پا کر بھاگ نکلا تھا' اس لیے مجاہدین کا اس سے مقابلہ ہوا نہ وہ گرفتار ہو سکا۔ (مؤلف)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس مہم سے قبل آنحضرت ﷺ نے مدینے میں جمادی الاوّل سے لے کر شعبان تک قیام فرمایا تھا اور اس دوران میں آپؐ نے وادی سفیان کی طرف مجاہدین کے یکے بعد دیگرے تین دستے روانہ فرمائے تھے تاکہ وہ کفار مکہ کے قافلوں پر نظر رکھیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ یہ تین دستے آپؐ نے بالترتیب حضرت حمزہ' عبیدہ اور سعد رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں ماہ رمضان میں ماہ شوال میں اور ماہ ذیقعدہ میں روانہ فرمائے تھے اور یہ تینوں دستے ہجرت کے پہلے ہی سال میں بھیجے گئے تھے۔

امام احمدؒ متعدد ثقہ راویوں کے حوالے سے اپنی مسند میں بیان فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا مہم سے قبل جب رسول اللہ ﷺ ایک دوسری مہم عشیرہ سے مدینے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپؐ مقام جہینہ سے گزر رہے تھے جہاں کہ باشندوں کی تعداد بہت تھی لیکن آپؐ سے گفتگو اور باہمی امن و صلح کے وعدے کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے تھے تاہم جب مذکورہ بالا مہم کے سلسلے میں ایک دستہ جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے آپ کی مدینے میں واپسی کے بعد جہینہ میں رُک گیا تھا کیونکہ اسے حکم تھا کہ وہ اس دوران میں مشرکین مکہ کے ہر قافلے پر نظر رکھے وہاں جو مجاہدین رُکے تھے ان میں یہ طے پایا تھا کہ اگر مشرکین مکہ کا کوئی قافلہ ادھر سے گزرا اور اس سے مقابلہ ہوا تو اس پر غلبہ پانے کے بعد مجاہدین میں سے جس کے ہاتھ جو کچھ بطور مال غنیمت آئے گا وہ اس کا ہو گا لیکن اس کے باوجود کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ کسی اشتعال کے بغیر ماہ رمضان میں جدال و قتال حرام ہے' اس لیے اس دستے کو مدینے واپس ہو جانا ہے۔ آخر میں اس بات پر اختلاف ہوا اور یہ طے پایا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی شخص کو بھیجا جائے تاکہ وہ اس سلسلے میں آپ کا حکم لے کر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن جب وہ قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے حکم کا طالب ہوا تو آپؐ اس کی بات سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

''کیا تمہارے سربراہ کی اطاعت تم لوگوں پر لازم نہیں تھی؟ کیا تمہارا سربراہ تمہارے بھلے برے میں امتیاز نہیں کر سکتا؟

اور کیا اسے تمہارے لیے سامان رسد اور تمہارے اکل و شرب کے انتظام کا خیال نہیں ہے؟ یقیناً یہ سب کچھ ہے پھر تم لوگوں کے اس تذبذب کی کیا وجہ ہے؟''۔ [1]

اس کے بعد آپؐ نے اس دستے کی سربراہی کے لیے عبداللہ بن جحش اسدی کو روانہ فرمایا تھا جنہیں عساکر اسلام کا پہلا امیر کہا جاتا ہے۔

بیہقی اپنی کتاب دلائل میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی زبانی اور مجالد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا دستے کے لوگوں میں سے کچھ تو یہ کہتے تھے کہ ماہ رمضان میں قتال حرام ہے اس لیے انہیں قریش مکہ کے کسی قافلے پر حملہ نہیں کرنا چاہیے لیکن دوسرے کہتے تھے کہ چونکہ کفار قریش نے انہیں اسی مہینے مکے سے نکالا تھا' اس لیے وہ ان پر حملہ ضرور کریں گے۔

بیہقی نے اس پہلے دستے کی سربراہی کے سلسلے میں بھی جسے اسی مقصد کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے روانہ فرمایا تھا عبداللہ بن جحش کا نام لیا ہے لیکن بیہقی کی اس روایت میں اور ابن اسحاق اور واقدی کی ان روایات میں تضاد پایا جاتا ہے جن میں ان دونوں حضرات نے اس مہم کی سربراہی کے سلسلے میں عبیدہ بن حارث بن مطلب اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا نام بتایا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

چونکہ رسول اللہ ﷺ مذکورہ بالا غزوے کے سلسلے میں کرز بن جابر فہری کو تلاش کرتے ہوئے وادی سفیان میں مقام بدر تک تشریف لے گئے تھے غالباً اسی لیے حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کے اس غزوے کا عنوان ''غزوۂ بدر اول'' رکھا ہے۔ (مترجم)

[1] اس حدیث کا ترجمہ اس کی اہمیت کے پیش نظر مفہومی و تشریحی کیا گیا ہے۔ (مترجم)

باب ۸

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی عسکری مہم پر روانگی

یہ وہ عسکری مہم تھی جو اس غزوۂ عظمیٰ کا سبب ٹھہری جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حق کو باطل پر غالب کیا اور مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرما کر انہیں مطمئن فرمایا اور مسرت و شادمانی بخشی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر اول کی عسکری مہم کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ماہ رجب میں آٹھ دوسرے مجاہدین کا سربراہ بنا کر اس مہم پر روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھیوں کے نام یہ ہیں:

ابوحذیفہ بن عتبہ' عکاشہ بن محصن بن حرثان حلیف بنی اسد بن خزیمہ' عتبہ بن غزوان حلیف بنی نوفل' سعد بن ابی وقاص زہری' عامر بن ربیعہ وائلی حلیف بنی عدی۔ واقد بن عبداللہ ابن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن یربوع تمیمی۔ یہ بھی بنی عدی کے حلیف تھے۔ خالد بن بکیر جن کا تعلق قبیلہ بنی سعد بن لیث سے تھا اور یہ بھی بنی عدی کے حلیف تھے' سہل بن بیضا فہری۔

یہ سات مجاہدین تھے جن میں آٹھویں ان کے سردار عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے لیکن یونس ابن اسحٰق کے حوالے سے اس مہم پر بھیجے جانے والے مجاہدین کی تعداد آٹھ اور ان کے سردار عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو نواں شخص بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس عسکری مہم کے لیے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک تحریری ہدایت نامہ دیا گیا تھا اور انہیں حکم تھا کہ وہ اسے دو دن کی مسافت طے کرنے سے قبل نہ دیکھیں جس کے بعد اسے دیکھ کر اس میں تحریری ہدایت کے مطابق آگے بڑھیں کیونکہ اس سے قبل اس ہدایت نامے کو سن کر ان کے ہمراہی مجاہدین میں سے کسی کے انقباض خاطر کا احتمال تھا۔

چنانچہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے مدینے سے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس ہدایت نامے کو کھولا اور اس میں تحریر کردہ ہدایات اپنے ماتحت مجاہدین کو سنا کر ان سے صاف کہہ دیا کہ اگر ان پر کسی کو اعتراض ہو تو وہ بلا تکلف مدینے واپس چلا جائے اور باقی لوگ ان کے ہمراہ اس ہدایت نامے کے مطابق آگے سفر جاری رکھیں تاہم مذکورہ بالا جملہ مجاہدین نے آنحضرتؐ کے ہدایت نامے پر برضا و رغبت بلکہ بصد ذوق و شوق عمل کرنے کا اقرار کیا اور اس کے بعد آگے سفر شروع ہوا اور یہ عسکری دستہ حجاز میں آگے چل کر اس سطح مرتفع تک جا پہنچا جو بحران کہلاتا ہے۔ یہاں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ بھٹک کر کسی طرف نکل گیا جس کی تلاش کی وجہ سے یہ دونوں آگے کے سفر میں دوسرے مجاہدین سے پیچھے رہ گئے جب کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آگے بڑھ کر نخلہ جا پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ اسی دوران میں اتفاقاً قریش کا ایک قافلہ جس میں عمرو بن حضرمی بھی شامل تھا نخلہ کے قریب سے گزر رہا تھا۔

ابن ہشام حضرمی کا پورا نام عبداللہ بن عباد الصدف بتاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس قافلے میں عمرو بن حضرمی کے علاوہ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی' اس کا بھائی نوفل اور ہشام بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان بھی شامل تھے۔

جب ان مجاہدین نے اس قافلے کو دیکھا تو اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے قریب جا پہنچے سب سے پہلے اس قافلہ کے سامنے عکاشہ بن محصن پہنچے جن کا سر منڈا ہوا تھا اور وہ صورت سے بڑے ہی وحشت ناک وغضب ناک لگ رہے تھے۔ چنانچہ انہیں دیکھتے ہی اس قافلے میں شامل تمام لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اس سے پہلے ہی ان مجاہدین میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ عمار نے کہا:

''ان لوگوں سے تمہیں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے' دوسرے اس ماہ رمضان میں قتال جائز نہیں ہے''۔

لیکن دوسرے لوگ یک زبان ہو کر بولے:

''یہ درست ہے لیکن ان لوگوں نے ہمیں اس ماہ حرام میں نہیں بخشا تھا' اگر آج رات یہ لوگ حریم کعبہ کے قریب تک جا پہنچے تو وہاں تو ان کا قتل حرام ہی نہیں بلکہ ان کا وہاں سے پکڑ نا بھی ناممکن ہو جائے گا' اس لیے ان سب کو یہیں قتل کر دینا چاہیے''۔

بہر کیف کچھ لوگ اپنی جگہ ٹھہرے لیکن بعض نے آگے بڑھ کر ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تاہم اس سے پہلے ہی واقد بن عبداللہ تمیمی اپنی کمان سے تیر چلا کر عمرو بن حضرمی کو قتل کر چکے تھے۔ لہٰذا عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بن عبداللہ کو بھی بے دست و پا کر دیا گیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ان قیدیوں کو لے کر مدینے کی طرف واپس ہوئے تاکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پیش کیا جائے۔ واپسی پر روانگی سے قبل اپنے ساتھیوں کو یہ بتا کر کہ وہ خمس نکال کر باقی مال غنیمت آپس میں مساوی تقسیم کر لیں بلکہ انہوں نے یہ تقسیم خود ہی سرانجام دے دی تھی۔

جب یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قریش کے قافلے کے قیدیوں اور مال غنیمت لے کر حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں ماہ حرام میں جدال وقتال سے منع نہیں کیا تھا؟''۔

اس کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ قیدیوں سے کوئی چیز نہ لی جائے اور جو کچھ لیا جا چکا ہے وہ واپس کر دیا جائے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''قریش ہم پر ان کے بھائیوں کو قتل کرنے اور ان پر سختی کرنے کا الزام لگائیں گے''۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: کہ مسلمان آپؐ کے پاس ان لوگوں کو لائے تھے جو آگے چل کر مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود قریش مکہ نے مسلمانوں کے بارے میں یہ کہا کہ انہوں نے آپؐ کے حکم سے ماہ حرام میں قتل و غارت کا ارتکاب کیا ہے۔ یہودیوں نے یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فریب کاری سے کام لیا ہے یعنی ماہ حرام میں قتال و جدال سے منع بھی کیا اور اس کا حکم بھی دیا: بہر حال اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ ...... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب یہ آیت قرآنی نازل ہوئی اور اس کے ذریعہ حکم خداوندی میں مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی کہ اگر کفار ان کے خلاف جدال وقتال اور فتنہ وفساد سے باز نہ آئیں تو وہ بھی ان دشمنان دین کے مقابلے میں خواہ کوئی مہینہ ہو تلوار اٹھا سکتے ہیں تو اس سلسلے میں اہل اسلام کے دلوں میں پہلے جو ایک قسم کا تذبذب بلکہ خوف پایا جاتا تھا کہ کہیں یہ حکم الٰہی کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی خفگی کا باعث نہ ہو دور ہو گیا اور اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ عثمان اور حکم بن کیسان کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرا سکتے ہیں اور اس کے ساتھ آپؐ نے یہ شرط بھی رکھی کہ جو دو مسلمان مہاجر یعنی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کو جو ان کی قید میں تھے رہا کر کے مدینے بھیجا جائے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے قریش مکہ کو یہ بھی کہلوا کر خبردار کر دیا کہ اگر انہوں نے مذکورہ بالا دو مسلمانوں کو قتل کیا تو ان کے وہ دونوں آدمی جو اس وقت آپ کی تحویل میں ہیں قتل کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ جب قریش مکہ نے سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کو رہا کر کے مدینے پہنچا دیا اور ان کے ساتھ اپنے دونوں آدمیوں یعنی عثمان اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھی بھجوا دیا تو آپؐ نے انہیں مکے جانے کی اجازت دے دی۔ تاہم حکم بن کیسان مسلمان ہو کر مدینے میں ٹھہر گئے اور پھر ایمان میں ایسے پختہ ثابت ہوئے کہ غزوۂ بیئر معونہ میں دشمنانِ دین کے خلاف مسلمانوں کے دوش بدوش لڑتے ہوئے شہید ہو کر اسلام کی نیک نامی کا سبب ٹھہرے۔ البتہ عثمان بن عبداللہ مکے واپس چلے گئے اور وہیں بحالتِ کفر انتقال کیا۔

اس کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا غزوے سے کامیاب وکامران ہو کر مدینے واپس ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا جو غزوات میں شرکت کے لیے جاتے ہیں اور کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں انہیں مال غنیمت سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اجر ملے گا۔ اس کے فوراً بعد مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ اجازت ملنے کے بعد کہ اگر کفار ان کے خلاف فتنہ وفساد اور جدال وقتال جاری رکھیں تو وہ بھی خواہ کوئی مہینہ ہو جنگ کر سکتے ہیں بڑے پُرمسرت وخوب صورت اشعار کہے تھے جن میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر اس الزام کا جواب بھی شامل تھا کہ وہ ماہ حرام میں بھی جس میں جنگ کی ممانعت ہے جنگ جاری رکھتے ہیں۔ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے:

تعدون قتلاً فی الحرام عظیمةً واعظم منه لو یری الرشد راشد

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر سے قبل

تحویل قبلہ

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کے دوسرے سال ماہِ رجب میں دیا گیا یعنی آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کی بجائے آئندہ سے بیت الحرام یعنی بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ یہ مؤرخ اپنے اس بیان کے لیے قتادہ اور زید بن اسلم کے ذریعہ سے ابن اسحٰق کی روایت کا حوالے دیتے ہیں۔

یہی روایت بطور حدیث البراء بن عازب امام احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے اس بارے میں پیش کی ہے جس پر ہم ان شاء اللہ عنقریب آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حکم ماہِ شعبان میں ملا اور ابن اسحٰق کے نزدیک بھی یہ واقعہ غزوہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بعد پیش آیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کے مدینے میں تشریف لانے کے اٹھارہویں مہینے کے اوائل میں دیا گیا۔

یہی روایت ابن جریر نے السدی کے ذریعہ ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے پیش کی ہے۔

البتہ جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے آٹھ ماہ بعد ماہ شعبان نصف گزرنے کے تیسرے روز پیش آیا۔

یہی روایت عموماً محمد بن سعد اور واقدی کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب روایات تحقیق کی مقتضی ہیں۔ واللہ اعلم

ہم نے اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی تفسیر پیش کرتے ہوئے ضمنی گفتگو کی ہے:

﴿ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا .... الخ ﴾

اس حکم باری تعالیٰ اور اس کی تعمیل کے فوراً بعد گمراہ یہودیوں نے اس واقعہ کو اسلام میں ابتدائے عمل تنسیخ کا بہانہ بنا کر اسلام پر اعتراض کرنا شروع کر دیا لیکن خود اللہ تعالیٰ نے مندرجہ آیہ شریفہ کے ذریعہ اس کا جواز بنا کر مسلمانوں کو مطمئن فرما دیا:

﴿ وَ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا الخ ﴾

اس سلسلے میں بخاریؒ نے بیان کیا ہے کہ انہیں ابونعیم نے ابن اسحٰق اور البراء سے سن کر بتایا کہ آنحضرت ﷺ اپنے قیام مکہ کے دوران میں چھ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بھی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ کا رخ بیت المقدس کی جانب اس طرح ہوتا تھا کہ اس کے بین بین بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ آ جاتا تھا۔ ویسے بھی ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہونا فطری تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کا قبلہ گاہ تھا۔

تاہم متعدد مستند روایات سے ثابت ہے کہ آپ کی دلی خواہش مکے کے علاوہ مدینے میں ہجرت کے بعد بھی یہی تھی کہ کاش آپؐ ابوالانبیاء اور اپنے جداعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی جانب رخ کر کے نماز ادا فرماتے اور اس کے لیے آپؐ نے متعدد بار اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا فرمائی تھی لیکن جب رب العزت نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے اس کا حکم دے دیا اور آپؐ نے اس حکم کی تعمیل میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرمانا شروع کی تو یہودیوں نے اسے اسلام پر طعنہ زنی کا بہانہ بنالیا لیکن اس کے فوراً بعد یکے بعد دیگرے ایسی چند آیات نازل فرمائیں جن کے ذریعہ کمینہ خصلت اور اسلام کے لیے خبث باطن رکھنے والے یہودیوں کا بدلائل منہ بند کرنے کے علاوہ مسلمانوں کی تسلی وتشفی کے لیے ارشاد فرمایا کہ مشرق ومغرب کا رب وہی خالق کائنات ہے جس نے اس کے جہات اور حدود مقرر فرمائے‘ وہ ہر چیز پر قادر ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ان میں ردوبدل کر دے۔ ان آیات میں سے دو آیات پہلے پیش کی جاچکی ہیں۔ باقی آیات یہ ہیں:

① ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ .... الخ ﴾

② ﴿ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ .... الخ ﴾

جب تحویل قبلہ کے بارے میں حکم پرمبنی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے آگاہی کے لیے مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔ اس کے متعلق نسائی کی ابی سعید بن معلی کے حوالے سے جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا وقت نماز ظہر کا وقت تھا۔ تاہم بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دونمازوں یعنی نماز ظہر اور نماز مغرب کی درمیانی نماز عصر کا وقت تھا جیسا کہ ابن مجاہد نے بیان کیا ہے اور صحیحین (مسلم وصحیح بخاری) میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے نماز عصر میں خانہ کعبہ کی طرف رخ فرمایا۔ البتہ یہ بات جیسا کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اہل قباء کو اگلے روز صبح کی نماز کے وقت اس کا علم نہ ہوسکا تھا حیرت انگیز ہے۔

بہر کیف اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت نازل فرمائی جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ اس نے مسلمانوں کو دنیا کی تمام امتوں میں ممتاز ٹھہرا کر انہی کو یہ افتخار بخشا ہے کہ ان کے اس امتیاز پر نہ صرف دوسرے لوگ بلکہ انبیاء تک آنحضرت ﷺ سمیت گواہی دیں گے۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

اس سلسلے میں متعدد مستند راویوں نے چند دیگر آیات اور ایک حدیث نبوی بھی پیش کی ہے۔ جن کا تفصیلی ذکر ہم اپنی تفسیر قرآن پاک اور اپنی کتاب الاحکام الکبیر میں ان شاء اللہ کریں گے۔

غزوۂ بدر عظمیٰ سے قبل رمضان کے روزوں کی فرضیت

ابن جریر کہتے ہیں کہ ہجرت کے دوسرے ہی سال کے دوران ماہِ رمضان میں اس پورے ماہِ مبارک کے پورے مہینے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزے فرض کیے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ماہ صیام کے روزے ماہ شعبان میں فرض ہوئے تھے۔

اس سلسلے میں جو روایت عموماً بیان کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے دیکھا کہ یہودی ہر مہینے کے دسویں روز روزہ رکھتے ہیں اور جب آپؐ نے اس کے بارے میں ان سے دریافت فرمایا تو وہ بولے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (کوہ طور پر) اپنا جلوہ دکھایا تھا۔

یہودیوں سے مذکورہ بالا بات سن کر آپؐ نے فرمایا:

''ہم اس بارے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی تصدیق کے لیے تم لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں''۔[1] (حدیث)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس روز خود روزہ رکھا اور دوسرے مسلمان اہل مدینہ کو اس کا حکم دیا لیکن اسی مہینے میں یہ قرآنی آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ .... الخ ﴾

ہم نے اس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر متعدد متعلقہ احادیث کے ساتھ اور ان کے بارے میں کئی مستند روایات اپنی تفسیر قرآن پاک میں الحمد للہ تفصیلاً پیش کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابونضر' مسعودی اور عمرو بن مرہ نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آخر الذکر کی زبانی بیان کیا کہ نماز کی فرضیت کی طرح روزوں کی فرضیت کی بھی تین حالتیں ہیں۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بقول نماز کی فرضیت کی تین صورتیں یہ ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تو اوّل اوّل آپ ہر مہینے تین روزے رکھا کرتے تھے اور ان کے علاوہ ہر ماہ کی دسویں تاریخ کو بھی ضرور روزہ رکھتے تھے تا آنکہ آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے نماز کی فرضیت سے متعلق آیت نازل فرمائی اس کی پہلی صورت تو مذکورہ بالا آیت کی رو سے یہ ہے کہ:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ﴾

یعنی رمضان کے مہینے میں ہر شخص پورے مہینے کے روزے رکھے لیکن اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر کی حالت

---

[1] یہاں اس حدیث نبوی کا حسب موقع تشریحی ترجمہ کیا گیا ہے۔ (مترجم)

میں ہو تو اس مہینے میں روزے قضا کر کے بعد میں یہ فرض روزے رکھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی بوڑھا شخص اتنا کمزور ہو کہ وہ روزہ نہ رکھ سکے لیکن یہ مقدرت رکھتا ہو تو وہ کسی مسکین کو (پیٹ بھر) کھانا کھلائے۔ یہ فرض روزوں کی ادائیگی کی دو صورتیں ہوئیں جن کی اہمیت کی اللہ تعالیٰ نے یوں وضاحت فرمائی کہ شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک (لوح محفوظ میں) مکمل اتارا گیا۔

اس کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت کے اس حصے کے حکم کے تحت جس میں ہر مقیم اور تندرست مسلمان پر رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض کیے گئے تو (جیسا کہ صحیحین یعنی صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انصار کا ایک شخص رمضان کے مہینے میں صبح سے شام تک روزے سے رہتا تھا اور عشاء کی نماز کے بعد سے صبح تک جاگتا رہتا تھا اور اس طرح اس کی ساری رات بھی بحالت روزہ ہی گزر جاتی تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس شخص کی روزے کے سلسلے میں یہ جدوجہد اور جسمانی مشقت ملاحظہ فرمائی اور یہ بھی غور فرمایا کہ وہ شخص یقیناً یہ سمجھتا ہے کہ شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد بھی اوقات شب کے دوران میں اسے اپنی بیوی کے پاس جانے کی جو فطرت انسانی کا تقاضا ہے ممانعت ہے تو آپ نے اس سلسلے میں اس شخص سے گفتگو کی اور اسی کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ ﴾

بہر حال اس آیت کا اختتام اللہ تعالیٰ نے اس حکم پر فرمایا:

﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ (ایضاً)

یہ روایت ابوداؤدؒ نے اپنی ''سنن'' میں اور حاکم نے اسی طرح اپنی مستدرک میں المسعودی کے حوالے سے اور ''صحیح'' میں زہری کے حوالے سے عروہ اور حضرت عائشہ نے پیش کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل ہر مہینے کے تین روز روزہ رکھتے اور ان کے علاوہ ہر مہینے کی دس تاریخ کو بھی ضرور رکھتے تھے لیکن ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد آپ دوسرے مہینوں میں یہ روزے حسب منشا کبھی رکھتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

بخاریؒ نے یہ روایت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے حوالے سے پیش کی ہے۔ بہرکیف اس روایت کی تفصیلات ان شاء اللہ حسب موقع اپنی کتاب ''الاحکام الکبیر'' میں پیش کریں گے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ہجرت کے اسی دوسرے سال ماہ رمضان گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ پہلی بار نماز عید الفطر پڑھی۔ تاہم اس سے ایک یا دو روز قبل اس کے وجوب نیز زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہو چکا تھا جس کی خبر آپ نے دوسرے لوگوں کو خطبہ عید الفطر کے دوران میں دی۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سب سے پہلے جریر نے آپ کی خدمت میں پیش کی اور اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس سال عمرے [illegible] زکوٰۃ کی [illegible] جو انہیں نجاشی [illegible] تفصیل ان شاء اللہ واقعہ [illegible] کے بعد پیش کریں گے۔

بدر کا غزوۂ عظیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِهُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ .... الخ ﴾

ان آیات شریفہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو آخر تک سورہ انفال میں بہ تمام و کمال ارشاد فرمایا ہے جسے ہم نے یہاں بالاختصار پیش کیا لیکن آگے چل کر ہم ان شاء اللہ عنقریب اس پر حسب موقع مفصل و مناسب گفتگو کریں گے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی مہم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابی سفیان کے ہمراہ صخر بن حرب شام سے تجارتی مال لے کر کے واپس آ رہا ہے۔ آپ کو یہ خبر بھی ملی کہ اس کے ساتھ تیس یا چالیس آدمیوں پر مشتمل ایک بڑا قافلہ ہے اور ان کا مال ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا ہے نیز یہ کہ اس قافلے میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بھی شامل ہیں۔

اس سلسلے میں موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ملی جب اس سے قبل عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ابن حضرمی کو قتل ہوئے دو مہینے گزر چکے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی اس روایت میں ابن اسحٰق کی روایت ہی پیش کی ہے ماسوا اس کے کہ قریش کے مذکورہ بالا قافلے میں حویطب ابن عزیٰ کا مال تھا نہ کوئی آدمی تھا۔ اسی لیے وہ جنگ بدر کا مخالف تھا۔

ابن اسحٰق متعدد مستند حوالوں سے جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حوالہ بھی شامل ہے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مذکورہ بالا قافلے پر نظر رکھنے کے لیے مسلمانوں کا ایک عسکری دستہ روانہ فرمایا تھا تو آپ کی منشاء یہ تھی کہ کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آئے جس سے اہل مدینہ کے خلاف قریش کو بدر جیسی کوئی جنگ چھیڑنے کا موقع مل جائے بلکہ آپ کی ہدایت یہ تھی کہ اگر اس طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ ہو تو مسلمانوں کے اس دستے کو جوابی کارروائی کی اجازت ہوگی۔ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان نے اس خیال سے کہ اگر اس کا مذکورہ بالا قافلے مسلمانوں کے ہاتھ پڑ جائے اس نے ایک شخص ضمضم ابن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا تھا اور قریش کو اطلاع دی تھی کہ اسے اہل مدینہ سے مقابلے کا اندیشہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس قافلے کی طرف بڑھتے آ رہے ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ روایت عکرمہ کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ان تک نہیں پہنچی بلکہ اس کے راوی یزید

بن رومان اور عروہ بن زبیر ہیں جنہوں نے تین روز قبل کہ ابوسفیان نے ضمضم ابن عمرو غفاری کو مکے بھیجا تھا عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا تھا کہ تین اشخاص اپنے اونٹوں پر سوار خانہ کعبہ کے عقب میں پہنچے ہیں جن میں سے ایک شخص سامنے سے خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے بے شمار ساتھی مکے میں داخل ہو گئے ہیں اور اس کے بعد مکے کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جسے ان لوگوں نے نہ گھیر لیا ہو۔

عاتکہ نے پہلے یہ خواب اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب سے بیان کیا اور اس کے بعد اس کے بارے میں مکے میں ہر طرف چرچے ہونے لگے۔ چنانچہ قریش کے کچھ سربرآوردہ لوگ خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر عاتکہ بنت عبدالمطلب کا یہ خواب سچا ہے تو آنحضرت ﷺ اہل مدینہ کا لشکر لے کر مکہ پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ تاہم ابوجہل نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنی عبدالمطلب خواہ مخواہ اپنی راتوں کو قریش کے مردوں پر ترجیح دینے لگے ہیں۔

اس کے بعد ابوجہل سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ پر پلٹ پڑا اور اس سے کہنے لگا کہ ایسی لایعنی خبریں اس نے مدینے سے مکے واپس آ کر اڑائی ہیں۔ چونکہ ابوجہل غصے کی حالت میں اول اول بک رہا تھا اور سعد ابن معاذ انتہائی بلند آواز میں سخت سست کہہ رہا تھا اس لیے سعد رضی اللہ عنہ بھی اس کے جواب میں اس سے زیادہ بلند آواز میں اس کی تردید کرنے لگا جس پر دوسرے لوگوں نے اس سے کہا کہ ابن حکم اہل عرب کے معزز ترین شخص ہیں' اس لیے سعد رضی اللہ عنہ کو اس کے سامنے زور سے نہیں بولنا چاہیے۔ اس کے بعد خود ابوجہل بھی نرم پڑ گیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی سعد رضی اللہ عنہ کو قریش کا معزز لوگ کہہ کر اسے سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا۔ تاہم اس نے گھر جا کر اپنی بیوی ام صفوان کو بتایا کہ آنحضرت (ﷺ) نے اس سے فرمایا تھا کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔

ام صفوان نے پوچھا: ''کیا مکے میں قتل کر دیں گے؟''۔ سعد بولے: ''مجھے معلوم نہیں''۔ اس سے قبل عباس اپنی بہن عاتکہ سے کہہ چکے تھے کہ وہ اپنا خواب کسی کو نہ سنائیں اور انہوں نے بھی اس بات کا وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے شاید کسی دوسری عورت کو اپنا خواب سنا دیا تھا جس کے بعد یہ بات سارے مکے میں پھیل گئی اور اس کے نتیجے میں قریش نے خانہ کعبہ میں مجلس مشاورت منعقد کی تھی۔

قریش نے عاتکہ کے خواب کو جھوٹا ٹھہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ وہ تمام عرب میں یہ بات مشہور کر دیں گے کہ عبدالمطلب کے گھر والے جھوٹ بولتے ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ محض الزام ہے لیکن اتنی بڑی بات انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

البتہ اس واقعے کے بعد اہل مکہ میں جسے دیکھو ہتھیار بند نظر آنے لگا تھا اور جملہ اہل مکہ کی تیوریاں ہر وقت چڑھی رہتی تھیں۔ تاہم امیہ نے جب تک بدر میں لڑائی ہوئی مکے سے باہر جانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

بہر کیف امیہ یوم بدر تک مکے سے نہیں نکلا تھا۔ البتہ اس کا اونٹ شاید کم عقل تھا کہ اسے لے کر میدان بدر میں جا پہنچا تھا

جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے لقمہ اجل بنا دیا۔

بخاریؒ نے یہ روایت محمد بن اسحٰق' عبید اللہ بن موسیٰ' اسرائیل اور ابی اسحٰق کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے اس کو انفرادی اور خصوصی حیثیت دی ہے۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو خلف بن ولید اور ابی سعید کے حوالے سے اسرائیل کی زبانی پیش کیا ہے۔

اسرائیل کی روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی بیوی نے ان سے کہا تھا:

''خدا کی قسم محمد (ﷺ) دروغ گو نہیں ہیں''۔

بہرکیف ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے باہمی مشورے سے رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کے لیے کہ وہ آپؐ ہی کو اپنے مذکورہ بالا قافلے کے جانی و مالی نقصان کا ذمہ دار سمجھتے تھے تیاری کر لی تو اس کے بعد یہ غور کرنے لگے کہ ان کے کون کون سے قبائل مدینے پر فوج کشی کے لیے بلاحیل و حجت رضامند ہو سکتے ہیں کیونکہ انہی میں بعض قبیلے ایسے تھے جو ممکن تھا کہ ایک دوسرے کے دوش بدوش رہ کر مسلمانوں سے جنگ کرنا پسند نہ کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل وہ باہمدیگر انتقام کے خواہاں تھے کیونکہ ان کے کسی نہ کسی شخص کا قتل کسی دوسرے قبیلے والے کے کسی آدمی کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ اس لیے انہیں خوف تھا کہ ایسے لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہونے کے بجائے آپس ہی میں کشت و خون پر نہ اتر آئیں ان میں قبیلہ بنی بکر والے خود قریش ہی کے مخالف تھے جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہ قریش کی مکے سے روانگی کے بعد ان کے عقب سے قریش کے دوسرے مخالفین کو ساتھ لے کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔

قریش اسی تذبذب میں تھے کہ انہیں سراقہ ابن مالک بن جعشم مدلجی نے جو کنانہ کے معزز لوگوں میں سے تھا بصورت شیطان غصہ و غیرت دلا کر مسلمانوں سے جنگ پر ابھارا۔

دوسری طرف جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی ان تیاریوں اور ان کی مکے سے مدینے کی طرف روانگی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اہل ایمان تو بھلا قریش کی اس یلغار سے کیا خوف کھاتے اور آپؐ پر جاں نثاری سے کب چوکنے والے تھے۔ البتہ جب یہود مدینہ نے آپؐ سے معاہدے کے باوجود قریش کے مقابلے سے احتراز کیا تو منافقین کو بھی اس پر اعتراض کا موقع مل گیا۔ اسی وجہ سے کچھ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی کچھ تذبذب' پس و پیش اور گومگو کی حالت پیدا ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ ان کے اطمینان کے لیے مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ .... الخ ﴾

جب قریش پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کے لیے منزل بہ منزل مدینے کی طرف روانہ ہوئے اور ادھر شیطان نے مسلمانوں کی مدد کے لیے جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں کو اترتے دیکھا تو وہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ .... الخ ﴾

کہتا ہوا انہیں بہکانے کے بعد رفوچکر ہو گیا کیونکہ اس کا مقصد قریش کے جذبہ تکبر کو ابھارنے کے سوا کچھ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کو پہلے ہی آنحضرت ﷺ کے توسط سے یہ مژدہ سنا چکے تھے:

﴿ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾

یونس ابن اسحٰق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ قریش مکہ اپنے حلیف قبائل کے لوگوں کے ساتھ جب مدینے پر حملے کے لیے لشکر لے کر روانہ ہوئے تو ان کے پاس نو سو پچاس جنگ کرنے والے لشکری سپاہیوں کے علاوہ دو سو حرب وضرب کے ماہر گھوڑ سوار اور سو ایسے پختہ کار تیر انداز تھے جن کے متعلق ان دشمنان اسلام کو یقین کامل تھا کہ وہ پہلی بار ہی (خدانخواستہ) مسلمانوں کی پوری جمعیت کا صفایا کر دیں گے۔ قریش کے اس لشکر کو قریش کے چند صاحب ثروت لوگ مقام بدر تک سفر کے دوران میں ہر روز یکے بعد دیگرے کھانا کھلا رہے تھے۔

اموی بیان کرتے ہیں کہ اس لشکر کے مکے سے روانگی کے پہلے ہی روز ابو جہل نے بطور نیک فالی دس اونٹ ذبح کیے تھے۔ اس کے بعد امیہ بن خلف نے عسفان پہنچ کر نو اونٹ ذبح کیے۔ پھر سہیل بن عمرو نے قدید میں دس اونٹ ذبح کیے اور جب یہ لوگ ساحل سمندر کے قریب پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈالا جو ایک روز کے لیے تھا تو شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کیے۔ پھر جب یہ لوگ وہاں سے رات کے وقت روانہ ہو کر صبح کو جحفہ پہنچے تو عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کیے اور جب قریش کا یہ لشکر اگلے روز صبح کے وقت ابوا پہنچا تو اس کے لیے حجاج کے دو بیٹوں نبیہ اور منبہ نے مل کر دس اونٹ کاٹے اور ساتھ ہی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی دس اونٹ ذبح کیے۔ اس کے بعد بدر کے قریب اس مقام پر پہنچ کر جہاں پانی دستیاب تھا ابو البختری نے دس اونٹ ذبح کیے۔

اموی کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد اور ابوبکر ہذلی نے بیان کیا کہ قریش کے اس لاؤ لشکر کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف دو اسپ سوار اور ستر پیادہ سپاہی تھے۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ قریش کے اس لشکر کے مقابلے اور دفاعی جنگ کے لیے مدینے سے اپنے اصحاب کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ماہ رمضان کی چند راتیں گزر چکی تھیں۔ آپؐ نے مدینے میں باقی ماندہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا تھا اور ابولبابہ کو مدینے کی حفاظت کے لیے راستے سے واپس کر دیا تھا۔ آپؐ نے جو علم مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اس کا رنگ سفید تھا اور دوسرے دو علم جو آپؐ کے آگے آگے تھے ان کا رنگ سیاہ تھا۔ ان میں سے ایک علم آپؐ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور دوسرا انصار میں سے کسی شخص کے سپرد فرمایا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ انصار میں سے جس شخص کے پاس یہ دوسرا علم تھا وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے لیکن اموی اس شخص کا نام حباب بن منذر بتاتے ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قلب لشکر میں بنی مازن بن نجار کے بھائی قیس بن ابی صعصعہ کو رکھا تھا۔ اموی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے قلب لشکر میں اسپ سوار صرف دو یعنی مصعب بن عمیر اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما تھے کہتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ اور مقداد بن اسود کے پاس بھی ایک ایک گھوڑا تھا لیکن امام احمدؒ نے حارثہ بن مضرب کے حوالے سے ابی اسحٰق کی زبانی جو روایت پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے اس دستے میں مقداد کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔

بیہقی نے ابن وہب کے ذریعہ ابی صخر' ابی معاویہ بلخی' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز مسلمانوں میں سے زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میمنہ پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور میسرہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا تھا۔ ان دونوں حضرات کے تقرر کے بارے میں بیان کردہ روایت اموی کی ہے جو انہوں نے اپنے والد اور اسماعیل بن ابی خالد کی زبانی تمیمی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی جمعیت میں قریش مکہ کے مذکورہ بالا بڑے لشکر کے مقابلے میں دفاعی جنگ کے لیے دو گھوڑوں کے علاوہ ستر اونٹ تھے جن میں سے ایک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور علی و ابولبابہ' حضرت حمزہ' زید بن حارثہ' ابو کبشہ اور انسہ رضی اللہ عنہم آپ کے اونٹ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عفان نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے اور عاصم بن بہدلہ نے زر بن حبیش اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس روز مسلمانوں کی پوری جمعیت میں صرف تین افراد اونٹوں پر سوار تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے عقب میں چل رہے تھے۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک موقع پر علی اور ابولبابہ نے آپ سے عرض کیا کہ انہیں آگے جانے کی اجازت دی جائے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''تم دونوں نہ تو جوش اور جذبہ جہاد میں مجھ سے قوی تر ہو نہ میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حصول اجر کے لیے تم سے کم شائق ہوں''۔

یہ روایت نسائی نے بھی فلاس' ابن مہدی اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ تاہم میرے خیال میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے عقب میں چلنے کی روایت کو اس روز سے قبل اس واقعے سے مربوط رکھنا چاہیے تھا جب آپ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو لشکر قریش کے بارے میں خبر لینے کے لیے روحا روانہ فرمایا تھا کیونکہ جس روز کے متعلق یہ روایت پیش کی گئی ہے اس روز جیسا کہ دوسری مستند روایات سے ثابت ہے آپ کی سواری کے عقب میں حضرت علی اور ابولبابہ رضی اللہ عنہما کی جگہ مرثد چل رہے تھے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

امام احمدؒ ایک دوسری روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ ان سے جعفر اور سعید نے قتادہ' زرارہ بن ابی اوفی' سعد بن ہشام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے اور آخر الذکر کی زبانی بیان کیا کہ روز بروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجراس کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ کے اونٹ کی مہار چھوڑ کر اس سے دور ہو جائیں۔ یہ روایت صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) کی سند سے پیش کی گئی ہے۔ اسی روایت کو نسائی نے ابی اشعث' خالد ابن حارث' سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ کے حوالے سے پیش کیا ہے اور اسی کو ہمارے شیخ حافظ المرزی نے پہلے دوسری مسند روایات کے حوالوں سے اور آخر میں سعید بن بشر اور قتادہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ یہی روایت ہشام نے قتادہ' زرارہ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے پیش کی ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن بکیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب' عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کے حوالے سے

عبداللہ بن کعب کی زبانی بیان کیا کہ آخر الذکر نے بتایا کہ وہ ان غزوات میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر عملاً جہاد میں حصہ لیا غزوۂ تبوک کے سوا کبھی آپؐ سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ اس غزوے میں بھی غزوہ بدر کی طرف آپؐ سے الگ ہو کر جہاد کرنے کی واحد وجہ آپ کی محافظت ہی تھی اس لیے انہیں امید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سلسلے میں معتوب نہ ہوں گے۔

جن غزوات کے لیے قریش مکہ کے قافلوں پر نظر رکھنے کے پیش نظر آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہوئے تھے اور جن میں خود کعب بن مالک شریک تھے ان کی روایات انہوں نے انفرادی طور پر بطور خاص فرداً فرداً بیان کی ہیں۔

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ مدینے کی طرف قریش مکہ کی ایک بڑے لشکر کی ہمراہی میں روانگی کی خبر سن کر جب رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے کے لیے مدینے سے روانہ ہوئے تو پہلے آپؐ نے عقیق کا راستہ اختیار فرمایا' وہاں سے ذی حلیفہ وہاں سے اولات الجیش کی طرف' وہاں سے قربان کی جانب تشریف لے گئے' پھر وہاں سے مختلف قبائل کی بستیوں سے گزرتے ہوئے پہلے عمیس الحمام' وہاں سے مخیّرات الیمامہ' پھر وہاں سے سیالہ اور پھر روحا سے آگے شنوکہ کی حدود میں پہنچے جو ظبیہ کا درمیانی علاقہ ہے اور مدینے سے مکے جانے کا مختصر معقول اور محفوظ راستہ بھی ہے۔ وہاں آپ کو دو عرب راہ گیر ملے جن سے آپؐ نے قریش کے اقدامات کے بارے میں دریافت فرمایا لیکن وہ اس کے متعلق کچھ نہ بتا سکے۔ البتہ آپؐ کے صحابہ ﷡ نے ان دونوں راہ گیروں سے کہا کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کو سلام کریں۔ یہ سن کر وہ بولے:

''کیا رسول اللہ (ﷺ) بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں؟''۔

ان دونوں راہ گیروں نے یہ سوال کچھ اس انداز سے کیا تھا کہ حضرت علی ﷛ انہیں قریش مکہ کے مخبر سمجھتے ہوئے یہ کہہ کر کہ:

''اس کا جواب تمہیں میں دیتا ہوں''۔

ان کی طرف جھپٹے لیکن آپؐ نے انہیں ان راہ گیروں پر سختی سے روکا اور اسی طرح آپؐ نے سلمہ بن سلامہ کو بھی جو انہیں گرفتار کرنے ان کی طرف بڑھے تھے منع فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ آپ کو پہچان گئے اور انہوں نے مؤدب ہو کر آپ کو سلام کیا۔

روحا اور علاقہ ظبیہ سے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ نے مسبح میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ بیئر الروحا بھی کہلاتی ہے۔ وہاں مکے کی طرف دو راستے جاتے ہیں لیکن آپؐ نے دائیں طرف کا راستہ چھوڑ کر بائیں جانب کا راستہ اختیار فرمایا اور اسی راستے سے نازیہ تشریف لے گئے۔ تاکہ وہاں سے بدر کی طرف بڑھ سکیں۔ اس راستے میں آپ کو ایک وادی ملی جسے رحقان کہا جاتا تھا۔ یہ وادی نازیہ اور مضیق کے درمیان میں ہے۔ اس وادی سے گزر کر آپ مضیق پہنچے اور پھر صفراء کے نزدیک پہنچ کر آپؐ نے بنی ساعدہ کے حلیف قبیلے بسبس بن عمرو جہنی اور بنی نجار کے حلیف قبیلے عدی ابن ابی الزغباء کی بستیوں کی طرف کچھ لوگ روانہ فرمائے تاکہ ان سے ابی سفیان اور صخر بن حرب وغیرہ کی نقل وحرکت کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔

اس روایت کے بارے میں ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لیے جو لوگ ان قبائل کی طرف بھیجے تھے انہیں قریش مکہ کے قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے مدینے سے بھیجا تھا اور وہ لوگ اس کے بارے میں خبر

لے کر مدینے واپس لوٹ آئے تھے۔

یہ آخری روایت بیان کرتے ہوئے ابن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ بھی پہلی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے اس موقع پر دوسری بار کے الفاظ بڑھا دیتے تو یہ آخری روایت اور صاف ہو جاتی۔ (مؤلف)

بہرکیف ابن اسحٰق اپنی اس روایت کے بارے میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ معنق سے صفراء کی طرف بڑھے تو آپؐ نے اس بستی کے بارے میں جو دو پہاڑوں کے درمیان آباد تھی ان پہاڑوں کے نام دریافت فرمائے تو آپؐ کے ساتھ کے کچھ لوگوں نے ان میں سے ایک کا نام مسلح اور دوسرے کا صحری بتایا لیکن آپ کو یہ نام پسند نہیں آئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس بستی کے لوگوں سے ان پہاڑوں کے نام کے علاوہ ان دو بستیوں کے نام دریافت فرمائے۔ انہوں نے ان پہاڑوں کے نام ''بنوالنار'' اور بنوحراق بتائے۔ چنانچہ یہ نام بھی ان کے معنوں کے لحاظ سے آپ کو برے معلوم ہوئے اس لیے آپؐ نے ان بستیوں کو چھوڑ دیا اور آگے صفراء کو بھی بائیں طرف چھوڑ کر دائیں طرف کا راستہ اختیار فرمایا اور اس وادی میں پہنچے جسے ذفران کہا جاتا تھا۔ وہاں پہنچ کر آپ کو خبر ملی کہ قریش نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینے پر حملہ آور ہونے کے لیے مکے سے روانہ ہو کر وہاں سے یعنی ذفران سے کچھ دور آخری پڑاؤ ڈالا ہے۔ یہ خبر سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو ان میں سے اکثر لوگوں نے یہ رائے دی کہ آپ کو ذفران سے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روکنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس مشورے کی پرزور تائید کی اور اس مشورے کو بہترین مشورہ قرار دیا لیکن ان کے بعد مقداد بن عمرو اٹھ کر بولے:

''یارسول اللہ (ﷺ) اگر آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ضروری سمجھا ہے تو آپؐ اس پر عمل کیجیے' ہم لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح آپؐ پر اپنا جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اگر آپؐ دشمن سے جنگ کریں گے تو اس میں بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے''۔

مقداد بن عمرو کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''علی (رضی اللہ عنہ) سے بھی مشورہ کرلو''۔

پھر جب آپؐ نے مہاجرین مکہ کے بعد انصار مدینہ سے جن کی قلیل تعداد اس وقت آپؐ کے ہمراہ تھی اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا تو وہ سب یک زبان ہو کر بولے:

''یارسول اللہ (ﷺ) جب تک آپؐ ہمارے ہاں تشریف نہیں لائے تھے اس وقت تک تو ہم آپؐ سے بری الذمہ تھے لیکن اب آپ کی اور مہاجر صحابہ کی حفاظت کی ذمہ داری ہم قبول کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کی اطاعت کا وعدہ کر لینے کے بعد ہم اس ذمہ داری سے کسی طرح سبکدوش ہونا نہیں چاہتے۔ لہٰذا اگر آپ کا ارادہ آگے بڑھ کر دشمن سے مقابلہ کرنا ہے تو بسم اللہ آگے تشریف لے چلیے' ہم آپؐ کے اور آپؐ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دوش بدوش دشمن سے جنگ کرنے کے لیے حاضر ہیں' ہم آپ کی اطاعت کے مقابلے میں اپنی جان'

اپنے مال بلکہ اپنے اہل وعیال کی بھی پرواہ نہیں کریں گے''۔

انصار کی زبان سے یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حد درجہ مسرت کا اظہار فرمایا کیونکہ اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی جو مثال مقداد بن عمرو نے پیش کی تھی اس میں جدال وقتال کی صورت میں حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کی طرف سے ان کی اس قدر پرزور تائید اور اس حد تک اطاعت کا ذکر نہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دے کر فرمایا:

''دشمن سے مقابلے کے لیے آگے بڑھو' میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں انصار ومہاجرین دونوں کا فائدہ دیکھ رہا ہوں کیونکہ انہوں نے یعنی قریش نے ہمیں تو گھر سے بے گھر کیا ہی تھا اب وہ انصار کی تباہی پر بھی آمادہ ہیں''۔

(حدیث کا مفہومی وتشریحی ترجمہ)

آپ کی زبان مبارک سے سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ کا ہمارے لیے کیا ارادہ (اور حکم) ہے؟''۔

آپ نے فرمایا:

''بہت اہم اور جلیل''۔

اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''ہم جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کی بعثت کی تصدیق اور آپ کی اطاعت کا عہد کر چکے ہیں تو اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم بھی دیں گے تو ہم بلاتردد پس وپیش اور تامل کے بغیر اس میں کود پڑیں گے۔ آپ کا جو بھی ارادہ ہو آپ اس میں ہمیں ہر طرح اپنا مطیع وفرمانبردار پائیں گے''۔

سعد رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر آپ نے مزید اظہار مسرت فرمایا اور انہیں بھی کامیابی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی۔

بخاریؒ نے کثیر شواہد واسناد کے ساتھ یہ روایت پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ طارق بن شہاب سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے مقداد بن اسود کی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ غزوۂ بدر میں قریش مکہ کو نام بنام پکار کر دعوت مبارزت دے رہے ہیں۔ طارق ابن شہاب کہتے ہیں کہ ان سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ:

''کاش اس شجاعت اور شہادت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضیاب وسرفراز ہونے والا میں ہوتا''۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے طارق ابن شہاب کے بقول یہ بھی بتایا کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ہی نے غزوۂ بدر سے قبل رسول اللہ ﷺ سے یہ عرض کیا تھا کہ:

''ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہیں ہیں جس نے ان سے یہ کہا تھا کہ جائیے آپ اور آپ کا رب دشمنوں سے جا کر لڑیں ہم ان سے نہیں لڑیں گے''۔

اس کے بعد مقداد رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ:

''ہم آپؐ کے دائیں بائیں اور آپ کے پیچھے رہ کر دشمنوں سے لڑیں گے''۔

اور ان کی زبان سے یہ سن کر آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک مسرت سے چمکنے لگا تھا۔ اس روایت کو بخاری و مسلم اور نسائی نے خصوصیت سے بیان کیا ہے۔ نسائی نے مقداد رضی اللہ عنہ کا غزوۂ بدر میں گھوڑے پر سوار ہونے کا بھی اپنی روایت میں ذکر کیا ہے۔ یہ تمام روایات صحیح بخاری میں بڑی ثقہ اسناد کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ذفران سے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور وہ وہاں سے بدر کے مقام پر پہنچے تو انہیں وہاں قریش کے کچھ لوگ ملے۔ ان لوگوں میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام بھی تھا جسے مدینے کے کچھ انصاری مسلمانوں نے جو قریش کے معزز لوگوں سے واقف نہ تھے پکڑ کر پوچھا:

''تم میں سے ابوسفیان کون ہے؟''۔

اس نے کہا:

''مجھے ابوسفیان کے بارے میں تو کچھ علم نہیں لیکن اس وقت میرے ساتھ یہ ابوجہل' عتبہ' شیبہ اور امیہ ہیں''۔

یہ سن کر وہ لوگ اسے مارنے پیٹنے لگے تو وہ بولا:

''ٹھہریئے' میں بتاتا ہوں''۔

جب انہوں نے اسے چھوڑا تو وہ ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے بولا: ''یہ ہیں ابوسفیان''۔ لیکن وہ شخص ابوسفیان نہ نکلا تو وہ اسے پھر مارنے پیٹنے لگے۔ اس نے ان کی مار پیٹ سے بچنے کے لیے کہا:

''ٹھہریئے اب میں ٹھیک ٹھیک بتاتا ہوں' مجھے ابوسفیان کا تو کچھ پتہ نہیں لیکن یہ دوسرے لوگ وہی ہیں جن کا میں نے ابھی نام لیا تھا''۔

یہ سن کر وہ لوگ غصے میں آ کر اسے پھر مارنے پیٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

''جب اس نے جھوٹ بولا تھا تو تم لوگوں نے اسے چھوڑ دیا تھا لیکن اب یہ شخص سچ بول رہا ہے تو تم اسے پھر مارنے پیٹنے لگے ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی زمین پر جگہ جگہ اپنا ہاتھ ضائع کرتا پھرے''۔

اس ارشاد سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ کسی معتبر شخص سے پوچھے بغیر کسی کا کسی فعل پر آمادہ ہو جانا اپنا ہاتھ یعنی موقع اور وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے بعد کبھی رسول اللہ ﷺ سے الگ ہوئے نہ آپؐ سے پوچھے بغیر انہوں نے کبھی کوئی کام کیا۔

اس قسم کی ایک روایت مسلمؒ نے ابی بکر اور عفان کے حوالے سے بیان کی ہے لیکن اس روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے خود ایک مہم میں شرکت فرما کر قریش کے ایک قافلے کو روکا تھا' تاکہ وہ مدینے کی طرف نہ بڑھ سکے۔ قریش کے اس قافلے میں بھی وہی لوگ تھے جن کا اس روایت میں ذکر آیا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ذفران سے آگے بڑھ کر ثنا پہنچے جسے اصافر بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس شہر کا رخ کیا جسے الدیہ❶ کہا جاتا تھا۔ وہاں سے آپؐ نے حنان کو جو کسی بلند پہاڑ کی طرح سطح مرتفع ہے داہنی طرف چھوڑا اور اس کی بائیں جانب سے آگے کی مسافت طے فرما کر بدر کے قریب جا پہنچے اور وہیں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں سے آپؐ سواری پر ایک صحابی کو ساتھ لے کر آگے تشریف لے گئے۔ ابن ہشام نے آپؐ کے ان صحابی کا نام ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بتایا گیا ہے وہاں راستے میں آپ پہلے ایک عربی شیخ کے پاس رکے اور اس سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ قریش مکہ' محمد اور ان کے اصحاب کے بارے میں کوئی اطلاع رکھتا ہے۔ شیخ نے جواب دیا:

''اگر آپ مجھے یہ بتادیں کہ آپ دونوں کون ہیں تو میں ان کے بارے مجھے جو اطلاع ملی ہے آپ کو بتادوں گا''۔

آپؐ نے فرمایا:

''اگر تم ہمیں وہ بتادو جو ہم نے تم سے پوچھا ہے تو ہم اپنا ذاتی تعارف تم سے کرادیں گے''۔

شیخ نے کہا:

''اچھی بات ہے''۔

کہہ کر آپؐ سے کہا:

''جو اطلاع ان لوگوں کے بارے میں مجھے ملی ہے اور اطلاع دینے والے نے صحیح اطلاع دی ہے تو وہ یہ ہے کہ قریش مکہ سے روانہ ہو کر اب فلاں مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور محمدؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینے سے روانہ ہو کر اب فلاں مقام تک آگئے ہیں''۔

اس کے بعد شیخ نے آپؐ سے پوچھا:

''اب تم بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو؟''۔

آپؐ نے جواب دیا:

''ہم لوگ ''پانی پار'' کے رہنے والے ہیں''۔

یہ فرما کر آپؐ آگے بڑھ گئے اور شیخ بڑبڑاتا رہ گیا معلوم نہیں کہ ''پانی پار'' سے آپ کی مراد عراق کے کسی دریا پار مقام سے تھی یا کچھ اور ابن ہشام کہتے ہیں کہ وہ شیخ' شیخ سفیان ضمری کہلاتا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس شیخ سے گفتگو اور اس کے ٹھکانے سے اگلے حصے کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کے پاس واپس لوٹ آئے اور رات وہیں بسر فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ نے جیسا کہ ان سے (یعنی ابن اسحٰق سے) یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا' علی بن ابی طالب' زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو اپنے کچھ دوسرے

---

❶ اصلین اور ابن ہشام میں یہی لکھا ہے لیکن معجم البلدان میں اس جگہ کا نام دبہ بتایا گیا ہے۔ (مؤلف)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش مکہ کے بارے میں خبر لانے کے لیے آگے بھیجا جہاں وہی واقعہ پیش آیا جس کا سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے یعنی وہاں سے ایک آدمی کو پکڑ کر واپس آئے اور راستے مار پیٹ کر اس سے ابی سفیان کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

اس روایت کے بعد جس میں ابن اسحٰق نے مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا ہے زیرنظر روایت میں وہ مزید کہتے ہیں کہ وہ دو آدمی تھے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ دونوں قریش کے آدمی ہیں' پھر آپؐ نے انہیں دوسرے لوگوں کے شکنجے سے نجات دلا کر ان سے فرمایا:

''اب تم مجھے قریش مکہ کے بارے میں (صحیح صحیح) بات بتاؤ''۔

انہوں آپ کو بتایا کہ:

''قریش نے اس بلند ٹیلے کے پیچھے جو آپ کو سامنے نظر آ رہا ہے پڑاؤ ڈالا ہوا ہے''۔

آپؐ نے ان سے پوچھا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟'' وہ بولے: ''بہت زیادہ'' آپؐ نے فرمایا ''ان کی صحیح تعداد کیا ہے؟'' وہ بولے: ''یہ تو ہمیں معلوم نہیں''۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: ''انہوں نے مکے سے یہاں تک کتنے اونٹ ذبح کیے ہیں؟''۔ انہوں نے جواب دیا: ''ہر روز کبھی نو اور کبھی دس'' ان کے اس جواب سے آپؐ نے عسکر قریش کی تعداد کا اندازہ فرما کر ارشاد فرمایا: ''ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک ہو سکتی ہے''۔ اس کے بعد آپؐ نے ان دونوں سے پوچھا: ''قریش کے اس لشکر میں ان کے اشراف میں سے کون کون لوگ شامل ہیں؟'' آپؐ کے اس سوال کے جواب میں وہ بولے:

''ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالبختری بن ہشام' حکیم بن حزام' نوفل بن خویلد' حارث بن عامر بن نوفل' طعیمہ بن عدی بن نوفل' نضر بن حارث' زمعہ بن اسود' ابوجہل بن ہشام' امیہ بن خلف' حجاج کے دو بیٹے نبیہ و منبہ' سہیل بن عمرو' اور عمرو بن عبدود شامل ہیں''۔

ان دو آدمیوں سے یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے روئے مبارک موڑتے ہوئے پھر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''یہی لوگ درحقیقت مکے کے جگر کے ٹکڑے ہیں جو تمہارے مقابلے کے لیے آئے ہیں''۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جب بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی ضغباء سے آگے بڑھ کر بدر کے مقام کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں سے آگے بڑھ کر ایک بلند ٹیلے کے نیچے قیام کیا اور اپنی اپنی مشکیں لے کر پینے کے لیے پانی لینے گئے تو انہوں نے وہاں قریب کی بستی کی دو عورتوں کو دیکھا جو آپس میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ اگر کل اور پرسوں کوئی قافلہ وہاں آ کر ٹھہرا تو ان میں سے پہلے قافلے کو کون پانی مہیا کرے گی۔ ان کی باتیں سن کر وہ دونوں بھی ان کے قریب بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ وہ باری باری سے ایسے قافلے کے لیے پانی فراہم کریں جو اب وہاں آنے والا ہے پھر انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ ان کا قافلہ وہاں سے قریب ہی ٹھہرا ہوا ہے جو عنقریب وہاں پہنچے گا اور ان سے کہا کہ وہ قافلے کے سردار سے اپنی اجرت طے کر لیں۔ جب وہ اس پر

راضی ہو گئیں تو وہ انہیں ساتھ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے اور آپ کو سارا ماجرا سنایا۔

ان لوگوں کے وہاں سے جانے کے بعد ابوسفیان وہاں آیا۔ اس نے پہلے مجدی بن عمرو جہنی کو پانی کا پتہ لگانے کے لیے وہاں بھیجا تھا جو اس وقت وہاں تھا۔ اس نے مجدی سے پوچھا کہ آیا اس نے وہاں کے قرب و جوار میں کسی جماعت کی آمد و رفت کو محسوس کیا تھا تو وہ بولا کہ جماعت یا کوئی قافلہ تو نہیں البتہ اس نے سامنے کے ٹیلے کے قریب دو اونٹ سواروں کو ٹھہرتے دیکھا تھا جو اپنی اپنی مشکیں لے کر یہاں سے پانی لینے آئے تھے لیکن پھر وہاں سے فوراً ہی چلے گئے۔ مجدی سے یہ سن کر ابوسفیان کو تجسس پیدا ہوا اور وہ مجدی کو ساتھ لے کر اس ٹیلے کے نیچے گیا اور وہاں اونٹوں کے پاؤں کے نشانات دیکھ کر بولا: ''یقیناً یہ مدینے کے اونٹوں کے پاؤں کے نشانات ہیں۔ اس کے بعد وہ عجلت سے اپنے ان ساتھیوں کے پاس پہنچا جنہیں وہ وہاں سے کچھ دور پیچھے چھوڑ آیا تھا اور پھر قریش کو جو مکے سے روانہ ہو چکے تھے اطلاع دینے کے لیے اسی عجلت سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ابوسفیان کے قریش کے پاس پہنچنے کے بعد ابوسفیان ہی کی ہدایت پر قریش نے بدر کا سیدھا راستہ چھوڑ کر بائیں طرف کا راستہ اختیار کیا اور جب وہ' جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا' جحفہ پہنچے تو وہاں جہیم بن صلت بن مخرمہ بن مطلب ابن مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں آیا اور اس نے قریش کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس نے قریش سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ قریش کے جن لوگوں کو اس نے اس شخص کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا وہ عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالحکم بن ہشام' امیہ بن خلف اور قریش کے فلاں فلاں دوسرے لوگ تھے' اس نے قریش کے ان سب اشراف کے نام بتائے جو بعد میں جنگ بدر میں مسلم مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب مجدی بن عمرو جہنی اور ابوسفیان کے ذریعہ ابوجہل کو بدر کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر ملی تو وہ مردود ازلی بولا:

''اچھا ہوا وہ بنی عبدالمطلب کا (نعوذ باللہ) خودساختہ آخری نبی مدینے سے خود چل کر یہاں آ گیا اگر کل اس سے ہمارا مقابلہ ہوا تو تم دیکھنا کہ میں نہ صرف اس کے ساتھیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دوں گا بلکہ خود اس کے علاوہ بنی عبدالمطلب کے ہر فرد کو چن چن کر قتل کروں گا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجرین و انصار ہمراہیوں کی بدر کے قریب آمد کی خبر سنتے ہی اپنے پیچھے آنے والے ساتھیوں اور ان کے عقب میں آنے والے قریش کو خبردار کرنے کی ساتھ ساتھ ان سے کہلوا دیا تھا کہ وہ اپنا لاؤ لشکر اور مال و متاع لے کر مکے واپس چلے جائیں لیکن اس کے جواب میں ابوجہل نے کہا تھا:

''خدا کی قسم میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا بلکہ کل جب ہم ان سب کو قتل کر چکیں گے تو اس کے بعد تو مقررہ دنوں میں عرب کے دوسرے میلوں کی طرح وہاں بھی ایک میلہ لگائیں گے' کھانے کے لیے لاتعداد اونٹ ذبح کریں گے' شراب پئیں گے' رقص و سرور کی محفل جمائیں گے اور خوب داد عیش دیں گے اور ہمارا یہ میلہ تین دن تک چلے گا' اس لیے آگے بڑھو''۔

اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی کا بیان ہے کہ جب قریش مکے سے جحفہ پہنچے جہاں اخنس بن شریف کا حلیف قبیلہ بنی زہرہ آباد تھا تو ابوجہل نے اس قبیلے کے لوگوں سے کہا:

''اگر تم ہمارا ساتھ دینا چاہو تو دو ورنہ اپنا مال و متاع سمیٹے یہیں بیٹھے رہو' ہم تمہارے سردار مخرمہ بن نوفل کو بھی یہیں چھوڑے جا رہے ہیں کیونکہ ہم بزرگوں کو اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے''۔

ابوجہل کی یہ نفرت انگیز باتیں سن کر قبیلہ بنی زہرہ کے سب لوگ واپس اپنے اپنے ٹھکانوں کو چلے گئے۔ زہری کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی فرد واحد بھی قریش کی طرف سے جنگ بدر میں شریک نہیں دیکھا گیا۔ زہری مزید کہتے ہیں کہ ابوجہل نے قریش کے قبیلہ بنی ہاشم کے لوگوں سے بھی جن میں طالب بن ابی طالب بھی شامل تھے مگر دل سے قریش کے ساتھ نہیں تھے بلکہ نبی کریم ﷺ سے جنگ کے مخالف تھے اور صرف رسماً یا محاورۃً قریش کے ساتھ چلے آئے تھے ایسی ہی کڑوی کسیلی باتیں کرتے ہوئے ان سے کہا:

''میں تم بنی ہاشم اور تمہارے محمد (ﷺ) کو خوب جانتا ہوں اگر تم واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو''۔

چنانچہ بنی ہاشم کے جملہ افراد جحفہ ہی سے مکے واپس چلے گئے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ قریش نے اپنے لشکر کے ساتھ جحفہ سے آگے چل کر عدوۃ القصویٰ میں جو وادی مقنقل کے پیچھے اور وادی یلیل کے بیچوں بیچ واقع ہے پڑاؤ ڈالا۔ وہاں سے مدینے کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔

میرے خیال میں قریش جب اس وادی سے آگے دوسری طرف چلے گئے اور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بارش ہونے لگی جس سے وہ جگہ جل تھل ہو کر سرسبز و شاداب ہو گئی تو وہیں مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ آپؐ پر نازل ہوئی' اور اسی ضمن میں مندرجہ ذیل دوسری آیات مبارکہ بھی وہیں نازل ہوئیں۔ (مؤلف)

﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ .... الخ ﴾

قریش اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے متمتع ہونے کے لیے اب وہاں واپس آ سکتے تھے نہ وہاں سے پانی حاصل کر سکتے تھے۔ (مؤلف)

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ .... الخ ﴾

جیسا کہ اس آیہ شریفہ سے ثابت ہوا اللہ تعالیٰ نے اس خشک وادی میں مسلمانوں کو نہ صرف باران رحمت سے سرفراز فرمایا تاکہ انہیں طہارت جسمانی حاصل ہو بلکہ ان کے باطن کو بھی پاکی بخشی' ان کے دلوں کو وسوسہ شیطانی اور دشمن کی کثرتِ تعداد کے خوف سے نجات دے کر انہیں سکون و اطمینان اور ہمت و شجاعت سے معمور فرمایا۔ (مؤلف)

اس کے بعد غزوۂ بدر کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے ارشاد ہوا:

﴿ اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ .... الخ ﴾

اسی آیت کے آخر میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ الخ ﴾

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے ہارون بن اسحٰق' مصعب بن مقدام' اسرائیل اور ابواسحٰق نے حارثہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آخر الذکر کی زبانی بیان کیا کہ:

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینے سے نکل کر قریش مکہ کے مقابلے کے لیے مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے جحفہ میں آ کر ٹھہرے تو اس خشک وادی میں اسی رات کو جس کی اگلی صبح غزوۂ بدر واقع ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل بھر گئے حتیٰ کہ جس شجر کے نیچے ہم نے اپنا خیمہ نصب کیا تھا وہاں بھی پانی بھر آیا تھا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ:

''اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری فرماتے ہوئے دعا کرتے رہے کیونکہ آپ کی نگاہوں کے سامنے یقیناً اگلی صبح کو غزوۂ بدر کا نقشہ تھا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ:

''اس رات کو آنحضرت کے علاوہ دوسرے سب لوگ بدر کے قریبی علاقے تک طویل سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے سو گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''غزوۂ بدر میں ہمارے پاس مقداد رضی اللہ عنہ کے علاوہ سواری کے لیے گھوڑا نہ تھا''۔

ہم اس روایت پر آگے چل کر ان شاء اللہ مفصل گفتگو کریں گے۔ (مؤلف)

یہ روایت نسائی نے بھی بندارؒ' غندرؒ اور شعبہؒ کے حوالے سے بیان کی ہے جب کہ اس سلسلے میں مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس رات کو بارش کی وجہ سے گرد وغبار بیٹھ گیا تھا اور صبح ہوتے ہوتے زمین نزہت وفرحت کا گہوارہ بن گئی تھی جس کی وجہ سے مسلم مجاہدین اور زیادہ ثابت قدم ہو گئے تھے۔ یہ رات ماہ رمضان کے پہلے عشرے کی شب جمعہ تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز پڑھتے اور سجدہ میں جا کر یا حی یا قیوم کا ورد فرماتے رہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بدر کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پڑاؤ کے بارے میں قبیلہ بنی سلمہ کے کچھ لوگوں سے گفتگو کی تھی اور انہوں نے خبّاب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کی زبانی بتایا کہ حبابؓ نے آپؐ سے عرض کی تھی:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کل قریش مکہ سے ہماری جنگ ہوئی تو اس کے لیے ہمارا یہاں قیام مناسب نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم میدان بدر کے پار پڑاؤ ڈالیں جہاں سے پانی قریب ہے' ہم اس پانی کی کافی مقدار کے لیے اپنے لشکر کے بیچوں بیچ ایک حوض بنالیں گے جس سے دشمن ایک قطرہ پانی نہ لے سکے گا۔ چنانچہ قریش سے مقابلے کے لیے ہماری یہ جنگی چال بہتر رہے گی''۔

اموی کہتے ہیں کہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کے جواب میں رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''تمہاری اس رائے میں شر پایا جاتا ہے''۔

اموی کے علاوہ جنہوں نے یہ روایت اپنے والد کے حوالے سے بیان کی ہے کلبی نے بھی ابی صالح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے بارے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ[1] فرما رہے تھے اور اس کے لیے لوگوں کو ترتیب بھی دے رہے تھے تو اس وقت جبریل علیہ السلام بھی آپ کی دائیں جانب کھڑے ہو گئے اور آپؐ سے عرض کیا:

''یا محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو مشورہ آپ کو حبابؓ بن منذر نے دیا ہے (وہ صائب ہے) اسی پر عمل کیجیے''۔

آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

''کیا آپؑ انہیں یعنی حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو جانتے ہیں''۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

''انہیں میں کیا سارے اہل آسمان جانتے ہیں' یہ واقعی بڑے صادق القول انسان ہیں' اس لیے یہ آپ کو شیطان کی طرح دھوکا نہیں دے سکتے''۔

جبرئیلؑ سے یہ سن کر آپؐ بہت مسرور ہوئے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں حباب بن منذر کے مشورے کے مطابق آگے بڑھ کر بدر میں پانی کے قریب پڑاؤ کا حکم دیا اور وہ وہاں پہنچ کر قلب لشکر میں ایک حوض بنا کر اسے پانی سے لبالب بھر دیا گیا۔

اموی کہتے ہیں کہ پہلے تو قریش مکہ بھی بدر میں پانی کے قریب تھے لیکن جب حباب بن منذر کے مشورے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو پہلے پڑاؤ سے رات ہی میں آگے بڑھ کر اگلے پڑاؤ کا حکم دیا اور وہاں حوض تیار کر کے اسے پانی سے بھر دیا گیا تو اگلی صبح قریش مکہ کے لیے پانی حاصل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ کو دیکھا جو اس بلند ٹیلے سے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے بدر کی طرف آگے بڑھ آئے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''یقیناً یہ قریش مکہ ہی ہیں''۔

پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

---

[1] یہ لفظ اصلین کی روایت میں تحریر کیا گیا ہے لیکن چونکہ اس حدیث کے بارے میں کوئی دوسری مستند روایت ہمیں معلوم نہیں ہو سکی' اس لیے ہم اپنی طرف سے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے۔ (مؤلف)

[2] اس عربی لفظ کے معنی ہلاکت بھی ہیں جو خشنی نے اپنی کتاب ''غریب السیرۃ'' میں لکھے ہیں (مؤلف)

''یا اللہ! یہ لوگ اتنا بڑا لاؤ لشکر لے کر اس پر فخر کرتے ہوئے یہاں آ پہنچے ہیں' یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تیری (واقعی) وحدانیت کی توہین کی تھی' تیرے رسول کو جھٹلایا تھا۔ لہٰذا اب تو اپنے اس بندے کی مدد فرما جس کی مدد کا تو نے وعدہ فرمایا ہے اور کل ان (متکبر) لوگوں کو نیچا کر دے''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی تشریحی ترجمہ)

ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس سے قبل وہ یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر چکے تھے کہ:

''بدر میں آپؐ کے لیے مچان کی طرح کا ایک محفوظ بلند مقام بنایا جائے گا جہاں سے آپؐ جنگ کا نظارہ فرما سکتے ہیں اور اگر آپؐ جنگ میں بہ نفس نفیس عملاً شرکت فرمانا چاہیں تو ہم آپؐ کے ساتھ ساتھ رہیں گے''۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ کلمات سن کر آپؐ نے ان کے اور دیگر مجاہدین کے لیے دعائے خیر فرمائی جس کے بعد آپؐ کے لیے منصوبے کے مطابق ایک بلند محفوظ جگہ بنا دی گئی۔

بہر کیف جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو نزدیک سے دیکھا تو آپ کو ان میں عتبہ بن ربیعہ بھی نظر آیا جو ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا جس سے بہتر ان لوگوں میں سے کسی کے پاس اونٹ نہیں تھا اور دوسرے لوگ اس کے اونٹ کے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ حدیث نبویؐ ہے جس میں آپ کی زبانی مزید بیان کیا گیا ہے کہ قریش کے ساتھ خفاف بن ایما بن رحضہ یا اس کا باپ ایما بن رحضہ غفاری بھی تھا جس نے قریش کے ساتھ ایک معاہدے کے مطابق اپنے دونوں بیٹوں کو ان کے ساتھ کر دیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ:

''اگر تم مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہو تو ہم بھی جان و مال سے تمہارے ساتھ ہیں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خفاف بن ایما بن رحضہ وغیرہ نے اس لیے بھی قریش کے ساتھ ہو کر اپنے بیٹے ان کے ساتھ کر دیئے تھے کہ اگرچہ قریش نے ان سے کہا تھا کہ وہ جنگ بدر میں (نعوذ باللہ) اس اللہ کو بھی قتل کر دیں گے جس کی توحید کا اور اس کی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ قریش کی طرف سے اچھے سلوک کے مستحق ہوں گے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''اگر قریش ہمارے ساتھ جنگ ہی پر تلے ہوئے ہیں تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سے کمزور نہیں ہیں' اس لیے ان کا مقابلہ کریں گے''۔

تاہم آپؐ نے ان کے پاس پہلے صلح کی گفتگو کا پیغام بھیجا تھا آدمی اس حوض سے زبردستی پانی لینے کے لیے بھیجے تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجبوراً حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا لیکن ان کے ساتھ حکیم بن حزام بھی آئے تھے جنہیں اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ وہ صدق دل سے مسلمان ہو گئے تھے اور بعد میں اسلام کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے' وہ جنگ بدر میں بھی قریش کے مقابلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دائیں جانب رہ کر مسلمانوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک

رہے اور پھر اسے عمر بھر اپنے لیے ذریعہ نجات کہتے رہے۔

جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کل تین سو تیرہ مجاہد تھے جن کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ واقعہ بدر کے بعد حسب موقع ایک اگلی فصل میں حروف تہجی کے لحاظ سے کریں گے۔ (مؤلف)

صحیح بخاری میں براء کی زبانی منقول ہے کہ ان سے جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ روز بدر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے علاوہ بدر کے قریب آباد قبیلہ طالوت کے دس آدمی بھی آکر ان میں شریک ہو گئے تھے لیکن ان کے لیے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائیں جو انہوں نے قبول کر لی تھی۔

بخاریؒ براء ہی کی زبانی یہ بھی لکھتے ہیں:

''میں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جنگ بدر میں ساتھ ساتھ تھے اور جہاں تک مجھے علم ہے اس میں مہاجرین کی تعداد ستر سے کچھ زیادہ تھی اور انصار کی تعداد دو سو چالیس سے کسی قدر زیادہ تھی''۔

صحیح بخاری کی اس روایت میں براء ہی کے بقول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز جمعرات کا دن اور ماہ رمضان کی ساتویں تاریخ تھی۔

اسی روز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (ﷺ) کو جب کہ آپؐ اسی بلند جگہ میں جو آپؐ کے لیے تیار کی گئی سو رہے تھے' آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد میں کمی اور دشمن کی کثرتِ تعداد کے بارے میں خواب دکھایا تھا اور اس کے فوراً بعد آپؐ پر یہ آیت نازل فرمائی تھی:

﴿ اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلًا .... الخ ﴾

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس خواب اور اس آیت کے نزول کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر جنگ نہ کریں لیکن جب قریش جنگ کے لیے صف بستہ ہو کر آگے بڑھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مسلمانوں کی صف اوّل میں تھے آپؐ سے عرض کیا کہ اگر آپؐ جنگ میں بہ نفس نفیس عملاً شرکت فرمانا چاہیں تو وہ بطور محافظ آپؐ کے ساتھ رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ تو آپ کو خواب میں دشمن کی تعداد کو پہلے ہی قلیل کر کے دکھا چکا تھا' اس لیے آپؐ بالکل مطمئن تھے۔

یہی روایت اموی کی بھی ہے اور واقعی بڑی غریب و نادر ہے۔ (مؤلف)

اسی روز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ .... الخ ﴾

ان فریقین کا مقابلہ ہی کیا ہے جن میں سے کثیر تعداد والے فریق کی تعداد کو اللہ تعالیٰ گھٹا کر اور قلیل تعداد والے فریق کی تعداد کو اپنی قدرت سے بڑھا کر دکھائے۔ اسی وجہ سے مندرجہ بالا آیہ شریفہ اور مندرجہ ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں جو سورۂ آل عمران میں درج ہے:

﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا الخ ﴾

جیسا کہ مندرجہ بالا آیہ شریفہ سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے حق پرور رسول (ﷺ) کی کامیابی کے لیے غزوۂ بدر میں اپنی قدرت کاملہ کا جو کرشمہ دکھایا وہ درحقیقت محاربات کے سلسلے میں منطقی اصول پر مبنی تھا یعنی جب جنگی فریقین میں سے اس فریق کو جسے اپنی کثرت تعداد اور جنگی ساز و سامان پر ناز ہو اور اس کی وجہ سے اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو تو اس کے علی الرغم جب اسے اپنے مدمقابل کی تعداد اپنے جنگجو افراد کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نظر آنے لگے تو اس پر اس کا اثر پڑنا اور اس کے اعتماد کا متزلزل ہو جانا فطری ہے دوسری طرف جنگ کے موقع پر اس فریق کو جسے اپنی قلت تعداد کے علاوہ اپنے جنگی ساز و سامان میں کمی کی وجہ سے دشمن کے مقابلے میں اپنی شکست کا اندیشہ ہو لیکن اسے اپنی تعداد یک بیک دشمن کی تعداد سے بھی زیادہ نظر آنے لگے تو اس کی دل جمعی اور ثابت قدمی میں اضافہ ہو جانا بھی اصول فطرت کے عین مطابق ہے۔ جن راویوں نے غزوۂ بدر میں مسلم مہاجرین کی تعداد پہلے صرف ستر سے زیادہ بتائی تھی وہ بھی مسرت آمیز حیرت کے ساتھ آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ انہیں میدان جنگ میں ان کی تعداد سینکڑوں افراد پر مشتمل نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت میں ﴿ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَآءُ ﴾ کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ﴿ إِنَّ فِي ذَالِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴾ یعنی اس میں اہل نظر کے لیے سامان عبرت (پوشیدہ) ہے۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں مندرجہ ذیل آیات کی صراحت کرتے ہوئے عرض کیا بالکل وہی بات اسرائیل نے ابن اسحٰق اور ابی عبید اور عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی ہے اسرائیل نے اپنی اس روایت میں عبداللہ کا قول پیش کرتے ہیں جنہوں نے بتایا:

''پہلے مجھے مسلمانوں کی قلت تعداد کا اندازہ تھا لیکن جنگ بدر میں جب میں نے جنگ کرتے ہوئے صرف مہاجرین کو دیکھا تو میں نے سوچا کیا ان کی تعداد فقط ستر ہو سکتی ہے کیونکہ ان کی تعداد کئی سو نظر آ رہی تھی' یہی بات میرے ایک ساتھی نے بھی بتائی''۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابی اسحٰق بن یسار وغیرہ جیسے صاحب علم اور انصار کے کچھ شیوخ نے بتایا کہ جب قریش مکہ بدر کے نزدیک آ کر ٹھہرے تھے تو انہوں نے اپنے مقابل مسلمانوں کی تعداد کا پتہ لگانے کے لیے عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا تھا اور اس نے واپس جا کر انہیں بتایا تھا کہ ان کی تعداد کم و بیش تین سو ہو گی لیکن اس کے بعد اس نے ان سے کہا تھا:

''ٹھہرو میں پھر دیکھ کر آتا ہوں کہ کہیں کچھ اور لوگ ان کی مدد کے لیے بطور کمک ان کے پیچھے نہ آ رہے ہوں''۔

چنانچہ وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف آیا اور اس کے چاروں طرف چکر لگانے کے بعد اس نے قریش کو جا کر بتایا' ان کے پیچھے نزدیک و دور تو کوئی انسانوں کی جماعت تو ہے نہیں' البتہ میں نے ستاروں کی ہلکی روشنی میں کچھ علم چمکتے ضرور دیکھے ہیں لیکن مجھے علمبردار نظر نہیں آئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلائیں ہوں گی۔ تاہم مسلمان جتنے بھی ہیں وہ قصداً موت کے منہ میں آ گئے ہیں' اس لیے اب ان کی پناہ ان کی تلواریں ہی ہو سکتی ہیں لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کا کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہو سکتا جب تک وہ تمہارا ایک آدمی قتل نہ کر لے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان سب کو قتل بھی کر ڈالو تو اس

وقت تک تمہارے بھی اتنے ہی آدمی لڑائی میں کام آ چکے ہوں گے اب تمہاری جو رائے ہو وہ کرو۔

جب حکیم بن حزام نے عمیر بن وہب کی سے یہ بات سنی تو وہ اپنے ساتھ کچھ اور لوگ لے کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور اس سے کہا:

''اے ابوالولید! تم قریش کے سرداروں میں سے ہو اور وہ سب تمہارا کہا مانتے ہیں' اس لیے تم کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے قریش کا نام رہ جائے''۔

عتبہ نے پوچھا:

''تمہارے خیال میں ایسی کوئی تدبیر ہے؟''۔

عمیر بن وہب نے کہا:

''بہتر یہ ہے کہ ہم تو اپنے لوگوں کو لے کر لوٹ جائیں اور مسلمانوں سے نمٹنے کا معاملہ اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کے قبیلے پر چھوڑ دیں''۔

عتبہ بن ربیعہ عمیر سے یہ سن کر بولا:

''عمرو بن حضرمی زبانی اور عقلی حد تک ہمارا حلیف ہے۔ اس لیے جان و مال کی بات درمیان میں آئی تو کنا کاٹ جائے گا''۔

عتبہ بن ربیعہ کی یہ بات سن کر عمیر بن وہب نے یہی مشورہ ابن حنظلیہ کو دیا جو اس کے نزدیک قریش کے معاملات طے کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے اٹھ کر کہا:

''اے اہل قریش! اگر یہ صرف دین و مذہب کا معاملہ ہے تو اس میں ہم قریش ہی نہیں سارے اہل عرب شریک ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مقابل جو لوگ ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو آپس میں چچا زاد' خالہ زاد یا ماموں زاد ہیں اور وہ سب کے سب قریش کے علاوہ عرب کے کسی نہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر ان میں سے کوئی بھی قتل ہوا تو عرب کی روایات کے مطابق یہ معاملہ صرف دین و مذہب کا نہیں رہے گا بلکہ اس سے سارے عرب میں انتقامی جذبات ابھر آئیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کو مسلمانوں سے اتنی نفرت ہے بلکہ اس سے سارے عرب میں انتقامی جذبات ابھر آئیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کو مسلمانوں سے اتنی نفرت ہے کہ آپ ان میں سے کسی کی صورت تک دیکھنا پسند نہیں کرتے اور ہر وقت ان کے خون کے پیاسے رہتے ہیں لیکن فی الحال میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم چپ چاپ لوٹ جائیں اور دین و مذہب کا معاملہ جملہ اہل عرب اور محمد (ﷺ) کے درمیان چھوڑ دیں' پھر وہ جانیں اور ان کا کام یعنی وہ آپس میں خود نمٹتے رہیں۔ البتہ ہم اتنا ضرور کریں کہ سارے اہل عرب کے دینی و مذہبی جذبات مسلمانوں کے خلاف ابھار کر انہیں ان سے ہمہ وقت لڑائی پر آمادہ کرتے رہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کا اصل مقصد بھی یہی ہے''۔

عتبہ بن ربیعہ کی یہ لمبی چوڑی تقریر سننے کے بعد ابوجہل جل بھن کر غصے سے بولا۔

''عتبہ نے جو یہ مشورہ دیا ہے وہ اس کے عین مطابق ہے جو محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی چا... بس اس کی وجہ یہ ہے کہ خود عتبہ کا بیٹا مسلمانوں میں شامل ہو چکا ہے اور اس وقت ان کے ساتھ ہے یا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ محمد (ﷺ) نے اس پر کوئی جادو کر دیا ہے' ہماری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم لڑائی سے ہرگز منہ نہ موڑیں''۔

عتبہ بن ربیعہ کو ابوجہل کی یہ بات سن کر غصہ تو بہت آیا لیکن وہ اس وقت اس مجلس مشاورت سے اٹھ کر چلا گیا اور ایک انڈا توڑ کر غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے سر پر ملا۔ وہ چاہتا تھا کہ بہت سے انڈے جمع کر کے اس طرح قریش کے سروں کی گرمی دور کرنے کے لیے انہیں بھیجے لیکن قریش کے لشکر میں اسے اتنے انڈے شاید دستیاب نہ ہو سکے۔

ابن جریر سعد بن عبدالملک اور ان کے باپ کے حوالے سے سعید بن میبّ کی یہ روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسی رات کو قریش کی اس مجلس مشاورت کے بعد حکیم بن حزام مروان بن حکم کے پاس پہنچے تھے اور جب مروان نے جنگِ بدر کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی تھی تو انہوں نے اس سے وہی کہا تھا جو وہ پہلے اس کے متعلق عتبہ بن ربیعہ سے کہہ چکے تھے اور ان کی رائے سن کر مروان اور ان لوگوں نے جن میں سعید بن میبّ بھی شامل تھے ان کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسے صائب ٹھہرایا تھا بلکہ عتبہ بن ربیعہ کی تقریر کے حرف حرف سے پورا اتفاق کیا تھا بلکہ نہ صرف عمرو بن حضرمی کا پورا قبیلہ عتبہ کی تقریر سن کر واپس چلا گیا تھا کچھ قریش بھی مکے کو لوٹ گئے تھے لیکن ابوجہل پھر بھی اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس نے مروان کے بارے میں جب یہ سنا کہ اس نے بھی عتبہ بن ربیعہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے تو اس نے اپنے ارادے کی پختگی کا اظہار کرنے کے لیے اٹھ کر اپنی تلوار خود اپنے گھوڑے کے پیٹ میں گھسیڑ دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی کچھ بھی کہے وہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف جنگ سے باز نہیں رہے گا۔

ابن جریر نے سعید بن میبّ کے حوالے سے مذکورہ بالا روایت پیش کرتے ہوئے انہیں کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ بدر میں صبح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں خود ترتیب دیں اور ہر صف کے درمیان سے گزرتے فرمایا:

''(مجھے معلوم ہے کہ) تم سب لوگ (دل و جان سے) میرے ساتھ ہو''۔ (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

امام احمدؒ نے اس روایت کے آخری حصے کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر کے لیے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں بہ نفس نفیس ترتیب دے کر ان سے فرمایا تھا کہ ''تم میرے ساتھ رہنا' میرے ساتھ رہنا'' اور اس کے بعد خود صف اوّل سے آگے تشریف لے گئے تھے بطور خاص پیش کیا ہے جو معتبر ترین روایت ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے حبان بن واسع بن حبان نے اپنے قبیلے کے کچھ بزرگوں کی زبانی بیان کیا کہ جب غزوۂ بدر کے روز نبی کریم ﷺ مسلمانوں کی صفیں جنگ کے لیے ترتیب دے رہے تھے تو آپؐ نے دیکھا کہ سواد بن غزیہ جو بنو نجار میں بنی عمی کے حلیف تھے اپنی صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے کھڑے تھے چنانچہ آپؐ نے اس پیالے سے جو اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں

تھا ان کے پیٹ پرضرب لگا کر انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی صف کے برابر کھڑے ہوں۔ اس کے جواب میں سواد بن غزیہ نے مؤدب ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور بہت کچھ جانتے ہیں لیکن شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میرے پیٹ پر زخم ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے آپ کو اپنے پیٹ سے کرتہ ہٹا کر دکھایا تو واقعی ان کے پیٹ پر کافی گہرا زخم تھا جس سے یقیناً انہیں بہت تکلیف ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا:

''تم ایسی حالت میں یہاں کیوں آ گئے ہو؟''۔

اسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپؐ کے اور اسلام کے لیے تو میری جان تک حاضر ہے' پھر میں اس معمولی زخم کی وجہ سے اس قربانی میں دوسرے مجاہدین سے کس طرح پیچھے رہ سکتا تھا؟''۔

ان سے یہ سن کر آپؐ نے ان کے اس جذبے پر انہیں بہ نگاہ ترحم دیکھا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے عوف بن حارث کے حوالے سے جو ابن عفراء کے نام سے مشہور ہیں بیان کیا کہ انہوں نے ایک روز مدینے میں نبی کریم (ﷺ) سے دریافت کیا۔

یارسول اللہ (ﷺ) غزوۂ بدر میں آپ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کس کے عمل نے سب سے زیادہ خوش کیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اس شخص کے عمل نے جسے دشمنوں نے ہر طرف گھیرے میں لے کر اور بے دست و پا کر کے قید کر لیا تھا لیکن ان میں سے ایک نے جو اس کا پہرے دار تھا جونہی پیٹھ موڑی اس نے اس کی تلوار بجلی کی پھرتی سے چھینی اور اسے قتل کرنے کے بعد خود بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوا''۔ (حدیث کا مفہوی ترجمہ۔ مؤلف)

ابن اسحٰق اپنی مندرجہ بالا روایت میں غزوۂ بدر کے کوائف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے اس روز جنگ کے لیے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں درست کر لیں تو آپؐ اس عریش میں تشریف لے گئے جو آپؐ کے لیے تیار کیا گیا تھا اور وہاں آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں گیا۔ البتہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس کے دروازے پر برہنہ شمشیر لے کر کچھ دوسرے انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھڑے پہرہ دیتے رہے تاکہ دشمن آنحضرت ﷺ پر موقع دیکھ کر کسی طرف سے حملہ نہ کر سکے۔ ویسے اس عریش کا ایک ہی دروازہ تھا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے مدینے واپسی تک بطور محافظ آپؐ کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔

بزارؒ اپنی مسند میں محمد بن عقیل کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے حاضرین سے پوچھا: ''کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم میں

سب سے زیادہ بہادر کون ہے'' (یا تھا) لوگوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا: ہم میں سب سے زیادہ بہادر یا امیر المومنین آپ ہیں''۔ لوگوں کا یہ جواب سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم میں سب سے زیادہ بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کے مقابلے میں میں کبھی ان سے آدھی شجاعت کا مظاہرہ بھی نہ کر سکا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے دریافت فرمایا: ''کیا آل فرعون میں جو واحد مومن گزرا ہے اسے (فرعون کی دہشت کے پیش نظر) ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر کہہ سکتے ہو؟''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر حاضرین خاموش رہے تو انہوں نے خود ہی فرمایا: آل فرعون کا وہ واحد مومن ہی کیا تمام روئے زمین پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر کوئی نہیں ہوا نہ ہو گا کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار ثور میں شب و روز دشمنوں میں محصور رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح ساتھ دیا اس کی کوئی مثال دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔ اس کے علاوہ غزوۂ بدر میں جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تشریف فرما رہے ابوبکر ہی آپ کے پیچھے شمشیر برہنہ لے کر بطور محافظ کھڑے رہتے تھے اور جب میدان جنگ میں قریش نے یہ کہتے ہوئے کہ ''تم ہی اللہ کی وحدانیت اور اس کی طرف سے خود کو نبی کہتے ہو''۔ آپ کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کی تو وہاں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے انہیں للکار کر کہا کہ ''کیا تم اس (سچے) شخص کو جو خدا کو واحد کہتا ہے قتل کرنے کی جرأت کر سکتے ہو؟ اور یہ کہہ کر دشمنوں سے جہاد میں مصروف ہو گئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کا بطور آپ کے ذاتی محافظ کے پورا پورا حق ادا کر دیا''۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گفتگو فرماتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک اور وہ چادر جو وہ اس وقت اوڑھے ہوئے تھے آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔

بزارؒ اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ ہمیں آج تک کوئی ایسا راوی نہیں ملا نہ ہم کسی ایسے راوی کو جانتے ہیں جس نے اس روایت کو اسی انداز میں بیان نہ کیا ہو۔

سہیلی نے قاسم بن ثابت کے حوالے سے غار ثور کی روایت پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں گریہ زاری کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے کہ اگر اس نے آپ کو ہلاک کر دیا تو پھر روئے زمین پر اس کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا اور یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ حسب وعدہ اس وقت آپ کی مدد فرمائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی ردائے مبارک جو بحالت گریہ وزاری آپ کے شانوں سے ڈھلک ڈھلک جاتی تھی دوبارہ آپ کے شانوں پر ڈال کر آپ سے عرض کرتے جاتے تھے کہ:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا''۔

سہیلی اس روایت کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رقیق القلب ہونے کے علاوہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جاں نثاری کی حد تک شفقت فرماتے تھے۔

بہر کیف غزوۂ بدر میں بھی ایسے فریقین کا مقابلہ تھا جن میں سے ایک شیطانی راہ پر چل رہا تھا اور دوسرا خالق کائنات کا مطیع و فرماں بردار تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔

مشرکین میں اس روز جو سب سے پہلے قتل ہوا وہ اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ شخص انتہائی بدخلق اور پیدائشی کریہہ المنظر تھا۔ وہ مشرکین قریش سے یہ کہہ کر ان کے لشکر سے روانہ ہوا تھا کہ خود خالق کائنات کے ساتھ اس کا یہ معاہدہ ہوا ہے کہ بدر میں مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے اور لانے والا وہی ہوگا لیکن پہلے ہی قدم پر اس کی بدبختی سے ایک جھاڑی اس کے راستے میں حائل ہوگئی جس کے کانٹوں سے اس کی پشت پر ایسی گہری خراش پڑی جس سے خون بہتا ہوا اس کے ٹخنے تک آ گیا۔ بہر حال اس جھاڑی سے پیچھا چھڑاتے ہوئے وہ ہمت کر کے آگے حوض کی طرف بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا داہنا پہلو بالکل محفوظ ہے لیکن اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی تاک میں تھے جب وہ حوض پر پہنچ کر اس سے پانی لینے کے لیے جھکا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جو اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے اس پر ایسی ضرب لگائی کہ ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ ہوگیا اور وہ حوض ہی اس کی قبر بن گئی جس سے سب سے پہلے اسے پانی پلانے کا اس کے بقول خود خدا نے اس سے وعدہ کیا تھا۔

غزوۂ بدر کا ذکر کرتے ہوئے اموی کہتے ہیں کہ قریش کی طرف سے اس میں شجاعت کے اظہار کا شوق سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ ہی کو چرایا۔ چنانچہ وہ میدان بدر میں مشرکین مکہ کی صفوں سے نکل کر اس طرح آگے آیا کہ اس کے ایک طرف اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ تھا اور دوسری طرف اس کا بیٹا ولید تھا۔ اس نے آگے آ کر قدیم جنگوں کے قاعدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے مبارز طلب کیے تو ادھر سے ان کے مقابلے کے لیے تین افراد نکلے۔ وہ عوف' معاذ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم تھے۔ عوف اور معاذ رضی اللہ عنہما کی ماں کا نام صفراء تھا۔ عبداللہ بن حارث کے بارے میں بھی پہلے بتایا جا چکا ہے۔

جب یہ تینوں اسلامی صفوں سے نکل کر عتبہ بن ربیعہ کے سامنے آئے تو اس نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے اپنے نام بتا کر کہا کہ ان کا تعلق انصار مدینہ سے ہے۔ ان کی زبان سے یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ ہمیں تم سے غرض نہیں ہے پھر بلند آواز سے آنحضرت (ﷺ) کو یوں مخاطب کیا: ''اے محمد! (ﷺ) ہمارے مقابلے کے لیے ہماری قوم اور ہماری کف کے لوگوں کو بھیجو''۔ چنانچہ آپؐ نے قریش کے مذکورہ بالا افراد کے مقابلے کے لیے عبیدہ بن حارث' حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو نام بنام آواز دے کر بھیجا۔

اموی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو قریش مکہ کے مقابلے کے لیے مذکورہ بالا انصار کا بھیجا جانا یا ان کا جوش شجاعت میں خود چلے جانا پہلے ہی ناپسند تھا کیونکہ ان کا قریش سے مقابلہ کا یہ پہلا موقع تھا اور آپؐ ان کے مقابلے کے لیے اپنے ان تین قریب ترین عزیزوں کو بھیجنا بہتر خیال فرماتے تھے۔

جب یہ تین حضرات اپنی صفوں سے نکل کر آگے آئے تو عتبہ بن ربیعہ نے ان سے بھی پوچھا: ''تم کون ہو؟'' کیونکہ قریش کے ان تینوں مبارزت کے طالب لوگوں میں سے کوئی بھی انہیں تبدیلی لباس اور مسلح ہونے کی وجہ سے پہچان نہ سکا تھا لیکن جب انہوں نے یکے بعد دیگرے اپنے نام عبیدہ' حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم بتائے تو عتبہ بولا:

''ہاں تم تینوں یقیناً ہمارے قابل احترام کف کے لوگ ہو''۔

پہلے عبیدہؓ عتبہ کے سامنے آئے جو ان کی قوم کا ایک فرد تھا۔ پھر حمزہ اور علی رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے شیبہ اور ولید کے مقابل آئے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کرنے میں تاخیر نہیں کی جب کہ عبیدہ اور عتبہ دو دو ضرب بات کے تبادلے کے بعد اپنے اپنے ساتھیوں کو بچانے کی فکر میں لگ گئے لیکن حمزہ و علی رضی اللہ عنہما اپنی اپنی تلواریں لے کر عتبہ کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کی طرف مڑے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے اپنے ساتھی عبیدہ کی طرف پھینک دیا۔

صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ابی مجاز کا بیان قیس بن عباد اور ابی ذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی ذر رضی اللہ عنہ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ آیت قرآنی: ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ حمزہ رضی اللہ عنہ وعتبہ کے بارے میں یہ بتانے کے لیے اتری تھی کہ روز بدر ان دونوں کی باہمی دشمنی اور جنگ صرف اپنے اپنے معبود کے بارے میں تھی: بخاریؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی شان نزول یہی بیان کی ہے۔

بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے حجاج بن منہال نے اور ان کے علاوہ معتمر بن سلیمان نے اپنے والد کی زبانی ابو مجاز کی یہ روایت قیس بن عباد کے حوالے سے بیان کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا:

''میں قیامت میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اپنے پروردگار کے سامنے دشمنوں سے اپنی دشمنی کا سبب بیان کرنے کے لیے حاضر ہوگا''۔

قیس کہتے ہیں کہ آیہ شریفہ ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ انہی اسباب کے سلسلے کی ایک کڑی بن کر نازل ہوئی تھی جو بدر کے روز علی و حمزہ رضی اللہ عنہما اور عتبہ و شیبہ اور ولید بن عتبہ کے درمیان دشمن کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے یعنی ایک طرف علی و حمزہ و عبیدہ رضی اللہ عنہم اپنے پروردگار کے لیے اور دوسری طرف عتبہ و شیبہ اور ولید بن عتبہ اپنے معبودوں کے لیے دشمنوں کی طرح جنگ کر رہے تھے۔

بخاریؒ نے اس روایت کو بطور خاص پیش کیا ہے۔ ہم اس آیہ شریفہ کی شان نزول اور وقتِ نزول کے بارے میں اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ (مؤلف)

اموی کہتے ہیں کہ ان سے معاویہ بن عمرو نے ابی اسحٰق' ابن مبارکؒ، اسماعیل بن ابی خالد اور عبداللہ البہقی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنگِ بدر میں عتبہ' شیبہ اور ولید کا بالترتیب حمزہ' عبیدہ' اور علی رضی اللہ عنہم سے مقابلہ ہوا۔ پہلے عتبہ نے ان مجاہدین کے نام پوچھے تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں خدا اور خدا کے رسول کا شیر ہوں' میرا نام حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہے''۔

اس پر عتبہ بولا:

''تم واقعی ہمارے محترم کف سے تعلق رکھتے ہو''۔

علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرا نام عبداللہ ہے اور میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھائی ہوں''۔

آخر میں عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بتایا ''میں ان دونوں کا حلیف ہوں''۔

اس کے بعد فریقین میں جنگ ہونے لگی اور مشرکین مکہ کے تینوں جنگجو قتل ہو گئے۔

اموی اپنی اس روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کے ان تینوں مبارزین کا مرثیہ ہند نے کہا تھا جس نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ ہند کے مذکورہ بالا مرثیہ کے چند اشعار بعض عرب مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل بھی کیے ہیں۔

عبیدہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام عبیدہ ابن حارث بن مطلب بن عبد مناف تھا (مؤلف) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع نے غزوہ بدر ہی میں دور سے تیر مار کر شہید کر دیا تھا اور وہ غزوۂ بدر میں شہید ہونے والے پہلے مسلمان تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر نبی کریم ﷺ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے ان کا سر پکڑ کر ان کا منہ اوپر اٹھایا اور انہیں بہ نگاہ شفقت واحترام[1] دیکھا پھر انہیں لٹا دیا تو اٹک اٹک کر اور آہستہ آہستہ بولے:

''کاش مجھے آج ابو طالب دیکھ سکتے جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں حق پر تھا اور حق ہی کے لیے جان دوں گا۔ آج ان کی وہ پیشگوئی بفضل خدا پوری ہوئی''۔

اتنا کہہ کر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے درجہ شہادت پایا''۔

وفات کے وقت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا منہ نبی کریم ﷺ کے قدموں کی طرف تھا۔

ابن اسحٰق اپنی مذکورہ روایت میں امام احمد کی طرح مزید کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں سب سے پہلے شہید ہونے والے مجاہد عبیدہ رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کے بعد شہادت پانے والے مجاہد بنی عدی بن نجار کے ایک شخص حارثہ بن سراقہ تھے۔ انہیں بھی دور سے تیر مار کر شہید کیا گیا تھا جب وہ حوض سے پانی پی رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹے تھے لیکن راستے ہی میں گر کر وفات پا گئے تھے۔

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حارثہ بن سراقہ میدان جنگ کی طرف آ رہے تھے کہ انہیں مغرب کی طرف سے ایک تیر آ کر لگا جس کے کاری ومہلک زخم سے وہ فوراً ہی وفات پا گئے۔

اسی روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ حارثہ بن مراقد کی والدہ غزوہ بدر میں ان کی شہادت کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے دریافت کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) کیا میرا بیٹا مر کر جنت میں گیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کر لوں گی لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کے علاوہ کسی اور جگہ رکھا ہے تو فرما دیجیے کہ وہ کون سا مقام ہے؟''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سیرت حلبیہ میں فاشرعہ رسول اللہ کی جگہ فافرشہ (لٹایا) لکھا ہے۔ (مؤلف)

''اے بے وقوف عورت! افسوس تو کیسی باتیں کرتی ہے' تیرا بیٹا اس وقت جنت میں سے بلکہ جنت کے اعلیٰ ترین مقام میں ہے''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ

''جب تک انہیں حکم نہ دیا جائے وہ شہداء کی لاشیں میدان سے اٹھا کر اپنی طرف نہ لائیں لیکن دشمن کا کوئی شخص کسی مجاہد کی لاش اٹھانے کی کوشش کرے تو اسے تیر چلا کر اس سے دور رکھا جائے نیز یہ کہ ہماری طرف سے تیراندازی میں دشمن پر سبقت ہوتی رہے''۔

صحیح بخاری میں یہ روایت اور حدیث نبوی ابی اسید کے حوالے سے انہی الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔(مؤلف)

بیہقی' حاکم' اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس بن بکیر اور ابی اسحٰق کے حوالے سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کرتے ہوئے کہ غزوۂ بدر میں نبی کریم ﷺ نے مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو یا عبدالرحمٰن کہہ کر بلائیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اس کے علاوہ جنگ کے وقت ان کا نعرہ ''احد احد'' تھا[1] جسے انہوں نے مرتے مرتے حرز جاں بنا رکھا تھا۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مختلف قبائل کے لوگوں کی پہچان کے لیے انہیں مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا مثلاً: مہاجرین کو یا بنی عبدالرحمٰن' قبیلہ خزرج کے لوگوں کو یا بنی عبداللہ اور قبیلہ اوس کے لوگوں کو یا بنی عبیداللہ کہہ کر آواز دی جاتی تھی اور مجاہدین کے پورے گروہ کو خیل اللہ کہا جاتا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نعرہ ''احد احد'' تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عریش[2] میں جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بطور محافظ کھڑے رہتے تھے اللہ تعالیٰ سے اسلام کی فتح اور مسلمانوں کی امداد کے لیے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں فرمایا ہے دعا فرما رہے تھے:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ .... الخ ﴾

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں ابونوح قراد اور عکرمہ بن عمار نے سماک حنفی ابوزمیل کے حوالے سے بتایا کہ آخرالذکر یعنی سماک حنفی ابوزمیل سے ابن عباس اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ غزوۂ بدر کے روز جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد پر نظر ڈالی تو ان کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے مشرکین کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر آپؐ قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے جو یہ تھی:

اللّٰهم ان تهلک هذه العصابة من اهل الاسلام فلا تعبد بعد فى الارض ابداً.

---

[1] یاد رہے کہ جب کفار مکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برساتے تھے یا انہیں جلتی ریت پر پیٹھ کے بل لٹا کر ان کے سینے پر تپتے ہوئے گرم پتھر رکھتے تھے تو وہ بھی اس وقت ''احد، احد'' ہی کہتے رہتے تھے۔(مترجم)

[2] یہاں بلند جگہ پر چاروں طرف سے گھرا ہوا سائبان مراد ہے۔(مترجم)

آپؐ نے اسی طرح بارگاہِ رب العزت میں اتنی دیر تک مسلسل مناجات کی کہ حد درجہ الحاح وزاری سے آپ کی ردائے مبارک شانوں سے ڈھلک گئی۔ یہ دیکھ کر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے جو بطور ذاتی محافظ آپؐ کے پس پشت برہنہ شمشیر لیے ایستادہ تھے آپ کی ردائے مبارک آپؐ کے شانوں پر دوبارہ ٹھیک کرتے ہوئے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ کی اتنی ہی التجا بارگاہِ الٰہی میں کافی ہوگی اور اللہ تعالیٰ آپ کی حسب وعدہ مدد فرمائے گا''۔

چنانچہ اس کے فوراً بعد یہ آیہ شریفہ آپؐ پر نازل ہوئی:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ .... الخ ﴾

ہم مندرجہ بالا حدیث اور آیت قرآنی کی مکمل تفسیر ان شاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ (مؤلف)

مسلم‘ ابوداؤد اور ابن جریر کے علاوہ عکرمہ بن عمار یمانی کی بیان کردہ ایسی ہی ایک روایت کو علی بن مدینیؒ اور ترمذیؒ نے بھی صحیح روایت قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک کے سوا کئی دوسرے ثقہ راویوں نے ابن عباس‘ السدی اور ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے مذکورہ بالا روایت پیش کرتے ہوئے اس میں مندرجہ بالا آیت قرآنی کی شان نزول کے بارے میں وہی کہا ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا روایت میں آچکا ہے یعنی یہ آیت غزوۂ بدر کے دن نبی کریم ﷺ کی دعا کے فوراً بعد اتری تھی۔

اموی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ غزوۂ بدر کے دن آپؐ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی امداد کے لیے گڑگڑا کر التجا کر رہے تھے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے علاوہ اپنے دوسرے حق پرست بندوں کی دعا بھی قبول فرمائی تھی جس کا ثبوت مذکورہ بالا آیہ شریفہ میں لفظ ''لفنتکم'' سے ملتا ہے۔ یہ الفاظ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے عوفی کے ہیں۔

جہاں تک مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں لفظ ''مردفین'' کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنے فضل وکرم سے جو ایک ہزار فرشتے بھیجے وہ مختلف گروہوں میں منقسم تھے اور ہر گروہ پر ایک فرشتہ متعین تھا لیکن بعض راویوں نے ''مردفین'' سے مراد صف بہ صف لی ہے اور بعض نے انہیں قطار در قطار ایک کے پیچھے ایک بتایا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس آیت میں لفظ ''مردفین'' کی قرأت میم پر زبر کے ساتھ فرشتوں کی صف بستگی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

علی بن ابی طلحہ والبی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کے بقول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنین کی التجا کے جواب میں جو ایک ہزار فرشتے بھیجے تھے ان میں سے پانچ سو کی جماعت حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک جانب تھی اور پانچ سو فرشتوں کی دوسری جماعت حضرت میکائیل کے ساتھ مومنین کے دوسری جانب تھی اور یہی سب سے زیادہ مشہور روایت ہے لیکن ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے مثنیٰ‘ اسحاق‘ یعقوب بن محمد زہری‘ عبدالعزیز بن عمران نے ربعی‘ ابی حویرث‘ محمد بن جبیر اور علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتے لے کر ہمارے لشکر کے میمنہ میں اترے جس میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تھے۔ پھر میکائیل ہزار فرشتوں کو لے کر مجاہدین کے میسرہ میں اترے جس طرف میں تھا''۔

1

بیہقی نے اپنی کتاب ''الدلائل'' میں محمد بن جبیر اور علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکورہ بالا روایت میں یہ اضافہ کیا ہے:

''اور اسرافیل بھی ایک ہزار فرشتے لے کر بدر کے میدان میں اترے اور اس طرح خود کفار سے جنگ میں مصروف ہوئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ انہوں نے لمحہ بھر میں اتنے کفار قتل کیے کہ ان کا دامن بھی خون سے رنگین ہو گیا''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ اس روایت کی رو سے غزوۂ بدر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی امداد کے لیے آسمان سے نازل ہونے والے فرشتوں کی مجموعی تعداد تین ہزار ہوتی ہے لیکن یہ روایت بڑی عجیب اور مندرجہ بالا دوسری متعدد مستند روایات کے برعکس ضعیف ہے اور جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا آیت قرآنی میں جو اس واقعہ سے متعلق ہے الفاظ ﴿بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ میں ''مردفین'' کے میم کو بالفتح پڑھا جائے تو فرشتوں کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے زیادہ آگے نہیں بڑھتی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں حاکم' اصم' محمد بن سنان القزاز' عبیداللہ بن عبدالمجید ابوعلی حنفی' عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن موہب' اسماعیل بن عوف بن عبیداللہ بن ابی رافع نے عبداللہ بن محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی عبداللہ بن محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد اور دادا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جب غزوۂ بدر میں کچھ کفار کو قتل کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں سر رکھے ''یا حی یا قیوم' یا حی یا قیوم'' کا ورد فرما رہے ہیں اور اس سے زیادہ کوئی لفظ آپ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں دوبارہ میدان جنگ میں چلا گیا اور جب پھر وہاں سے آپ کی طرف لوٹ کر آیا تو میں نے پھر وہی دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور ''یا حیی یا قیوم' یا حیی یا قیوم'' کا ورد فرما رہے ہیں جس کے سوا اس وقت بھی میں نے آپ کی زبان مبارک سے نہیں سنا۔ اس کے بعد تیسری بار جب میں میدان جنگ سے آپ کی طرف لوٹ کر آیا اور اس وقت بھی آپ سجدہ میں تھے اور وہی الفاظ زبان مبارک پر تھے اور آپؐ نے اس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھایا جب تک مسلمانوں کو کفار پر مکمل فتح حاصل نہیں ہوئی۔ یہی روایت نسائی نے غزوۂ بدر سے پہلی رات اور غزوہ بدر کے دن کے بارے میں بندار' عبیداللہ بن عبدالمجید ابی علی حنفی کے حوالے سے من وعن یہی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے سلسلے میں بیان کی ہے۔

اعمش نے بھی ابی اسحاق' ابی عبیدہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روز بدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس روز آپؐ اللہ تعالیٰ کے حضور مسلسل یہی عرض کرتے رہے: **اللّٰھم انی انشرک مھدک و وعدک** ...... **الخ** (یا اللہ میں تجھ سے تیرا وعدہ پورا کرنے کی التجا کرتا ہوں' یا اللہ اگر تو نے (مسلمانوں کی) اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر (روئے زمین پر) تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا)

متعدد دوسری مستند روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ کفار پر مسلمانوں کی فتح کے بارے میں اللہ کے وعدے پر مشتمل آیات مکہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن ان میں جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا تھا اس کا ظہور غزوۂ بدر کے روز آپ کی مسلسل دعا کے بعد اس وقت ہوا جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے آپ کو کفار پر مسلمانوں کی مکمل فتح کا مژدہ

سناتے ہوئے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) سجدے سے سر اٹھائیے' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے (سجدے سے سر اٹھا کر) فرمایا:

''(الحمدللہ) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تمہیں اور تمہارے ساتھ سارے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی (بروقت) امداد مبارک ہو' میں اس وقت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں کو خلاء میں آسمان کی طرف پرواز کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں''۔

(حدیث کا مفہومی وتشریحی ترجمہ۔مترجم)

اس روایت سے قبل کی متعدد مستند روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر کے روز ایک بار عین لڑائی کے وقت عریش سے اتر کر نیچے تشریف لائے اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''جتنے مسلمان کفار کے ہاتھوں آج شہید ہوں گے وہ سب جنت میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کے مقبول بندے ہیں''۔

جب رسول کریم ﷺ مسلمانوں سے یہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس وقت بنی سلمہ کے بھائی عمیر بن حمام ہاتھ میں کچھ پھل لیے کھا رہے تھے۔انہوں نے آپ کا یہ ارشاد گرامی سنتے ہی تلوار سنبھالی اور یہ کہتے ہوئے کہ:

''میں آج جب تک شہید نہ ہو جاؤں گا مجھ میں اور ان دوسرے شہیدوں میں جو مجھ سے پہلے شہید ہو چکے ہیں یقیناً کافی فاصلہ رہے گا''۔

کفار کی صفوں میں دندناتے ہوئے گھستے چلے گئے اور ان سے بڑی بہادری کے ساتھ معرکہ آرائی کے بعد آخر کار شہید ہو گئے۔

ابوداؤد اسرائیل کی بعض روایات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ بدر میں رسول اکرم عریش سے اتر کر مسلمانوں کی صفوں میں تشریف لائے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت صبر وسکون کے ساتھ کفار سے جہاد میں مصروف تھے اور مسلسل ذکر الٰہی کثرت سے کیے جا رہے تھے۔اس کے بعد آپ نے وہی الفاظ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمائے جو سطور بالا میں درج کیے جا چکے ہیں۔مسلمانوں کے اس صبر واستقامت اور ذکر الٰہی کی کثرت کا ذکر اس آیت میں بھی آیا ہے: ﴿یاایُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ .... الخ﴾ یعنی بدر میں عین لڑائی کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر جو مسلمان کثرت سے کر رہے تھے اور لڑائی میں ثابت قدمی کا ثبوت دے رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل تھی جو اس نے انہیں اس آیت میں دیا تھا۔[1]

ان روایات کے علاوہ غزوۂ بدر' اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل اسلام کی امداد کے لیے فرشتوں کی آمد اور دیگر کوائف کا ذکر متعدد روایات میں آیا جن کی تفصیلات سے ہم نے یہاں بخوف طوالت احتراز کیا ہے۔(مؤلف)

---

[1] یہ آیت اور اس کا ترجمہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔(مترجم)

مقتل ابی البختری بن ہشام

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابی البختری کے قتل سے مجاہدین کو منع فرمایا تھا کیونکہ وہ آپ کی قوم کے قریب ترین کف میں سے تھا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے مکے میں آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں دی تھی اور نہ کبھی کفار کی طرح کوئی ایسا کام کیا تھا جو آپ کو ناگوار ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ کفار مکہ کے اس باہمی معاہدے کو منسوخ کرانے میں پیش پیش تھا جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ہر بات میں عدم تعاون بلکہ مکے سے اخراج کے لیے تیار کیا تھا۔ لہٰذا جب وہ غزوۂ بدر میں مقابلے کے لیے انصار کے حلیف مجذر بن زیاد بکوی کے سامنے آیا تو وہ بولے: ''ہمیں رسول اللہ (ﷺ) نے حکم دیا ہے کہ تمہیں قتل نہ کیا جائے''۔ مجذر سے یہ سن کر اس نے پوچھا: ''اور میرے اس ساتھی کے بارے میں جو میرے محافظ کی حیثیت سے اس وقت میرے ساتھ ہے ان کا کیا حکم ہے؟'' مجذر نے کہا: ''رسول اللہ (ﷺ) نے صرف تمہارے قتل سے باز رہنے کا حکم دیا ہے' تمہارے اس ساتھی کے بارے میں ہمیں آپ کا یہ حکم نہیں ہے''۔ اس کے جواب میں وہ بولا:

''اگر میں نے اپنے اس ساتھی کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تو مکے کی عورتیں تک یہی کہیں گی کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہے''۔

ابی بختری کا ساتھی اور اس کا محافظ بنی لیث کا ایک شخص جنادہ بن ملیحہ تھا۔ مجذر کی بات سن کر وہ ان پر حملہ آور ہوا جس میں ابی البختری بھی شامل ہوگیا جس کی وجہ سے مجذر نے اپنے دفاع کی کوئی دوسری راہ نہ پاکر ان دونوں کو قتل کر دیا۔

مجذر پر حملے کے وقت ابی البختری کی زبان پر یہ شعر تھا۔

ترجمہ: ''میں اس وقت تک جنگ سے باز نہیں آؤں گا' جب تک اپنے ساتھی کو نہ بچالوں یا خود بھی قتل ہو جاؤں''۔ ❶

ابی البختری کے جواب میں مجذر بن زیاد بلوی کو بھی عرب کے دستور کے مطابق کچھ رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے ان دونوں کو قتل کرنا پڑا۔ ❷ نبی کریم ﷺ نے ابی البختری کے قتل پر اظہار افسوس فرمایا لیکن حالات کے پیش نظر مجذر بن زیاد بلوی کے عمل کو ضروری اور جائز قرار دیتے ہوئے حکم کی خلاف ورزی پر انہیں معاف فرمادیا۔

ظاہر ہے کہ اگر مجذر ابی زیاد اگر ابی البختری اور اس کے ساتھی کو قتل نہ کرتے تو ان کے ہاتھوں خود قتل ہو جاتے۔ یہی بات آنحضرت ﷺ نے انہیں معاف فرماتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ (مؤلف)

---

❶ ابن ہشام نے اس شعر میں ''جب تک میں تمہیں قتل نہ کردوں'' لکھا ہے۔

❷ ابن ہشام مجذر کے رجزیہ اشعار میں ''طاغین'' کی جگہ ابی البختری اور اس کے ساتھی کو ''ضاربین'' (حملہ آور) لکھا ہے۔ (مؤلف)

مقتل امیہ بن خلف

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آخر الذکر کی زبانی یہ واقعہ سنایا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا:

''امیہ بن خلف مجھ سے مکہ میں اکثر ملتا رہتا تھا کیونکہ ہم دونوں میں دوستی تھی۔ اس وقت میرا نام عبدعمرو تھا لیکن اسلام لانے کے بعد میرا نام عبدالرحمٰن ہوا۔ امیہ بن خلف مجھ سے ان دنوں کہا کرتا تھا کہ اسے میرا وہی پہلا نام پسند تھا جو میرے والد نے رکھا تھا یعنی عبدعمرو اور وہ مجھ سے یہ بھی کہا کرتا تھا کہ وہ مجھے میرے نئے نام سے نہیں بلائے گا جو اسے ناپسند تھا اور جس سے وہ پہلے واقف نہ تھا مگر میں اس سے کہا کرتا تھا کہ مجھے اس کا میرے پہلے نام سے بلانا پسند نہیں ہے۔ تاہم وہ مجھے جس نام سے چاہے آواز دے۔ اس پر وہ بولا: ''تو اب تم اللہ کے بندے ہو گئے ہو''۔ میں نے کہا ''ہاں'' اس کے بعد جب اس نے مجھے عبدالرحمٰن کہہ کر مخاطب کیا تو مجھے اس کی زبان سے بھی اپنا یہ نیا نام پسند آیا اور ہم دونوں اس روز دیر تک باتیں کرتے رہے''۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مزید بیان کیا:

''جب غزوۂ بدر کے روز وہ مجھے ملا تو میں مسلمانوں کی طرف سے فوجی لباس میں تھا اور میرے ہاتھ میں نیزہ تھا اور وہ اپنے بیٹے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کھڑا تھا مجھے دیکھ کر وہ بولا: ''یا عبداللہ'' میں نے کہا: ''ہاں کہو'' اس نے کہا ''ہم تو دوست ہیں' پھر تم یہ نیزہ میری طرف کیوں کیے ہوئے ہو؟'' اس سے یہ سن کر میں نے نیزہ ایک طرف ہٹا کر اس سے اپنی پہلی دوستی کی بناء پر اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بولا: ''آج کا جیسا دن میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' پھر ہم ٹہلتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تم اپنے لوگوں میں اس شخص کو جانتے ہو جس کی داڑھی سینے تک پھیلی ہوئی ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی بات کر رہے ہو؟'' وہ بولا: ''ہاں وہ ہم باپ بیٹوں کے خون کا پیاسا ہے لیکن اسے ابھی تک ہمیں قتل کرنے کا موقع نہیں ملا''۔ پھر اس نے پوچھا: ''کیا تمہیں دودھ چاہیے؟''۔ ابھی وہ مجھ سے یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے بلال (رضی اللہ عنہ) آ گئے اور انہیں میرے ساتھ دیکھ کر سخت ناراض ہوئے کیونکہ امیہ بن خلف ان پر مکے میں حد سے زیادہ ظلم کیا کرتا تھا۔ بلالؓ اسے دیکھ کر بولے: ''اے کافروں کے سرگروہ! میں آج تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا''۔ میں بلالؓ سے کہتا ہی رہ گیا کہ یہ دونوں میرے قیدی ہیں لیکن وہ ان کی طرف تلوار کھینچ کر جھپٹے اور آناً فاناً دونوں کو قتل کر دیا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے:

''اللہ بلال رضی اللہ عنہ پر رحم کرے انہوں نے میرے قیدیوں کو قتل کر دیا تھا''۔

مقتل ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب ابوجہل جنگ کے لیے میدان میں آ کر مجاہدین اسلام کی طرف بڑھا تو یہ رجز یہ کلام اس کی زبان پر تھا:

''جنگ میں کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا' میرا طرز حرب وضرب بے مثال ہے میری ماں نے مجھے تخلیق ہی اس کے لیے کیا ہے''۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مجاہدین اسلام کی صف بندی سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے جیسا کہ ثور بن زید نے عکرمہ' ابن عباس اور عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کیا' ابوجہل پر خصوصی نظر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ انہی حوالوں سے بنی سلمہ کے بھائی معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے بتایا:

''میں نے دیکھا کہ ابوجہل ایک اونچی جھاڑی کے قریب کھڑا ہوا جنگ کا نظارہ کر رہا ہے۔ اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ مجاہدین میں سے وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکے گی لیکن میں کسی نہ کسی طرح اس کے قریب جا پہنچا اور اس پر حملہ آور ہوا مگر نہ جانے کیسے میری تلوار اس کے جسم سے اچٹتی ہوئی اس کی پنڈلی پر پڑی اور اسی وقت اس کا بیٹا عکرمہ بھاگتا ہوا میری طرف آیا اور اس نے مجھ پر حملہ کر کے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس کے دوسرے حملے میں اس کی تلوار میرے ایک پہلو کی طرف آئی لیکن اس کا یہ وار اوچھا تھا اس لیے صرف میرے پہلو کی جلد اتر گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اپنی پشت کا دھیان نہیں رکھا تھا۔ بہرحال اس کے بعد میں جنگ کے قابل نہیں رہا تھا۔ تاہم مجھے اتنا یاد ہے کہ کچھ مجاہدین مجھے اٹھا کر اپنی صفوں میں لے گئے تھے''۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ معاذ بن عمرو بن جموح' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ تھے۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بعد معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے ابوجہل پر حملہ کر کے اسے اتنا زخمی کر دیا تھا کہ اس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق ہی باقی رہی تھی۔ اس لیے وہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے اور پھر کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی پشت سے خبردار رہتے ہوئے جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ مجاہدین کو دے رکھا تھا ابوجہل کی طرف بڑھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب میں ابوجہل کے پاس پہنچا تو وہ بہت زخمی تھا لیکن اس کی سانس چل رہی تھی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے مجاہدین میں سے دو کم عمر لڑکوں نے اس پر دائیں اور بائیں جانب سے بہادری کے ساتھ بھرپور حملہ کر کے پہلے اس کی سواری اور پھر اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالی تھیں۔ بہرحال جب میں اس کے قریب پہنچا

تو اس نے مشکل سے میری طرف نگاہیں اٹھائیں۔ میں نے اسے فوراً پہچان لیا کیونکہ وہ ابوجہل ہی تھا جس نے مجھے مکے میں سخت ایذائیں دی تھیں۔ میں نے اس کے گلے پر پاؤں رکھ کر کہا: ''اے اللہ کے دشمن! تو نے دیکھا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کیسا ذلیل کیا ہے؟'' یہ کہہ کر میں نے اس کا سر کاٹا اور اسے لے جا کر حضور نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے آپؐ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) یہ کفار کے سرگروہ اور اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا سر ہے''۔ میری زبان سے یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' میں نے عرض کیا: آپؐ نے بالکل درست فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔

ابن اسحٰق ہی کی طرح یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں بھی یوسف بن یعقوب بن ماجشون کی زبانی صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف اور آخر الذکر کے حوالے سے درج کی گئی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف بیان فرماتے ہیں: ''میں غزوۂ بدر کے روز میدان جنگ میں کھڑا اپنے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا تو میں نے انصار کے دو نوعمر لڑکوں کو دو آدمیوں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں وہاں اپنے نیزے تانے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر میں ان کے قریب گیا تو ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا: ''چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''ہاں مگر تمہیں اس سے کیا کام ہے؟'' وہ بولا: ''میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیتا ہے' میں آج اسے قتل کر دوں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا''۔ اس کے ساتھی نے بھی مجھ سے بالکل یہی کہا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ان سے یہ سن کر میں نے بحیرت ان کی طرف غور سے دیکھا کیونکہ ان کے قد میرے گھٹنوں سے بمشکل ذرا ہی اونچے ہوں گے۔ پھر ان میں سے ایک چپکے سے بولا: ''چچا! آپ مجھے اشارہ کر کے اس کی شکل دکھلا دیجیے'' دوسرا بھی مجھ سے چپکے چپکے وہی سوال کر رہا تھا' میں نے ان سے پوچھا: ''تم اس کا کیا کرو گے؟'' وہ بولے: ''ہم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے قتل کا عہد کر رکھا ہے''۔ میں نے ان کی بے صبری کا اندازہ کر کے ابوجہل کی طرف اشارہ کر دیا جسے بطور محافظ اس کے ساتھی گھیرے کھڑے تھے لیکن وہ دونوں نوعمر لڑکے بجلی کی طرح ابوجہل کی طرف دوڑے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں نے بڑی صفائی کے ساتھ دائیں بائیں جانب سے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ وہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے''۔

یہی روایت صحیحین میں پیش کرتے ہوئے ابی سلیمان تیمی اور انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ جب ابوجہل کا سر نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے دریافت فرمایا: ''اسے قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے کس نے دیکھا ہے اور اسے کس نے قتل کیا ہے؟'' آپؐ کے اس سوال پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا: ''حضور اسے قتل ہوتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسے عفراء کے بیٹوں نے قتل کیا ہے''۔ اسی روایت بن بخاریؒ آگے چل کر ابی اسامہ' اسماعیل بن قیس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کے سر پر تلوار تانتے ہوئے اس سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے کلمات کفر بکنے والے! اب بتا اور دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسا ذلیل کیا ہے'' تو وہ بولا: ''میرے جتنے آدمی تم لوگ اب تک قتل کر چکے ہو اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو؟'' بخاریؒ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں:

''میں نے ابوجہل کے سر پر ایک سخت ضرب لگائی کیونکہ وہ بھی مکے میں میرے سر پر ایسی سخت ضربات لگاتا تھا کہ اس کے ہاتھ تھک کر کمزور پڑ جاتے تھے''۔ ❶

اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پھر میں نے اسی کی تلوار لے کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''افسوس ہم اس وقت اس کا سر لے جا کر اہل مکہ کو نہیں دکھا سکتے تھے۔ بہرکیف میں اس کا سر لے کر آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اس کا سر میں نے کاٹا ہے'' اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' اس کے بعد آپ نے مجھ سے یہی الفاظ تین بار کہلوائے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو طلب فرمایا۔

بیہقی متعدد مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو ابوجہل کے قتل کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خدا پر اپنے ایمان کا تین بار اعادہ فرماتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے آج مجھے ابوجہل کو (جو اس کا سب سے بڑا دشمن تھا) مقتول دکھایا ہے''۔

بیہقی ہی دوسرے متعدد حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم (ﷺ) کو ابوجہل کے قتل اور مسلمانوں کی فتح کی خبر سنائی گئی تو آپ نے اس وقت شکرانے کی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

ابن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں کہ انہیں ان کے والد اور ہشام نے اور ان دونوں کے علاوہ مجالد نے شعبیؒ کے حوالے سے بتایا کہ غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اس نے ایک شخص کو زمین کے اندر سے نکلتے دیکھا اور پھر دیکھا کہ وہ اس گرز سے جو اس کے ہاتھ میں تھا ایک دوسرے شخص کے سر پر ضربات لگا رہا ہے جس کے بعد وہ زمین کے اندر چلا گیا۔ آپ نے فرمایا:

''وہ شخص جو زمین سے نکلا تھا ایک فرشتہ تھا اور جس کے سر پر اس نے ضربات لگائیں ابوجہل تھا، یہی فرشتہ روز قیامت اس کے سر پر اسی طرح ضربات لگائے گا''۔

اموی نے اپنی کتاب ''مغازیہ'' میں یہ روایت بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث نبوی میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

''یہی فرشتہ قیامت تک ابوجہل کے سر پر اپنے گرز سے اسی طرح ضربات لگاتا رہے گا''۔

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ بنی عبد شمس کے حلیف عکاشہ بن محصن بن حرثان اسدی نے غزوۂ بدر کے روز اس شدت سے جنگ کی کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ اس تلوار کو لے کر رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آئے تو آپ نے انہیں ایک اور تلوار عطا فرمائی جس کا قبضہ کھجور کی (مضبوط) لکڑی کا تھا۔ وہ تلوار عکاشہ کو دے کر فرمایا: ''جاؤ اب اسے لے کر جنگ میں شریک ہو جاؤ''۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نبی کریم ﷺ سے وہ تلوار لے کر میدان جنگ کی طرف پلٹا تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک بڑی لمبی، مضبوط چاندی کی طرح چمکتے ہوئے فولاد کی تلوار تھی اور میں دشمنوں پر مکمل فتح تک اسی تلوار سے لڑتا رہا''۔

---

❶ مصری نسخے میں اس جگہ ''ضعف'' (کمزور پڑ جاتے تھے) کی بجائے ''صفقت'' (شل ہو جاتے تھے) لکھا ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق اس روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ ''اس تلوار کا نام ''عون'' تھا اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پھر جتنے غزوات میں شرکت کی وہ برابر اسی تلوار سے جہاد کرتے رہے۔ یہ تلوار ان کے ہاتھ سے اس وقت چھوٹی جب وہ یوم ردہ میں طلیحہ اسدی کے ہاتھوں قتل ہوئے''۔ طلیحہ اسدی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا تفصیلی حال ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع بیان کریں گے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ وہی شخص تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مسلمانوں کو یہ بشارت دی تھی کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی قیامت کے روز حساب کتاب کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت میں داخل ہوں گے تو عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا تھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا فرمائیے کہ میں بھی آپؐ کے ان ستر ہزار امتیوں میں شامل کیا جاؤں''، تو آپؐ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی: "اللهم اجعله منهم" (یا اللہ اسے (عکاشہ کو) انہی میں شامل فرما دے)

یہ حدیث ''صحاح ستہ'' کے علاوہ احادیث ''حسان'' وغیرہ میں بھی پیش کی گئی ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: ''وہ ہم عربوں میں فارس (ایران) کا سب سے بہتر آدمی ہے''۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''عکاشہ بن محصن'' آپ کا یہ جواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''اور ضرار بن ازور کے بارے میں آپ کی رائے عالی کیا ہے؟ وہ بھی تو ہم میں سے ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا: وہ ہم میں سے (یا تم میں سے) نہیں ہیں کیونکہ وہ حلف کے ذریعہ (یعنی حلیف بن کر) ہم میں شامل ہوئے ہیں''۔

واقدی نے اپنی کتاب ''دلائل'' میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ' داؤد بن حصین اور عبدالاشہل کے کچھ لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں عکاشہ بن محصن کی تلوار کی طرح سلمہ بن حریش کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں ابن ارطاب کی ایک لکڑی دے کر فرمایا تھا: ''جاؤ اسے لے جا کر جہاد کرو'' سلمہ بن حریش کے ہاتھ میں آ کر وہی لکڑی نہایت مضبوط چمکتی تلوار بن گئی تھی۔ وہ لکڑی جو بہترین تلوار کا کام دیتی تھی پھر کبھی سلمہ بن حریش کے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں چھوٹی جب تک وہ جسد ابوعبیدہ پر شہید نہیں ہوئے۔
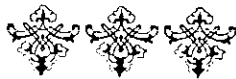
رسول اللہ ﷺ کی دعا سے قتادہ رضی اللہ عنہ کی بصارت کا اعادہ

بیہقی اپنی کتاب ''الدلائل'' میں لکھتے ہیں کہ انہیں ابوسعد مالینی' ابواحمد بن عدی' ابویعلیٰ' یحییٰ الحمانی اور عبدالعزیز بن غسیل کی زبانی عاصم بن عمر بن قتادہ' ان کے والد اور دادا قتادہ بن نعمان کے حوالے سے معلوم ہوا کہ آخر الذکر کی بینائی غزوۂ بدر میں ان کے سر پر شدید چوٹ آنے سے جاتی رہی تھی۔ لوگوں نے انہیں علاج یا آنکھوں کے عدسے جن میں سخت تکلیف تھی قطعی طور پر نکلوانے کا مشورہ دیا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا اس کے بجائے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دعا کے لیے استدعا کی تھی اور آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اس طرح دست مبارک رکھا تھا جس سے نہ صرف ان کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی تکلیف قطعاً جاتی رہی تھی بلکہ ان کی بینائی اس طرح عود کر آئی تھی جیسے ان کی بصارت کبھی زائل ہی نہ ہوئی ہو۔

اسی قبیل کا ایک اور واقعہ:

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ محمد بن صالح' فضل بن محمد شعرانی' ابراہیم بن منذر' عبدالعزیز بن عمران اور رفاعہ بن یحییٰ نے معاذ بن رفاعہ بن رافع اور آخر الذکر کے والد رافع بن مالک کے حوالے سے بتایا کہ رافع بن مالک نے بیان کیا:

''جب غزوۂ بدر کے روز لوگ ابی بن خلف کے پاس جمع ہو رہے تھے تو میں بھی اس کے نزدیک گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی زرہ کی کچھ کڑیاں اس کی بغل سے الگ ہو کر لٹک رہی ہیں۔ میں نے وہ کڑیاں اپنی تلوار سے کاٹ دیں اور اس دوران میں شاید میری تلوار کی نوک اس کی بغل کے نچلے حصے میں چبھ گئی۔ پھر جب میں وہاں سے اپنی صفوں میں واپس آیا تو نہ جانے ایک تیر کدھر سے آ کر میری آنکھ میں پیوست ہو گیا جس سے میری وہ آنکھ بالکل ناکارہ ہو گئی اور میں درد سے تڑپنے لگا۔ اسی حالت میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ آپؐ نے اپنا لعاب دہن میری اس آنکھ میں لگا کر اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں دعا فرمائی تو نہ صرف میری اس آنکھ کی تکلیف جاتی رہی بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میری اس آنکھ میں تیر لگا ہی نہیں تھا''۔

یہ روایت بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے شائد کسی مؤرخ نے اس سے استنباط نہیں کیا بلکہ کسی محدث نے اسے استخراج بھی نہیں کیا۔ تاہم اس میں جو حوالے دیئے گئے وہ بڑے جید اور مستند ہیں۔ (مؤلف)

مقام بدر میں سرداران کفر کا پڑاؤ

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان سے یزید بن رومان نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آخر الذکر کا بیان نقل کیا یعنی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدر میں پڑاؤ کا حکم دیا اور انہوں نے وہاں پڑاؤ ڈال لیا تو آپ نے چند لوگوں سے فرمایا کہ وہ مشرکین قریش کے پڑاؤ کا سراغ لگائیں۔ چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر اِدھر اُدھر چھان بین کی تو دیکھا کہ قریب کے ایک ٹیلے کے کسی قدر نشیب میں امیہ بن خلف چھپا ہوا لشکر اسلام کے پڑاؤ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ جب یہ لوگ اسے وہاں سے پکڑنے اور نکالنے کے لیے چپکے چپکے گربہ خرامی سے آگے بڑھے تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی پیچھے ہٹ کر بھاگنے لگا لیکن بدبختی سے اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اس نے اوپر کی جھاڑی پکڑ کر سنبھلنے کی کوشش کی تو مزید بدبختی یہ ہوئی کہ وہ جھاڑی اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور جڑ سے اکھڑ کر مٹی اور پتھروں سمیت اس پر جا پڑی جس سے وہ لڑھکتا ہوا ٹیلے کے دوسری طرف نشیب میں چلا گیا جہاں مشرکین قریش نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اس طرح اسلامی لشکر کے ان لوگوں کو کفار کے پڑاؤ کا آسانی سے پتہ چل گیا۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے پڑاؤ کا علم ہو گیا تو آپؐ نے انہیں مخاطب کر کے بہ آواز بلند فرمایا: ''اے اس ٹیلے کے دوسری طرف نشیب میں پڑاؤ ڈالنے والو! جو وعدہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا تھا وہ میں نے سمجھ لیا تھا لیکن تمہارے رب نے جو کچھ تمہیں (میرے ذریعہ) بتایا تھا کیا وہ تم نے سمجھ لیا تھا؟''۔

(حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ۔ مترجم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر آپؐ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان غافل اور مردہ قلب لوگوں سے جو کچھ آپ فرما رہے ہیں کیا وہ اسے سن اور سمجھ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں وہ میری باتیں سن تو رہے ہیں لیکن وہ انہیں قبول نہیں ہیں'' بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کی آواز کفار تک پہنچ رہی تھی اور وہ اسے صاف صاف سن رہے تھے''۔

یہی روایت امام احمدؒ نے ابن ابی عدی' حمید اور انس کے حوالے سے شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات قریش کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''یا اہل القلیب (نشیب میں پڑاؤ ڈالنے والو) نبی کے قریبی لوگوں میں تم کتنے برے لوگ ہو کر جب تم نے مجھے جھٹلایا

تو دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی جب تم نے مجھے نکالا تو دوسرے لوگوں نے مجھے اپنے ہاں جگہ دی' جب تم نے مجھ سے لڑائی کی تو دوسرے لوگوں نے میری مدد کی (اب بتاؤ) جو وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا' کیا تم نے اسے سچ پایا یا نہیں؟ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے اسے سچ پایا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مندرجہ بالا حدیث نبویؐ روایت کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں اور کچھ آیات قرآنی مثلاً: ﴿ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ وغیرہ میں جو تعارض پایا جاتا ہے وہ دوسرے محدثین کے بقول اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو احادیث جمع کر کے روایت کی ہیں ان کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے سیاق وسباق میں تبدیلی آ گئی ہے ورنہ ان کی روایت کردہ احادیث اور آیات قرآنی میں تباین وتعارض خلافِ قیاس ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عفان اور حماد بن ثابت نے انس کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بدر میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد تین دن تک قریش مکہ کے ساتھ اپنی طرف سے جنگ میں پہل کرنے کا مسلمانوں کو حکم نہیں دیا بلکہ تیسرے روز ان کے پڑاؤ کے قریب جا کر اتمام حجت کے طور پر ان کے معزز ترین لوگوں کو جو مدینے پر حملے کے لیے میدان بدر تک آ پہنچے تھے نام بنام پکار کر فرمایا:

''اے امیہ بن خلف' اے ابوجہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے وہ بات جو تمہارے (حقیقی) رب نے تمہیں (میرے ذریعہ) اس روز موعود کے بارے میں بطور حق بتائی تھی سمجھ لی تھی؟ (بہر کیف) میرے رب نے اس بارے میں مجھ سے جو سچا وعدہ فرمایا تھا اور وہ حق تھا میں نے اس کا مطلب سمجھ لیا تھا''۔

ظاہر ہے کہ قریش کے مذکورہ بالا معزز ترین اشخاص کو نام بنام آواز دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا مطلب یہ تھا کہ آیا وہ ابھی تک اپنی گمراہی وبے راہ روی پر بضد ہیں یا اپنے حقیقی رب کے اس حکم کو جو اس نے آپؐ کے ذریعہ انہیں دیا تھا اس کی تعمیل پر آمادہ اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اس جنگ سے دست بردار ہونے پر تیار ہیں؟

امام احمدؒ نے اس روایت میں مذکورہ بالا اسناد ہی کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قریش کے مذکورہ بالا افراد کو نام بنام مخاطب کرتے ہوئے آپؐ کے یہ ارشادات سنے تو انہوں نے آپؐ سے مؤدبانہ عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تین روز کے بعد آپ ان لوگوں سے جو کچھ فرما رہے ہیں کیا اسے سن رہے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿انک لا تسمع الموتی﴾

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ جب آپ قبر کے مردوں کی آواز نہیں سن سکتے' اور نہ وہ آپ کی آواز سن سکتے ہیں تو قریش کے ان لوگوں نے جو قبر کے مردوں سے بدتر ہیں اتنی دور سے آپ کی آواز کیونکر سنی ہوگی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جس طرح تم وہ باتیں سن رہے ہو جو میں ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں بالکل اسی طرح یہ لوگ بھی انہیں سن رہے ہیں (لیکن اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے) قبول نہیں کرتے کیونکہ انہیں ان

کے قبول کرنے کی توفیق نہیں ہے''۔

یہ روایت انہی الفاظ میں مسلمؒ نے بھی ہدبہ بن خالد اور حماد بن سلمہ کے حوالے۔(صحیح مسلم میں) بیان کی ہے۔(مؤلف)

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بدر کے میدان میں وہاں کے ایک ٹیلے کے نیچے مسلمانوں کو پڑاؤ کا حکم دیا تو آپؐ نے اس کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اس ٹیلے پر چڑھ کر دیکھیں کہ قریش نے اس کے دوسری جانب کہاں پڑاؤ ڈالا ہے۔ان لوگوں میں حذیفہ بن عتبہ بھی تھے جب وہ وہاں سے لوٹ کر آئے تو ان کا رنگ زرد ہو رہا تھا کیونکہ انہوں نے ٹیلے کے دوسری طرف کفار کا کثیر التعداد لشکر دیکھ لیا تھا۔ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:''اے حذیفہ!کیا تم میں بھی اپنے باپ کے کچھ فطری خصائل آ گئے ہیں؟''آپؐ کے اس سوال کے جواب میں حذیفہ نے مؤدبانہ عرض کیا:''یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے اپنے باپ (ربیعہ) کے فطری خصائل کا اچھی طرح علم ہے لیکن میں اس لیے ڈر رہا ہوں کہ کہیں وہ کفر کی حالت میں نہ مارے جائیں۔اگر ایسا ہوا تو مجھے اس کا بہت افسوس ہوگا''۔حذیفہ بن عتبہ کی زبان سے یہ جواب سن کر آپؐ نے ان کی طرف بہ نگاہِ تلطف دیکھا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

بخاری فرماتے ہیں کہ ان سے سفیان اور عمرو نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بدر میں ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھا اور انہیں وہاں ایک بڑے لشکر کے آثار نظر آئے تو انہوں نے سب سے پہلے عمرو ہی سے کہا:''ہاں وہ قریش ہی ہیں''۔عمرو بولے:''اگر یہ قریش ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ﴿اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر کفر کو ترجیح دی ہے''۔عمرو نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی کہا:اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی قریش ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جس نعمت کا ذکر ہے وہ محمد (ﷺ) ہیں''۔اس کے بعد عمرو نے کہا:''جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے ﴿اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ یعنی ان لوگوں نے اپنی قوم کو آگ کی بھٹی میں جھونک دیا ہے۔اس آیت میں جس آگ کی بھٹی کا ذکر ہے وہ یقیناً یہی میدان بدر ہے''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن ابی بکر اور عبدالرزاق نے بیان کیا کہ ان دونوں کو اسرائیل نے عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ کو بتایا گیا کہ''مشرکین قریش کے لشکر میں اب ایک لٹے پٹے قافلے کے آثار کے سوا کچھ باقی نہیں۔البتہ عباسؓ ابھی تک پہلے کی طرح مسلح جنگ پر تلے کھڑے ہیں''۔آپؐ نے فرمایا:''کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ عباسؓ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے؟''عرض کیا گیا:''آپؐ سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو چکا ہے''۔عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں اور ان کے دوش بدوش رہ کر کفار سے جنگ کرنے والے فرشتوں کے ہاتھوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا اور ان کی تعداد ایک ہزار تھی صرف ستر کافر قتل ہوئے تھے۔اس کی وجہ یقیناً یہ ہوگی کہ رب العزت عز اسمہٗ جو عالم الغیب اور ماضی وحال و مستقبل کے جملہ امور سے واقف ہے جانتا تھا کہ وہی کافر عنقریب مسلمان ہو جائیں گے جو مسلمانوں اور ان فرشتوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا تو صرف ایک فرشتہ ہی کافروں کے پورے لشکر کو ختم کرنے کے لیے کافی تھا۔اس کی ایک واضح ترین

مثال جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کے سرکش اور نافرمان لوگوں کو سات کے سوا جو حق پرست تھے انہی جبریل علیہ السلام کے ساتھ چند دوسرے فرشتے بھیج کر سب کو ہلاک کرا دیا تھا۔

بہرکیف غزوۂ بدر کے اختتام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام دوسرے تمام فرشتوں کے ساتھ ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئے۔ غزوۂ بدر میں جہاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہی تو فرمایا تھا:

﴿ وَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ .... الخ ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا تھا:

﴿ قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَ یُخْزِهِمْ .... الخ ﴾

مندرجہ بالا روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوعمر لڑکوں نے ابوجہل کو اتنے کاری اور مہلک زخم لگائے تھے کہ اس میں زندگی کی ذرا سی رمق ہی باقی تھی اور وہ زمین پر پڑا دم توڑ رہا تھا جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کے سینے پر بیٹھ کر اس کی داڑھی پکڑی اور بولے:

''او دشمن خدا! تو اپنی طاقت اور دولت وثروت پر بہت مغرور تھا' اب دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسا ذلیل کیا ہے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے ابوجہل کا سر کاٹا اور اسے لے جا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ ابوجہل کے قتل سے مسلمانوں کے دل واقعی پوری طرح مطمئن و پرسکون ہو گئے لیکن ابوجہل کے لیے یہ ایسا ہی تھا جیسے اس پر آسمان سے بجلی یا خود اس کے مکان کی چھت گر پڑی ہو یا جیسے وہ خود ہی طبعی موت مرا ہو۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے جو اسلام لا چکے تھے لیکن انہوں نے کفار قریش کے خوف سے تقیہ کر رکھا تھا یعنی اپنا مذہب پوشیدہ رکھا تھا اور اسی وجہ سے قریش انہیں گھیر گھار کر مسلمانوں سے جنگ کے لیے لے آئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

حارث بن زمعہ بن اسود' علی بن امیہ بن خلف' عاص بن منبہ بن حجاج[1]' ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق مندرجہ بالا روایت ہی میں مزید کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جو ستر آدمی قریش کے گرفتار ہوئے تھے ان میں کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے بھی تھے مثلاً آپؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب' آپؐ کے چچا ابو طالب کے بیٹے عقیل بن ابی طالب نوفل بن حارث ابن عبدالمطلب۔ بخاریؒ اور امام شافعیؒ ان لوگوں کے معاف کر دیئے جانے کے بارے میں ابن سمرہ کی پیش کردہ حدیث پیش کرتے اور اسے حدیث حسن بتاتے ہوئے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری رحمدلی کا ثبوت کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] ابن ہشام نے محمود الامام کے حوالے سے ان لوگوں میں ابوقیس بن ولید بن مغیرہ کو بھی شامل کیا ہے۔ (مؤلف)

انہی لوگوں میں ابوالعاص ابن ربیع بن عبدشمس بن امیہ بھی تھے جو آپ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بارے میں باہم اختلاف تھا کہ آیا اسیرانِ بدر کو قتل کر دیا جائے یا انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے علی بن عاصم نے حمید اور انس کے حوالے سے۔ ایک راوی نے ان حوالوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل کیا ہے۔ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے بارے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ''ان قیدیوں کو قتل کرنے یا فدیہ لے کر رہا کر دینے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اختیار ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سب کو قتل کرا دیجیے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واحد مشورے سے صرف نظر فرمائے ہوئے دوبارہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے معلوم فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری رائے یہ ہے کہ ان سب کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے''۔

امام احمدؒ مذکورہ بالا حوالوں ہی سے بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ سن کر جس سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتفاق کیا غم کا وہ اثر جاتا رہا جو اس سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ سن کر ظاہر ہوا تھا اور آپؐ نے جملہ اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر رہا فرما دیا۔

امام احمدؒ نے اس روایت کو جس میں انہوں نے عموماً بخاریؒ و مسلم اور ترمذیؒ کے الفاظ استعمال کیے ہیں خصوصی حیثیت دی ہے اور علی بن مدینیؒ نے عکرمہ بن عمار کے حوالے سے اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عکرمہ بن عمار سے سماک حنفی ابوزمیل' ابن عباس اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے روز جب مسلمانوں کی جماعت اور قریش کے کثیر التعداد لشکر پر نظر ڈالی تو آپؐ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ اور قریش کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ جیسا کہ متعدد مستند روایات میں بیان کیا گیا ہے قریش کے لشکر کے ستر افراد قتل ہوئے تھے اور اس کے ستر آدمی مسلمانوں نے گرفتار کر لیے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے بارے میں حضرت ابوبکر' حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے کچھ تو آپؐ کے عم زاد ہیں اور کچھ قریبی عزیز ہیں' میری ناچیز رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس سے ہمارے مالی اثاثے میں اضافے کے علاوہ ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو کر ہماری قوت میں بھی اضافے کا باعث بنیں گے''۔

اس کے بعد آنحضرت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''۔

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی رائے سے اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں جو میرے قریب ترین رشتہ دار ہیں انہیں میرے حوالے کیا جائے تا کہ میں ان کی گردن اڑا دوں اور ان میں جو لوگ علی رضی اللہ عنہ کے قریب ترین عزیز ہیں انہیں ان کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ ان کی گردن اڑا دیں۔ اسی طرح حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے بھائی بندوں کو ان کے حوالے کیا جائے تا کہ وہ ان کو قتل کر دیں۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ دینی معاملات میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اپنے رشتہ داروں کی پروا ہے نہ ان کے معبودوں' قائدوں اور سرپرستوں کا کوئی لحاظ پاس ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کا یہ مشورہ پسند نہیں آیا بلکہ آپؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو پسند فرماتے ہوئے جملہ اسیران بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ بدر کی اگلی صبح کو جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ میں نے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے اور اپنے ساتھی (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے رونے کی وجہ بتا دیجیے۔ اگر مجھے اس کی وجہ معلوم ہو گئی تو میں بھی رونے لگوں گا اور اگر میں آپؐ کے رونے کی وجہ نہ سمجھ سکا تو میں آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے لگوں گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری اس گزارش کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ میں نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مشورے کو قبول کر کے اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ تو کر لیا ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ (خدانخواستہ) میرا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جائے اور چونکہ میں نے یہ فیصلہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر کیا ہے' اس لیے میرے ساتھ یہ بھی رو رہے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ .... الخ ﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد پوری حدیث نبوی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا حکم دیا لیکن غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہوا مالِ غنیمت ان کے لیے مباح فرما دیا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابومعاویہ اور اعمش نے عمرو بن مرہ' عبیدہ اور عبداللہ (ابن مسعود؟) کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی شام کو اسیرانِ جنگ کے بارے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے کہ: ''ان میں سے کئی تو آپؐ کے عزیز و اقارب ہیں' اس لیے بہتر ہے کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ ان کے علاوہ جو

دوسرے ہیں ان کی توبہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اس لیے انہیں بھی فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

''چونکہ دوسرے قیدیوں کے علاوہ آپ کے اقربا نے بھی ان کے ساتھ مل کر آپ کو (نعوذ باللہ) کاذب ٹھہرایا اور مکے سے نکلنے پر مجبور کیا تھا' لہٰذا ان سب کی گردنیں اڑا دینا چاہیے''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جگہ کے قریب جو وادی ہے اس میں سوکھی لکڑیاں کثرت سے ہیں آپ ان قیدیوں کو وہاں بھیج دیجیے' پھر میں وہاں آگ لگا کر انہیں اس میں خاکستر کر کے رکھ دوں گا''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسیران بدر کے بارے میں فوراً کسی کا مشورہ قبول نہیں فرمایا حالانکہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ان کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ بہتر ہے اور کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو بہتر بتا رہے تھے اور ان کے علاوہ باقی لوگ ایسے تھے جو میرے مشورے کو بہترین کہہ رہے تھے لیکن آپ نے سب کی رائیں سن کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے دو راتیں ایسی بنائی ہیں جن میں ایک رات ایسی ہے کہ اس میں لوگوں کے دل پتھر کی طرح ہو جاتے ہیں''۔

اس کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم نے وہی کہا ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا تھا یعنی جس نے میری پیروی کی وہ مجھ میں سے ہے لیکن جس نے میری مخالفت کی اس کو اللہ بخشے اور اس پر بھی رحم کرنے کی قدرت رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی اس کی صفات ہیں۔ اس کے علاوہ تمہاری بات حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ارشاد جیسی بھی ہے جنہوں نے فرمایا تھا کہ ''یا اللہ اگر تو ان (میری مخالفت کرنے والوں) کو عذاب دیتا ہے تو یہ تیری مرضی کیونکہ یہ تیری مخلوق ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو بھی تو مہربان' بخشنے والا اور حکمت والا ہے''۔

پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم پر حضرت نوح اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی مثال صادق آتی ہے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

''یا اللہ! زمین پر کافروں کا کوئی شہر باقی نہ چھوڑ'' (ترجمہ) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:

''یا اللہ! ان کے مال کو نیست و نابود کر دے' ان کے دلوں پر (سخت) عذاب نازل فرما کیونکہ یہ لوگ دردناک عذاب سے پہلے ایمان نہیں لائیں گے''۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے یا عمر (رضی اللہ عنہ) کا

مشورہ قبول کر کے ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے اس کے بعد کون باقی رہے گا''۔ (ترجمہ مفہومی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد سن کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بولے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سہیل بن بیضاء کو اسلام کے حق میں گفتگو کرتے سنا ہے''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر سکوت فرمایا' پھر ارشاد فرمایا:

''ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مشوروں میں سے کسی ایک پر عمل نہ کرنے کے علاوہ پھر یہی ہوسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ سہیل بن بیضاء کے سوا باقی قیدیوں پر آسمان سے پتھر برسا کر ان سب کو سنگسار کر دے''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے اس ارشاد کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ أُسْرٰى ...... الخ ﴾[1] اس کے بعد جملہ اسیران بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔

اسی روایت کو انہی الفاظ میں ترمذی و حاکم ابی معاویہ کی زبانی پیش کیا ہے اور ابن مردویہ نے عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالے اسی طرح کی ایک روایت بیان کی ہے نیز یہی روایت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

ابن مردویہ اور حاکم ''مستدرک'' میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبیداللہ بن موسیٰ اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر' مجاہد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر میں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر رہا تھا کہ انہیں قتل کر دے یا اپنی پوری جماعت کے پاس بھیج دے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسرے اصحاب سے فرما رہے تھے کہ اگر آپؐ کے چچا اس جنگ میں قتل ہو گئے ہوں گے تو وہ رات صبح تک آپ پر مشکل سے گزرے گی۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا عباس رضی اللہ عنہ جنگ میں کام آ گئے یا قیدیوں میں شامل ہیں دوسرے لوگوں کو اِدھر اُدھر دوڑایا تو معلوم ہوا کہ انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا ہے جو کہتا ہے کہ میں انہیں قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات فوراً اس انصاری کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ عباس رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دے لیکن جب وہ ان کے قتل پر مصر رہا تو انہوں نے اس سے کہا کہ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو تو وہ کیا کرے گا؟ اس پر وہ بولا:

''اگر یہ آپ کا حکم ہے تو پھر آپ انہیں لے جا سکتے ہیں''۔

جب حضرت عمر اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) عباس رضی اللہ عنہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

''اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے ایسی ہی خوشی ہوگی جیسی اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے پر ہوتی۔ اس کے

---

[1] اس روایت کے درمیانی حصے میں یہ پوری آیات اور ان کا ترجمہ پچھلے صفحے پر درج کیا جا چکا ہے۔ (مترجم)

علاوہ یہ بھی سوچئے کہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آپ کے مسلمان ہونے پر کس قدر حیرت آمیز مسرت ہوگی''۔

عباس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سب سن کر بھی خاموش رہے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی اس حیرت انگیز خاموشی پر غصہ آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو پہلے ہی جملہ اسیران جنگ کے قتل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دے چکے تھے کہیں طیش میں آ کر عباس رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کر دیں تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگینی کی طرف اشارہ کر کے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے پر رضامند کر لیا۔

تمام مشہور و مستند روایات کے مطابق جن اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا ان میں سے کم حیثیت لوگوں سے صرف تین سو درہم فی کس وصول کیے گئے یا وعدہ لیا گیا لیکن صاحبِ ثروت قیدیوں سے جن میں عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے چار چار ہزار درہم وصول کیے گئے یا وعدہ لیا گیا۔

جہاں تک مال غنیمت کا تعلق تھا اس کے سلسلے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی مسلمانوں کے لیے مباح کر دیا تھا لیکن آپ کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق تھا جو درج ذیل ہے۔

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾

''یعنی تم مال غنیمت کو مال حلال اور طیب سمجھ کر کھا سکتے ہو''۔

اسیرانِ بدر کے بارے میں حاکم نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں مختلف مستند اسناد کے حوالے سے اور ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے سفیان ثوریؒ کی زبانی ہشام بن حسان' محمد بن سیرین عبیدہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس سلسلے میں جبریل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام پہنچایا کہ مجاہدین چاہیں تو انہیں قتل کر دیں یا فدیہ لے کر رہا کر دیں۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی آیات شریفہ درج کی جا چکی ہیں۔ (مؤلف)

بیہقی کے بیان کے مطابق جو انہوں نے حاکم' اصم' احمد بن عبدالجبار' یونس' اسباط بن نصر اور اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی کے حوالے سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کے بیٹوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے چار چار ہزار فی کس فدیہ لیا گیا تھا۔ تاہم آخر الذکر دو آدمیوں کو ان سے فدیہ کی ادائیگی کے بارے میں وعدہ لے کر رہا کر دیا گیا لیکن انہیں وعدہ خلافی کے بارے میں تنبیہ بھی کر دی گئی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت سے ثابت ہے:

﴿ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ .... الخ ﴾

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مشہور روایات یہی ہیں کہ غزوۂ بدر کے روز قریش مکہ کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ اگلے صفحات میں کریں گے۔ تاہم جیسا کہ صحیح بخاری میں البراء بن

عازب رضی اللہ عنہ کی زبانی مذکور ہے غزوۂ بدر میں کفار قریش کے مقتولین اور اسیران جنگ کی تعداد بالترتیب وہی تھی جو مشہور روایات میں بیان کی گئی ہے۔

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر میں جو مسلمان کام آئے تھے ان میں سے چھ قریشی اور آٹھ انصاری تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مشرکین کے انچاس آدمی قتل ہوئے تھے اور انتالیس افراد گرفتار ہوئے تھے۔ بیہقی نے بھی موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے یہی بات بتائی ہے اور اسی طرح لہیعہ نے ابی اسود اور عروہ کے حوالے سے یہی بات بتائی ہے اور اسی طرح لہیعہ نے ابی اسود اور عروہ کے حوالے سے مسلمان شہیدوں کی تعداد کو مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا ہے۔ البتہ ابن لہیعہ ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے حاکم' اصم اور احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ بدر میں مسلمان شہداء کی مجموعی تعداد گیارہ تھی جن میں سے چار قریش مہاجر اور سات انصار مدینہ تھے۔ وہ انہی حوالوں سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مشرک مقتولین کی تعداد بیس سے کچھ زیادہ تھی لیکن وہی اس روایت کے آخر میں یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ جو گرفتار ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے ان کی تعداد ستر تھی اور وہ اتنی ہی تعداد میں قتل ہوئے تھے۔

بیہقی لیث کے کاتب ابی صالح کی زبانی لیث' عقیل اور زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع شہید ہوئے تھے اور اس کے بعد انصار کے ایک شخص نے شہادت پائی تھی۔ بیہقی اپنی اسی روایت میں انہی حوالوں سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس روز یعنی غزوۂ بدر کے دن ستر سے زیادہ مشرکین قتل اور اتنی ہی تعداد میں قید ہوئے تھے۔ بیہقی نے اس آخری بیان میں ابن وہب' یونس بن یزید' زہری اور عروہ بن زبیر کے حوالے سے اس روایت کو صحیح ترین بتایا ہے۔

ان میں صحیح ترین روایت جس میں حدیث نبوی کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں مشرکین کی تعداد نوسو اور ایک ہزار کے درمیان تھی۔ اس روایت کی تصریح کرتے ہوئے قتادہ نے مشرکین کی قطعی تعداد نوسو پچاس بتائی ہے۔ مشرکین کی اسی تعداد کا ذکر ہم بھی کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم (مؤلف)

بہر کیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کردہ روایت میں مشرکین کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے لیکن اس سلسلے میں قول فیصل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں یہ تعداد نوسو اور ایک ہزار کے درمیان بیان کی گئی ہے۔

غزوۂ بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد جو نصوص قرآنی سے بھی ثابت ہے اور جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی بھی ہم ان شاء اللہ اگلے صفحات میں پیش کریں گے۔

غزوۂ بدر میں مشرکین کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتح کے بعد مجاہدین میں مشرکین سے حاصل شدہ مال غنیمت کے بارے میں اختلاف تھا اور ان کی تین جماعتیں بن گئی تھیں ان میں سے ایک جماعت کا خیال تھا کہ مقتولین کے ورثا اس سلسلے میں کہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رجوع نہ کریں۔ دوسری جماعت مقتول کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب کی دعوے دار تھی اور تیسری

جماعت ان اسیران جنگ کے مال پر اپنا حق سمجھتی تھی، جنہیں اس جماعت کے لوگوں نے گرفتار کیا تھا۔ غرض یہ تینوں جماعتیں غزوۂ بدر کی مہم میں اپنی اپنی سبقت کی دعویدار تھیں۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن حارث وغیرہ نے سلیمان بن موسیٰ مکحول اور ابی امامہ باہلی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبادہ بن صامت سے انفال (اموال غنیمت) کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے غزوۂ بدر کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا تھا کہ اصحاب بدر میں اسی بات پر اختلاف پیدا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ایک آیت نازل فرما کر اس کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو دے کر فیصلہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ (ﷺ) نے حسب حکم الٰہی خمس نکال کر باقی مال غنیمت اپنے مجاہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایسے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم فرما دیا تھا کہ اس کے بعد کسی کے لیے شکوہ و شکایت کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ وہ آیہ شریفہ یہ ہے:

﴿ يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالِ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُو اللّٰهَ .... الخ ﴾

اس آیت کی شانِ نزول پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے اپنی تفسیر میں اس کے مالہ و ماعلیہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی عرض کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں جمع شدہ مال غنیمت کی تقسیم میں آنحضرت ﷺ نے جملہ مجاہدین کی مالی حیثیت کے پیش ان کے مفاد و معاد کا خیال رکھا تھا۔ آپ کی جو حدیث اس سلسلے میں متعدد مستند حوالوں سے روایت کی گئی ہے وہ یہ ہے: لم تحل الغنائم لسود الرودس غیرنا۔ (اموال غنیمت ہمارے سوا یا ہمارے علاوہ اصحاب ثروت کے لیے حلال نہیں ہیں) اس کے علاوہ مندرجہ بالا آیت فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا. میں حکم باری تعالیٰ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے۔ (مؤلف)

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن مبارک عبسی، سفیان بن حبیب اور شعبہ نے ابی عنبس، ابی شعثاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں فتح کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم کرایا تھا وہ مشرکین میں سے کم سے کم چار سو افراد کا تھا اور اس میں سے ہر مجاہد کو کم سے کم چار ہزار درہم کا مال ملا تھا اور اسے خدا اور خدا کے رسولؐ نے تمام مجاہدین کے لیے فرداً فرداً حلال قرار دے کر ان کے دلوں میں ایمان اور نیکی کی بناء پر اسے ان کے لیے خیر و برکت کا سبب بھی بتایا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت قرآنی سے صاف ظاہر ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى .... الخ ﴾

جہاں تک اموال غنیمت میں خمس کا تعلق ہے اس کے بارے میں بھی خود اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کے ذریعہ اس کا قطعی فیصلہ فرما دیا تھا جو مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ .... الخ ﴾

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی کریم ﷺ نے خمس نکال کر ہی بقیہ مال غنیمت مجاہدین بدر میں تقسیم فرمایا ہوگا۔ اس لیے ابوعبید القاسم بن سلامؒ کا یہ گمان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس نکالے بغیر سارا

مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تھا اور اس کے بعد اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تھی محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح اس بارے میں والبی کی وہ روایت جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجاہد' عکرمہ اور السدی کے حوالے دیئے گئے ہیں محل نظر ہے چونکہ اس آیت کے علاوہ جس میں خمس کا ذکر آیا ہے غزوۂ بدر کے سلسلے میں تمام آیات بغیر کسی فصل کے ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی آیت مابعد کے ذریعہ کسی آیت قبل میں موجود احکام کی تنسیخ خلافِ قیاس ہے۔ پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں جو روایت پیش کی گئی ہے اس میں صاف بتایا گیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جو حصہ ملا تھا وہ ان کے حق کے مطابق خمس میں سے ملا تھا جس سے والبی کی مذکورہ بالا روایت اور زیادہ محل نظر ہو جاتی ہے جس پر اعتماد مشکل ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے خمس پر تحقیق کے لیے والبی کی روایت کی بجائے صحیحین میں مندرج روایت سے رجوع اور اس پر اعتماد انسب و صحیح ہوگا۔ (مؤلف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر سے مدینے کی طرف واپسی

جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فتح یاب ہو کر سترہ ماہِ رمضان المبارک کو جو ہجری کا تیسرا سال تھا مدینے کی طرف واپس ہونے لگے تو اس وقت بھی آپؐ نے لشکر اسلام کے قلب میں کھڑے ہو کر اسی طرح خطبہ دیا جس طرح آپؐ نے بدر میں تشریف آوری پر پہلے ہی دن مسلمانوں کو مخاطب فرما کر انہیں فتح کی مبارکباد دینے کے بعد راہ خدا میں ان کی دلاوری کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی کثیر التعداد بے دین دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی امداد سے ان کے ایمان کی فتح تھی۔ آپؐ نے بدر میں قیام کے بعد سے وہاں سے رخصت ہونے تک تین شبانہ روز نماز اور دعا میں گزارے تھے۔

جب آپؐ ناقے پر سوار ہو کر میدانِ بدر سے کثیر مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کو ساتھ لے کر مدینے کی طرف روانہ ہوئے وہ غزوۂ بدر کی دوسری شب تھی اور اس وقت آپؐ کے جلو میں عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما چل رہے تھے۔ آپؐ نے انہیں بالترتیب مدینے کے اونچے اور نیچے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے پاس آگے آگے فتح کی خوشخبری دے کر بھیج دیا۔

بدر میں فتح کی خوشخبری سب سے پہلے بنت رسولؐ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی جن کی علالت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کو غزوۂ بدر کے موقع پر مدینے میں رکنے کی اجازت اور جنگ میں شرکت کے اجر کی بشارت دے دی تھی۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر میں فتح کی خبر دی گئی اس وقت مدینے میں سب لوگ سو رہے تھے لیکن وہ مصلّی پر تشریف فرما تھے اور کہتے جاتے تھے:

''عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا گیا' شیبہ بن ربیعہ بھی قتل ہو گیا' لو' ابوجہل بن ہشام اور زمعہ بن اسود بھی قتل کر دیئے گئے' بہت خوب! بختری' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ بھی قتل کر دیئے گئے''۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو اس وقت بچے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تیمار داری میں مصروف تھے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان سے قریش کے ان لوگوں کے قتل کی خبر سن کر حیرت سے ان سے پوچھا:

''اے والد بزرگوار کیا یہ سب سچ ہے؟''۔

تو انہوں نے فرمایا کہ:

''ہاں بیٹے یہ بالکل سچ ہے''۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے جب تک اپنے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند اسیرانِ بدر کو نہیں

دیکھا تھا انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باتوں کا یقین نہیں آیا تھا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کی اطلاع دی گئی جو انہوں نے مدینے میں فتح بدر کی خبر پہنچنے سے قبل رات کے وقت مصلٰی پر بیٹھے بیٹھے خود فراموشی کے عالم میں خوشی سے جھوم جھوم کر کی تھی تو آپ نے انہیں تیرے ضرب لگائی تھی۔

متعدد مشہور و مستند روایات میں ان تمام ستم ہائے شدید کا فرداً فرداً ذکر کیا گیا ہے جو کفار کے مذکورہ بالا سرگروہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھائے تھے اور پھر وہی یکے بعد دیگرے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں قتل ہو کر اپنے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ یہاں ہم سب سے پہلے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا ذکر کریں گے۔ پھر اس کے بعد جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ان شاء اللہ حروف تہجی کے لحاظ سے مشرکین قریش میں سے ان دوسرے مقتولین کا ذکر کریں گے جو غزوۂ بدر میں قتل ہوئے۔

مقتل نضر بن حارث وعقبہ بن ابی معیط

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر سے مدینے کی طرف واپسی میں مقام صفراء پر پہنچے تو جیسا کہ انہیں بعض اہل علم نے بتایا نضر بن حارث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا اور جب آپؐ نے وہاں سے مدینے کی طرف آگے بڑھ کر ''عرق طبیہ'' میں قیام فرمایا تو جیسا کہ ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے ان سے بیان کیا وہاں بنی عمرو بن عوف کے بھائی عاصم بن ثابت بن ابی اقلح نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ اپنی کتاب ''مغازیہ'' میں لکھتے ہیں کہ انہیں یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ بدر کے اسیران جنگ میں سے کسی قیدی کے قتل کا حکم نہیں دیں گے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عاصم بن ثابت سے بالترتیب ان کے قتل کی وجہ پوچھی تو وہ بولے کہ مذکورہ بالا دونوں اشخاص خدا' خدا کے رسولؐ اور اسلام کو برابر (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہے تھے اور جب انہیں رحمتِ عالم ﷺ کے فطری رحم وکرم کے حوالے سے یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ آپ انہیں فدیہ لے کر یا ان پر رحم کھا کر یونہی رہا فرما دیں گے تو ان کی ان مغلظات میں کمی ہونے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تو مجبوراً انہیں قتل کرنا پڑا۔

ابن اسحق آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ جیسا دوسری متعدد ومستند روایات سے ثابت ہوتا ہے' درحقیقت مذکورہ بالا دونوں کافروں کو آنحضرت ﷺ کے حکم ہی سے قتل کیا گیا تھا اور جب عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا جانے لگا تو وہ آپؐ سے بولا:

''یا محمد! (ﷺ) میرے بعد اس لڑکی (چھوٹی بہن) کا کہاں ٹھکانہ ہوگا یعنی وہ کہاں جائے گی؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''اگر وہ بھی تمہاری طرح ہٹ دھرمی پر قائم رہی تو جہنم میں''۔

ابن اسحق آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب عاصم بن ثابت عقبہ بن ابی معیط کی طرف تلوار لے کر بڑھے تو اس نے ان سے پوچھا:

''تم ہمیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ آخر ہم بھی تو تمہاری طرح قریش ہی ہیں''۔

عاصم اس کے اس سوال کے جواب میں بولے:

''تمہاری خدا اور اس کے رسول سے دشمنی اور اسلام سے نفرت کی وجہ سے''۔

حماد بن سلمہ عطا بن سائب اور شعبی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا تو وہ بولا:

''اے محمد! (ﷺ) آخر آپ نے بدر میں قریش کے اسیران جنگ میں سے مجھ ہی کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟''۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''تمہاری خدا سے دشمنی' اسلام سے نفرت اور ابھی تک کفر پر اصرار کی وجہ سے۔ اس کے علاوہ تمہیں یاد ہوگا کہ قریش میں

سب سے زیادہ تم ہی میرے دشمن اور میرے قتل کے درپے رہے ہو' کیا تمہیں یاد نہیں؟ کہ جب ایک روز میں خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں تھا تو تم نے میری گردن پر ایڑی رکھ کر اتنا زور ڈالا تھا کہ میری آنکھیں نکلنے کے قریب تھیں اور میں خود گلا گھٹنے سے موت کے قریب جا پہنچا تھا۔ پھر ایک دن جب میں نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں تھا تو تم نے میری پشت پر بکری کی اوجھڑی لا ڈالی تھی جسے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میرے اس حال پر روتے ہوئے اٹھایا تھا''۔ (حدیث کا تشریحی ترجمہ۔ مترجم)

ابن ہشام بیان کرتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور یہی زہری کی بیان کردہ روایت میں بھی ملتا ہے نیز دوسرے اہل علم نے بھی ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مدینے کی طرف واپس ہوتے اس مقام یعنی ''عرق طیبہ'' پر ٹھہرے تھے تو وہیں فروہ بن عمرو بیاضی کا غلام ابو ہندا اپنے مالک کی طرف سے کچھ تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جو آپؐ نے انصار کو عطا فرما دیئے تھے۔

ابن اسحق آگے چل کر بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں اسیرانِ جنگ بدر سے ایک روز قبل پہنچ گئے تھے۔ اس کے بعد ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے بنی عبدالدار کے بھائی نبیہ بن وہب نے بیان کیا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم قیدیوں کو لے کر اگلے روز مدینے پہنچے تو آپؐ نے انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم ہی میں تقسیم کر دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا:

''ان سے اچھا برتاؤ کرنا''۔

واقعہ بدر پر حاکم حبشہ نجاشی کا اظہار مسرت

حافظ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبیداللہ الحرفی نے بغداد میں بتایا اور اس کے علاوہ ان سے احمد بن سلمان نجاد' عبداللہ بن ابی الدنیا' حمزہ بن عباس' عبدان بن عثمان اور عبداللہ ابن مبارک نے بیان کیا اور یہی بات انہیں عبدالرحمٰن بن یزید نے جابر اور صنعاء کے ایک شخص عبدالرحمٰن کے حوالے سے بتائی کہ ایک روز نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو جو غزوۂ بدر کے واقعے تک حبشہ میں بطور مہاجر مقیم تھے ایک شخص کے ذریعہ بلا بھیجا۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ جب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نجاشی کے مکان میں پہنچے تو وہ صرف دو بوسیدہ سے کپڑے پہنے خاک آلود زمین پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''یہ شخص تمہارے ملک عرب سے آیا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں جھاڑیوں سے بھری ایک وادی میں جسے بدر کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کافروں سے لڑائی میں کامیاب کر دیا ہے اور اسے کافروں پر مکمل فتح حاصل ہوئی ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس لڑائی میں کافروں کے فلاں فلاں آدمی مارے گئے ہیں اور فلاں فلاں قید کر لیے گئے ہیں۔ یہ شخص اسی وادی کا آدمی ہے اور اس نے وہاں سے قریب اپنے مالک کا اونٹ چراتے ہوئے کافروں اور مسلمانوں کی لڑائی کا پورا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے''۔

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو یہ خبر سنا کر جب نجاشی خاموش ہوا تو وہ بولے:

''ہم اس خوشخبری کے لیے آپ کے شکر گزار ہیں لیکن یہ تو بتایئے کہ اس وقت آپ کے یہ بوسیدہ کپڑے پہنے اور اس طرح بغیر کسی مسند کے فرش خاک پر بیٹھنے کی کیا وجہ ہے؟''۔

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کا یہ سوال سن کر اور ان کے ساتھیوں کے چہروں سے ان کی حد درجہ حیرت کا اندازہ لگا کر نجاشی نے جواب دیا:

''میں نے اس کلام میں جو خدا نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اتارا تھا (انجیل مقدس) میں پڑھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کوئی نعمت بخشتے تو ان کا فرض ہے کہ وہ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنے خالق و معبود حقیقی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا شکر بجا لائیں اور چونکہ جو خبر میں نے ابھی آپ کو سنائی ہے اسے بھی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اپنے موجودہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے مومن بندوں پر اس کی ایک بہت بڑی نعمت سمجھتا ہوں اس لیے میں اس کلام خداوندی کے مطابق اور اس کی تعمیل میں اس عاجزی و انکسار اور ان سادہ کپڑوں میں مسند کی بجائے فرش خاک پر بیٹھ کر اس کا ذکر کر رہا ہوں اور اس کا شکر ادا کر رہا ہوں کیونکہ میں تم مسلمانوں کی طرح اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت میں شریک سمجھتا ہوں اور اسی پر دلی مسرت کے ساتھ تم لوگوں کو مبارک باد کہتا ہوں''۔

مکے میں مشرکین قریش کی بدر میں شکست اور ان کے مصائب کی خبر پہنچنا

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں قریش مکہ پر جو کچھ گزرا تھا مکے میں اس کی خبر لے کر سب سے پہلے حیسمان بن عبداللہ خزاعی پہنچے تھے۔ جب ان سے اس کی تفصیل پوچھی گئی تو وہ بولے کہ عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف' زمعہ بن اسود' نبیہ ومنبہ اور ابوالبختری بن ہشام سب قتل ہو گئے۔

جب اہل مکہ کو غزوۂ بدر میں اشراف قریش کے ان معزز ترین لوگوں کے قتل کی خبر دی گئی تو صفوان بن امیہ نے پہلے تو کہا: ''اسے عقل قبول نہیں کرتی'' لیکن جب اسے اس کا یقین دلایا گیا تو وہ اپنے مکان کے جس کمرے میں بیٹھا تھا بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے سکتہ ہو گیا ہے۔

بدر میں قریش کے اتنی بڑی تعداد میں قتل اور گرفتاری کی خبر جب مکے میں ہر طرف پھیلی تو وہاں کی عورتیں گریہ و ماتم کناں گھروں سے باہر نکل آئیں کیونکہ مقتولین واسیران بدر میں سے کوئی ان کا باپ' کوئی بھائی اور کوئی بیٹا تھا۔

امام محمد بن اسحاق نے واقعہ بدر کو بہ تمام وکمال نزول سورہ انفال سمیت بیان کیا ہے اور ہم نے بھی اسے اپنی کتاب تفسیر میں مفصل بیان کیا ہے۔ جو قارئین کرام اس واقعے کی پوری تفصیلات جاننا چاہیں وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (مؤلف)

غزوۂ بدر میں مسلم شرکاء و شہداء کے نام بلحاظ حروف تہجی

ابن اسحٰق نے غزوۂ بدر میں مسلم شہداء اور شرکاء کے نام بلحاظ حروف تہجی تحریر کرتے ہوئے پہلے مسلم شہداء کے نام بتائے ہیں اور ان میں بالترتیب مہاجرین وانصار کے نام لکھے ہیں۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شریک اہل اسلام کی مجموعی تعداد تین سو چودہ لکھی ہے جس میں سرفہرست حضور نبی کریم ﷺ کا نام نامی واسم گرامی رکھا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اہل اسلام کی اس مجموعی تعداد میں سے مہاجرین کی تعداد تراسی' قبیلہ اوس کے لوگوں کی تعداد اکسٹھ اور قبیلہ خزرج کے لوگوں کی تعداد ایک سو ستر بتائی ہے۔ بخاریؒ نے بھی حروفِ تہجی کے لحاظ سے ترتیب وار غزوۂ بدر میں شریک اہل اسلام کی یہی تعداد لکھی ہے اور ابن اسحٰق کی طرح انہوں نے بھی سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی لکھا ہے۔ ہم نے آئندہ سطور میں بلحاظ حروف تہجی جو فہرست دی ہے اس میں ابن اسحٰق اور بخاریؒ کے علاوہ حافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی کی کتاب ''احکام الکبیر'' وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔

اہل بدر کے اسمائے گرامی کی فہرست

بلحاظ حروف تہجی

حرفِ الف

ابی بن کعب النجاری سید القراء' الارقم بن ابی الارقم' ابوالارقم عبدمناف بن اسد بن عبداللہ ابن عمر بن مخزوم المخزومی' اسعد بن یزید بن الفاکہ بن یزید بن خلدہ بن عامر بن عجلان' اسود بن زید بن ثعلبہ بن عبید بن غنم' ابن عائذ سواد بن زید' اسید بن عمرو انصاری' ابوسلیط' انس بن قتادہ بن ربیعہ ابن خالد بن حارث الاوسی' انس بن معاذ بن انس بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار' انسہ حبشی (آنحضرت ﷺ کا غلام) اوس بن ثابت بن منذر نجاری' اوس بن خولی بن عبداللہ بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج الخزرجی رضی اللہ عنہم۔

موسیٰ بن عقبہ کے بقول اس فہرست میں یہ لوگ بھی شامل ہیں:

اوس بن عبداللہ بن حارث بن خولی' اوس بن ثابت خزرجی یعنی عبادہ بن ثابت کا بھائی' ایاس بن بکیر بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر (بنی عدی بن کعب کا حلیف) رضی اللہ عنہم۔

حرفِ باء

بجیر بن ابی بجیر (حلیف بنی نجار) بحاث بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم بن عمارہ البلوی (حلیف انصار) بسبس بن عمرو بن ثعلبہ بن خرشہ بن عمرو بن سعید بن ذبیان ابن رشدان بن قیس بن جہینہ الجہنی (بنی ساعدہ کے حلیف) بشر بن البراء بن معرور خزرجی (یہ وہی ہیں جو خیبر میں بکری کا مسموم گوشت کھا کر وفات پا گئے تھے) بشیر بن سعد ابن ثعلبہ خزرجی (انہوں نے سب سے پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اسلام کی حقانیت پر بیعت کی تھی) بشیر بن منذر ابولبابہ اوسی رضی اللہ عنہ (انہی کو آنحضرت ﷺ نے روحاء سے واپس کر کے مدینے کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور انہی کی طرف سے خود دشمن پر چلا کر انہیں اجر کا مستحق قرار دیا تھا اور اسی لیے یہ بھی اہل بدر میں شامل ہیں)

حرفِ تاء

تیم بن یعار بن قیس بن عدی بن امیہ بن جدارہ بن عوف بن حارث بن خزرج' تمیم (خراش بن صمہ کے غلام) تمیم (بنی غنم بن سلم کے غلام) ابن ہشام نے انہیں سعد بن خیثمہ کا غلام بتایا ہے رضی اللہ عنہ۔

حرفِ ثاء

ثابت اقرم بن ثعلبہ بن عدی بن عجلان' ثابت بن ثعلبہ (یہ ثعلبہ وہی ہے جسے جدع بن زید بن حارث بن حرام بن غنم بن کعب بن سلمہ بھی کہا جاتا ہے) ثابت بن خالد بن خنساء بن میسرہ ابن عبدعوف بن غنم بن مالک بن جار جاری' ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار نجاری' ثابت بن عمرو بن زید بن عدی بن سواد بن مالک بن غنم بن عدی بن نجار نجاری' ثابت بن ہزال خزرجی' ثعلبہ بن حاطب بن عمرو ابن عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس' ثعلبہ بن عمرو بن عبید بن مالک نجاری' ثعلبہ بن عمرو بن محصن خزرجی' ثعلبہ بن غنمہ بن عدی بن نابی سلمی' ثقف بن عمرو رضی اللہ عنہم (یہ بنی حجر میں آل بنی سلیم سے اور بنی کثیر بن غنم بن دودان بن اسد کے حلیفوں میں تھے)

حرفِ جیم

جابر بن خالد (ابن مسعود) بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار بن نجار نجاری' جابر بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ سلمی بیعت عقبہ میں شریک افراد میں سے یہ بھی ایک تھے) رضی اللہ عنہم۔

ہمارے نزدیک یہاں جیسا کہ بخاریؒ نے سعید بن منصور' ابی معاویہ' اعمش اور ابی سفیان کے مستند حوالوں سے بیان کیا ہے جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی کا نام بھی شامل ہونا چاہیے تھا کیونکہ خود انہوں نے جو کچھ بیان کیا وہ یہ ہے:

''غزوۂ بدر کے روز میں اپنے ساتھیوں کے لیے قریبی حوض سے پانی نکال نکال کر لا رہا تھا''۔

ہماری اس گزارش اور اس سلسلے میں بخاری کی پیش کردہ اسناد کے علاوہ مسلم کی پیش کردہ اسناد بھی شامل ہیں لیکن محمد بن سعد کہتے ہیں کہ جب انہوں نے غزوۂ بدر میں جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی کی شرکت کا انہی حوالوں سے محمد بن عمر یعنی واقدی سے ذکر کیا تو وہ اس کی تردید کرتے ہوئے بولے کہ وہ اور ان جیسے دوسرے لوگ اہل عراق میں سے تھے اس لیے غزوۂ بدر میں ان کی شرکت بعید از قیاس ہے۔ واقدی کے علاوہ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان سے روح بن عبادہ' زکریا بن اسحاق اور ابوزبیر نے بیان کیا کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی کو خود یہ کہتے ہوئے سنا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت کی لیکن میں غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک نہ ہوسکا کیونکہ مجھے میرے والد نے ان غزوات میں شرکت سے روک دیا تھا لیکن وہ (میرے والد) غزوۂ اُحد میں قتل ہوگئے تو اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئندہ کسی غزوے میں شرکت سے گریز نہیں کیا''۔

مسلمؒ نے ان جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ابی خیثمہ اور روح کے حوالے سے اپنی اس سلسلے کی ایک روایت میں شامل کیا ہے لیکن مسلم کی یہ مبینہ روایت صرف مصری نسخے میں ملتی ہے۔ (مؤلف)

اہل بدر کے حرف جیم سے شروع ہونے والے ناموں میں باقی نام یہ ہیں:

جبار بن صخر سلمی' جبیر بن عتیک انصاری اور جبیر بن ایاس خزرجی رضی اللہ عنہم۔

حرفِ حاء

حارث بن انس بن رافع خزرجی' حارث بن اوس بن اخی سعد بن معاذ اوسی' حارث بن حاطب بن عمرو بن عبید بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس (انہیں آنحضرت ﷺ نے راستے سے واپس کر دیا تھا لیکن غزوۂ بدر میں ان کی طرف سے خود تیر چلا کر انہیں اہل بدر کے اجر میں شامل فرمایا) حارث بن خزرمہ بن عدی بن ابی غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج (بنی زعورا بن عبدالاشہل کے حلیف) حارث بن صمہ خزرجی (انہیں بھی حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے آدھے راستے سے واپس کر دیا تھا اور ان کی طرف سے غزوۂ بدر میں خود تیر چلا کر انہیں بھی مجاہدین کے اجر وثواب میں شامل قرار دیا تھا) حارث بن عرفجہ اوسی' حارث ابن قیس خلدہ ابوخالد خزرجی' حارث بن نعمان بن امیہ انصاری' حارث بن سراقہ نجاری (یہ جب میدانِ جنگ میں سامنے دیکھ رہے تھے تو مغرب کی طرف سے ایک تیر آ کر ان کے پہلو میں پیوست ہو گیا جس سے یہ جاں بحق ہو کر داخل فردوس ہو گئے تھے) حارثہ بن نعمان بن رافع انصاری' حاطب بن ابی بلتعہ لخمی (حلیف بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی) حاطب بن عمرو بن عبید بن امیہ اشجعی متعلق بہ بنی دھمان (ان کا یہ نام ابن اسحاق نے نہیں بلکہ ابن ہشام نے بتایا ہے اور واقدی نے انہیں حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود لکھا ہے اور ابن عائذ نے بھی ''مغازیہ'' میں واقدی کا بتایا ہوا نام لکھا ہے۔ البتہ ابن ابی حاتم نے ان کا نام حاطب بن عمرو بن عبد شمس لکھ کر یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا یہ نام انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ ایک غیر معروف شخص تھے) حباب بن منذر خزرجی (کہا جاتا ہے کہ غزوۂ بدر میں خزرجی پرچم انہی کے ہاتھ میں تھا) حبیب بن اسود (بنی سلمہ میں سے بنی حرام کے غلام انہیں موسیٰ بن عقبہ نے حبیب بن اسود کے بجائے حبیب بن سعد بتایا ہے اور ابن ابی حاتم نے انہیں حبیب بن اسلم لکھتے ہوئے آل جشم بن خزرج انصاری بدری کا غلام بتایا ہے) حریث بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ انصاری' حصین ابن حارث بن مطلب بن عبد مناف اور رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہم۔

حرفِ خاء

خالد بن بکیر (ایاس کے بھائی) خالد بن زید ابوایوب انصاری' خالد بن قیس بن مالک ابن عجلان انصاری' خارجہ بن حمیر' خارجہ بن زید خزرجی' خباب بن ارت' خباب (عتبہ بن غزوان کے غلام) خراش بن صمہ سلمی' خبیب بن اساف بن عتبہ خزرجی' خریم بن فاتک' خلیفہ بن عدی خزرجی' خلید بن قیس بن نعمان بن سنان بن عبید انصاری سلمی' خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن عصیص بن کعب بن لوی سہمی' خوات بن جبیر انصاری (یہ غزوۂ بدر میں بذاتِ خود تو شریک نہ تھے بلکہ ان کی طرف سے بھی خود تیر اندازی کر کے آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی غزوۂ بدر کے اجر وثواب کا مستحق قرار دیا) خولی بن ابی خولی' خلاد بن رافع' خلاد بن سوید' خلاد بن عمرو ابن جموح خزرجیون رضی اللہ عنہم۔

حرفِ ذال

ذکوان بن عبدقیس خزرجی' ذوالشمالین بن عبد بن عمرو بن نضلہ۔

حرفِ راء

رافع بن حارث اوسی' رافع بن عنجدہ (ابن ہشام کہتے ہیں کہ عنجدہ ان کی ماں کا نام تھا) رافع بن معلّٰی بن لوذان خزرجی (یہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) ربعی بن رافع بن حارث بن زید بن حارثہ بن جد بن عجلان بن ضبیعہ (موسیٰ بن عقبہ نے انہیں ربعی بن ابی رافع بتایا ہے) ربیع بن ایاس خزرجی' ربیعہ بن اکثم بن سخبرہ بن عمرو بن لکیز بن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ' رخیلہ بن ثعلبہ بن خالد بن ثعلبہ بن عامر بن بیاضہ خزرجی' رفاعہ ابن رافع زرقی' رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنیر اوسی اور رفاعہ ابن عمرو بن زید خزرجی۔

حرفِ زاء

زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی (نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی) زیاد بن عمرو (موسیٰ بن عقبہ نے انہیں زیاد بن اخرس بن عمرو جہنی بتایا ہے جب کہ واقدی نے ان کا نام زیاد بن کعب ابن عمرو بن عدی بن کلیب بن برزعہ بن عدی بن عمرو بن زبعری بن رشدان بن جہینہ لکھا ہے) زیاد بن لبید زرقی' زیاد بن مزین بن قیس خزرجی' زید بن اسلم بن ثعلبہ ابن عدی بن عجلان بن ضبیعہ' زید بن حارثہ بن شرجیل (آنحضرت ﷺ کے غلام) زید بن خطاب بن نفیل (حضرت عمر بن خطاب کے بھائی) زید بن سہل بن اسود نجاری ابوطلحہ رضی اللہ عنہم۔

حرفِ سین

سالم بن عمیر اوسی' سالم بن (غنم بن) عوف خزرجی' سالم بن معقل (ابوحذیفہ کے غلام) سائب بن عثمان بن مظعون الجمحی (یہ اور ان کے والد مظعون دونوں شہید ہوئے) سبیع بن قیس بن عائذ خزرجی[1]' سبرہ ابن فاتک (ان کا ذکر بخاریؒ نے کیا ہے) سراقہ بن عمر نجاری' سراقہ بن کعب نجاری' سعد بن خولہ' سعد بن خیثمہ اوسی (یہ بھی غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) سعد بن ربیع خزرجی (یہ بھی غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) سعد بن زید بن مالک اوسی (واقدی نے ان کا نام سعد بن زید بن الفاکہ خزرجی بتایا ہے) سعد بن سہیل بن عبدالاشہل نجاری' سعد بن عبید انصاری' سعد بن عثمان بن خلدہ خزرجی ابوعبادہ (ابن عائذ نے انہیں ابو عبادہ کے بجائے ابوعبیدہ لکھا ہے) سعد بن معاذ اوسی (غزوۂ بدر میں قبیلہ اوس کا علم انہی کے پاس تھا) سعد بن عبادہ بن دلیم خزرجی (انہیں عروہؒ، بخاریؒ، ابن حاتمؒ اور طبرانی نے شہدائے بدر میں شمار کیا ہے) سعد بن وقاص مالک بن اہیب زہری (یہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں) سعد بن مالک ابوسہل واقدی نے بتایا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے لیے تیاری میں مصروف تھے لیکن اس سے قبل کہ رسول اللہ (ﷺ) اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینے سے بدر کی طرف روانہ ہوتے اچانک بیمار ہو کر وفات پا گئے سہیلی نے بھی ابن قتیبہ

---

[1] اصابہ اور ...ہ میں یہاں بن عائذ کی جگہ ابن عیشہ اور ''روض'' میں ابن عبسہ لکھا ہے۔ (مؤلف)

کے حوالے سے سہی بتایا ہے۔ واللہ اعلم

سعید بن زید بن نفیل العدوی (یہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے چچازاد بھائی تھے' کہا جاتا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینے واپس آ چکے تھے شام سے مدینے آئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی ان کی طرف سے بدر میں دشمن پر تیر سے وار کر کے اہل بدر میں شمار فرمایا اور بدر کے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرایا تھا) سفیان ابن بشر بن عمرو خزرجی سلمہ بن اسلم بن حریش اوسی' سلمہ بن ثابت بن وقش بن زغبہ' سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زغبہ' سلیم بن حارث نجاری' سلیم بن عمرو سلمی' سلیم بن قیس بن فہد خزرجی' سلیم بن ملحان (حرام بن ملحان نجاری کے بھائی) سماک بن اوس ابن خرشہ ابودجانہ (انہیں سماک بن خرشہ بھی کہا جاتا ہے) سماک بن سعد بن ثعلبہ خزرجی (یہ بشیر بن سعد کے بھائی تھے) سہل بن حنیف اوسی' سہل بن عتیک نجاری' سہل بن قیس سلمی' سہیل ابن رافع نجاری (یہ وہی سہیل ہیں جن کی اور ان کے بھائی کی زمین پر مسجد نبوی تعمیر کی گئی تھی جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے) سہیل بن وہب فہری (بیضاء انہی کی والدہ تھیں اس لیے انہیں ابن بیضاء بھی کہا جاتا تھا) سنان بن ابی سنان بن محصن بن حرثان (یہ مہاجرین میں سے تھے اور بنی عبدشمس ابن عبد مناف کے حلیف تھے) سنان بن صیفی سلمی' سواد بن زریق بن زید انصاری (اموی نے ان کا نام سواد بن رزام بتایا ہے) سواد بن غزیہ بن اہیب بلوی' سویبط بن سعد بن حرملہ عبدری سوید بن مخشی ابومخشی طائی رضی اللہ عنہم (یہ بنی عبدشمس کے حلیف تھے اور ان کا نام ازید بن حمیر بھی بتایا گیا ہے کیونکہ انہیں اس نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا)۔

حرفِ شین

شجاع بن وہب بن ربیعہ اسدی' شماس بن عثمان مخزومی (ابن ہشام کے بقول ان کا اصلی نام عثمان بن عثمان تھا لیکن عہد جاہلیت میں ان کے بعد حد حسن و جمال اور ان کے چہرے کی چمک دمک سورج کی مماثل ہونے کی وجہ سے انہیں لوگ ''شماس'' کہتے تھے اور یہی ان کا نام پڑ گیا جو اب تک چلا آتا ہے' شقران (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) جنہیں مال غنیمت میں کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا لیکن بدر کے اسیروں کی نگرانی ان کے سپرد کر دی گئی تھی اس لیے ہر اس شخص نے جس نے بدر میں کسی کو قید کر کے ان کی نگرانی میں دیا انہیں اپنے حصے سے کچھ نہ کچھ دیا اور ان کے پاس ہر فرد واحد سے زیادہ مال جمع ہو گیا۔

حرفِ صاد

صہیب بن سنان رومی (یہ اوّلین مہاجرین میں سے تھے) صفوان بن وہب بن ربیعہ فہری (سہیل بن بیضاء کے بھائی جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے)' صخر بن امیہ سلمی رضی اللہ عنہم۔

حرفِ ضاد

ضحاک بن حارثہ بن زید سلمی' ضحاک بن عبد عمرو نجاری' ضمرہ بن عمرو جہنی (موسیٰ بن عقبہ کے بقول ان کا اصل نام ضمرہ بن

کعب بن عمرو تھا اور یہ انصار کے حلیف اور زیاد بن عمرو کے بھائی تھے۔

حرف طاء

طلحہ بن عبیداللہ تیمی (یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یہ غزوۂ بدر سے مجاہدین کی مدینے میں واپسی کے بعد شام کے سفر سے لوٹے تھے تاہم انہیں آنحضرت ﷺ نے اپنے حصے سے مال غنیمت دے کر بدر کے اجر وثواب کا مستحق ٹھہرایا تھا کیونکہ یہ مجبوراً غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے) طفیل بن حارث بن مطلب بن عبدمناف (یہ بھی مہاجرین میں سے اور حصین وعبید کے بھائی تھے) طفیل بن مالک بن خنساء سلمی' طفیل بن نعمان بن خنساء سلمی' طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کبیر بن عبد بن قصی۔

حرفِ ظاء

ظہیر بن رافع اوسی (غزوۂ بدر کے سلسلے میں ان کا ذکر بخاریؒ نے کیا ہے)

حرفِ عین

عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری' عاصم بن عدی ابن الجد بن عجلان (آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی روحا سے واپس کر دیا لیکن غزوۂ بدر میں فتح کے بعد مال غنیمت کے اپنے حصے سے کچھ حصہ دے کر اجر وثواب کا مستحق ٹھہرایا تھا) عاصم بن قیس بن ثابت خزرجی' عاقل بن کبیر (ایاس اور خالد وعامر کے بھائی) عامر بن امیہ بن زید بن حسحاس نجاری' عامر بن حارث فہری' عامر بن ربیعہ بن مالک عنزی (مہاجرین میں بنی عدی کے حلیف) عامر بن سلمہ بن عامر بن عبداللہ بلوی قضاعی (ابن ہشام کے بقول انہیں عمر بن سلمہ بھی کہا جاتا تھا) عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث ابن فہر ابوعبیدہ بن جراح جو عشرہ مبشرہ میں شامل اور اولین مہاجروں میں بھی شامل تھے' عامر بن فہیرہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام) عامر بن مخلد نجاری عائذ بن ماعض بن قیس خزرجی' عباد بن بشر بن وقش اوسی' عباد بن قیس بن عامر خزرجی' عباد بن قیس بن عبشہ خزرجی' عباد ابن خشخاش قضاعی' عبادہ بن صامت خزرجی' عبادہ بن قیس بن کعب بن قیس عبداللہ بن امیہ بن عرفطہ' عبداللہ بن ثعلبہ بن خزمہ' عبداللہ بن جحش بن رئاب اسدی' عبداللہ بن جبیر بن نعمان اوسی' عبداللہ بن امجد بن قیس سلمی' عبداللہ بن حق بن ارس ساعدی' عبداللہ بن حمیر' عبداللہ بن ربیع بن قیس خزرجی' عبداللہ بن رواحہ خزرجی' عبداللہ بن زید بن عبدربہ بن ثعلبہ خزرجی' عبداللہ بن سراقہ عدوی' عبداللہ بن سلمہ بن مالک العجلان' عبداللہ بن سہل بن رافع' عبداللہ بن سہیل بن عمرو' عبداللہ بن طارق بن مالک قضاعی' عبداللہ بن عامر بن بلی' عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی بن سلول خزرجی (انہی کے والد منافقین کے سرگروہ تھے) عبداللہ بن الاسد بن ہلال بن عبداللہ بن مخزوم ابوسلمہ (یہ ام سلمہ کے شوہر تھے جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) عبداللہ بن عبدمناف بن نعمان سلمی' عبداللہ بن عبس' عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن تیم بن مرہ بن کعب ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) عبداللہ بن عرفطہ بن عدی خزرجی' عبداللہ بن عمر بن

حرام سلمی ابو جابر' عبداللہ بن عمیر بن عدی حزرجی' عبداللہ بن قیس بن خالد نجاری' عبداللہ ابن قیس بن صخر بن حرام سلمی' عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمر بن مازن بن نجار' عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ (یہ مہاجرین اوّلین میں سے تھے' عبداللہ بن مسعود الہذلی (یہ بنی زہرہ کے حلیف اور مہاجرین اوّلین میں سے تھے) عبداللہ بن مظعون الجمحی (یہ بھی مہاجرین اوّلین میں سے تھے) عبداللہ بن نعمان بن بلدمہ سلمی' عبداللہ بن اسید بن نعمان سلمی' عبدالرحمن بن عوف ابن عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب زہری (یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے) عبس بن عامر بن عدی سلمی' عبید بن تیہان (ابوالہیثم کے بھائی جنہیں عبید کے بجائے عتیک بھی کہا جاتا تھا) عبید بن ثعلبہ (ان کا تعلق بنی غنم بن مالک سے تھا) عبید بن زید بن عامر بن عمرو بن عجلان بن عامر' عبید بن ابی عبید' عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف اور حصین وطفیل کے بھائی (یہ ان تین مجاہدین میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں مبارزطلبی کے بعد جنگ کے لیے اپنی صف سے نکلےلیکن دادشجاعت دیتے ہوئے ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا جس کے بعد یہ وفات پا گئے تھے عتبان بن مالک بن عمرو خزرجی' عتبہ ابن ربیعہ بن خالد بن معاویہ البہرانی (بنی امیہ بن لوذان حلیف) عتبہ بن عبداللہ بن صخر سلمی' عتبہ بن غزوان بن جابر (یہ بھی اوّلین مہاجرین میں سے تھے) عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف اموی (یہ عشرہ مبشرہ اور چار خلفائے راشدین میں سے ایک تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی اور ان کی بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے جو اس وقت سخت بیمار تھیں اور اسی علالت میں وفات پا گئیں غزوۂ بدر میں عدم شرکت کی اجازت دے دی تھی اور اسی لیے انہیں بھی مال غنیمت میں اپنے حصے سے حصہ دے کر غزوۂ بدر کے اجر وثواب کا مستحق قرار دیا تھا) عثمان بن مظعون الجمحی ابوسائب (مہاجرین اوّلین عبداللہ وقدامہ کے بھائی) عدی بن ابی زغباء جہنی (انہی کو رسول اللہ ﷺ نے بسبس بن عمرو کے ہمراہ پانی کے حوض کی نگرانی کے لیے بھیجا تھا) عصمہ بن حصین بن وبرہ بن خالد بن عجلان' عصیمہ (کہا جاتا ہے کہ یہ بنی حارث بن سوار کے حلیف تھے اور ان کا تعلق بنی اسد بن خزیمہ سے تھا) عطیہ بن نویرہ بن عامر بن عطیہ خزرجی' عقبہ بن عامر بن نابی سلمی' عقبہ بن عثمان بن خلدہ خزرجی (سعد بن عثمان کے بھائی) عقبہ بن عمر ابومسعود البدری (بخاریؒ نے انہیں شہدائے بدر میں شمار کیا ہےلیکن یہ بیان محل نظر ہے کیونکہ اس لیے مورخین غزوات کی کثیر تعداد میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ (مؤلف) عقبہ بن وہب بن ربیعہ اسدی' عقبہ بن وہب بن کلدہ' عکاشہ بن محصن غنمی' علی بن ابی طالب ہاشمی امیرالمومنین اور خلفائے اربعہ کے علاوہ ان تین خلفاء میں سے بھی ایک جنہوں نے غزوۂ بدر میں دشمن سے جنگ کی' عمار بن یاسر عنسی مذحجی (یہ بھی اوّلین مہاجرین میں سے تھے) عمارہ بن حزم بن زید نجاری' عمر ابن خطاب امیرالمومنین خلفائے اربعہ میں سے ایک اور ان دو شیخین میں سے ایک جنہوں نے بعد وفاتِ رسولؐ سب سے پہلے مسلمانوں کی رہنمائی وسربراہی کی' عمر بن عمرو بن ایاس (یہ اہل یمن میں سے بنی لوذان بن عمرو بن سالم کے حلیف تھے اور انہیں ربیع وورقہ کا بھائی بتایا جاتا ہے) عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر ابوحکیم' عمرو بن حارث بن زہیر ابن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن ضبشہ بن حارث بن فہر الفہری' عمرو بن سراقہ عدوی' عمرو بن ابی سرح فہری (یہ بھی مہاجرین میں سے تھے تاہم واقدی اور ابن عائذ نے ان کا نام عمرو کے بجائے معمر بتایا ہے) عمرو بن طلق بن زید بن امیہ بن سنان بن کعب بن غنم (یہ بھی بنی حرام میں شامل تھے) عمرو بن جموح بن حرام انصاری' عمرو بن قیس بن زید

بن سواد بن مالک بن غنم (واقدی اور اموی نے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے) عمرو بن قیس بن مالک بن عدی بن خنساء بن عمرو بن مالک بن عدی بن عامر ابو خارجہ (موسیٰ بن عقبہ نے خدا جانے کیوں ان کا ذکر نہیں نہیں کیا) عمرو بن عامر بن حارث فہری' عمرو بن معبد بن ازعر اوسی' عمرو بن معاذ اوسی (سعد بن معاذ کے بھائی) عمیر بن حارث بن ثعلبہ (انہیں عمرو بن حارث بن لبدہ بن ثعلبہ سلمی بھی کہا جاتا ہے) عمیر بن حرام بن جموح سلمی' عمیر بن حمام بن عم (ان کے والدان کے قبل غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) عمیر بن عامر بن مالک ابن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن ابو داؤد مازنی' عمیر بن عوف (یہ سہیل بن عمرو کے غلام تھے جنہیں اموی وغیرہ عمیر بن عوف کی بجائے عمرو بن عوف لکھا ہے اور حدیث صحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں بتایا گیا ہے کہ انہیں ابو عبیدہ نے بحرین بھیجا تھا) عمیر بن مالک بن اُہیب زہری (یہ سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے اور غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) عنترہ (یہ بنی سلیم کے غلام تھے تاہم یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ اسی قبیلے کے ایک فرد تھے۔ واللہ اعلم عوف بن حارث بن رفاعہ بن حارث نجاری (یہ عفراء بنت عبید بن ثعلبہ نجاری کے بیٹے تھے اور غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) عویم بن ساعدہ انصاری (ان کا تعلق بنی امیہ ابن زید سے تھا) عیاض بن غنم فہری (یہ بھی اوّلین مہاجروں میں سے تھے رضی اللہ عنہم)۔

حرفِ غین

غنام بن اوس خزرجی (ان کا ذکر واقدی کے سوا کسی مورخ اسلام نے نہیں کیا)

حرفِ فاء

فاکہ بن بشیر بن الفاکہ خزرجی اور فروہ بن عمرو بن ودفہ خزرجی۔

حرفِ قاف

قتادہ بن نعمان اوسی' قدامہ بن مظعون الجمحی (مہاجرین میں عثمان و عبداللہ کے بھائی) قطبہ ابن عامر بن حدیدہ سلمی' قیس بن السکن نجاری' قیس ابن صعصعہ عمرو بن زید مازنی (انہوں نے غزوۂ بدر کے روز لشکر اسلام کے قلب میں رہ کر جہاد کیا تھا) قیس بن محصن بن خالد خزرجی' قیس بن مخلد بن ثعلبہ نجاری۔

حرفِ کاف

کعب بن حمان انہیں بن جمار اور بن جماز بھی کہا جاتا تھا' ابن ہشام نے انہیں کعب بن عبشان لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ انہیں کعب بن مالک ابن ثعلبہ بن جماز بھی کہا جاتا تھا اموی نے ان کا نام کعب بن ثعلبہ بن حبالہ بن غنم غسانی بتایا ہے اور (یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ بنی خزرج بن ساعدہ کے حلیف تھے) کعب بن زید بن قیس نجاری' کعب بن عمرو ابو الیسر سلمی' کلفہ بن ثعلبہ (یہ بکائین میں سے تھے جن کا ذکر موسیٰ بن عقبہ نے کیا ہے) کناز بن حصین بن یربوع غنوی (یہ بھی مہاجرین اوّلین میں سے تھے)۔

حرفِ میم

مالک بن دخشم انہیں ابن دخشن خزرجی بھی کہا جاتا ہے' مالک بن ابی خولی جعفی حلیف بنی عدی مالک بن ربیعہ ابو اسید ساعدی مالک بن قدامہ اوسی' مالک بن عمرو ثقف بن عمرو کے بھائی (یہ دونوں بھائی مہاجر اور بنی تمیم بن دودان بن اسد کے حلیف تھے) مالک بن قدامہ اوسی' مالک بن سعود خزرجی' مالک بن ثابت بن ثمیلہ مزنی حلیف بنی عمرو بن عوف' مبشر بن عبدالمنذر ابن زنیر اوسی' ابولبابہ و رفاعہ کے بھائی (یہ بھی غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) مجذر بن زیاد بلوی مہاجری' محرز ابن عامر نجاری' محرز بن نضلہ اسدی حلیف بنی عبد شمس مہاجری' محمد بن مسلمہ حلیف بنی عبدالاشہل' مدلج بن عمرو ثقف بن عمرو مہاجری کے بھائی (انہیں مدلاج بھی کہا جاتا تھا) مرثد بن ابی مرثد غنوی' مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف (یہ بھی مہاجرین میں سے تھے اور کچھ لوگ انہیں عوف بھی کہتے تھے) مسعود بن اوس انصاری نجاری' مسعود بن خلدہ خزرجی' مسعود بن ربیعہ القاری حلیف بنی زہرہ مہاجری' مسعود بن سعد جنہیں ابن عبد سعد بن عامر بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بھی کہا جاتا ہے' مسعود بن سعد بن قیس خزرجی' مصعب بن عمیر عبدری مہاجری (اپنے قبیلے کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا) معاذ بن جبل خزرجی' معاذ بن حارث نجاری (یہی عوف و معوذ کے بھائی تھے اور ابن عفراء بھی کہلاتے تھے) معاذ بن عمرو بن جموح خزرجی' معاذ بن ماعض خزرجی (عائذ کے بھائی) معبد بن عباد بن قشیر بن فدم بن سالم بن غنم (انہیں معبد بن عبادہ بن قیس بھی کہا جاتا ہے۔ واقدی نے ان کے دادا کا نام قشیر کے بجائے قشعر لکھا ہے اور ابن ہشام قشعر ابوخمیسہ بتایا ہے) معبد بن قیس بن صخر سلمی (عبداللہ بن قیس کے بھائی) معتب بن عبید بن ایاس بلوی قضاعی' معتب بن عوف خزاعی حلیف بنی مخزوم' معتب بن قشیر اوسی' معقل بن منذر سلمی' معمر بن حارث جمحی' معن بن عدی اوسی' معوذ بن حارث جمحی' ملیل بن وبرہ خزرجی' منذر بن عمرو بن خنیس ساعدی' منذر بن قدامہ بن عرفجہ خزرجی' منذر ابن محمد بن عقبہ انصاری (ان کا تعلق بنی جمحی سے تھا مہجع (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور اصلاً یمنی تھے۔ یہ پہلے مسلم مجاہد تھے جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے) رضی اللہ عنہم۔

حرفِ نون

نضر بن حارث بن عبد رزاح بن ظفر بن کعب' نعمان بن عبد عمرو نجاری (یہ ضحاک کے بھائی تھے) نعمان بن عمرو بن رفاعہ نجاری' نعمان بن عصر بن حارث حلیف بنی اوس' نعمان ابن مالک بن ثعلبہ خزرجی (انہیں نوفل بھی کہا جاتا تھا) نعمان بن یسار (یہ بنی عبید کے غلام تھے اور انہیں نعمان بن سنان بھی کہا جاتا تھا) نوفل بن عبداللہ بن نضلہ خزرجی۔

حرفِ ہا

ہانی بن نیار ابو بردہ بلوی (البراء بن عازب کے ماموں) ہلال بن امیہ واقفی (ان کا نام صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) قصہ کعب بن مالک کے ضمن میں اہل بدر میں شامل کیا گیا ہے لیکن اصحاب مغازی میں سے کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا) ہلال بن معلّیٰ (رافع بن معلّیٰ کے بھائی) خزرجی۔

حرفِ واؤ

واقد بن عبداللہ تمیمی (مہاجرین میں بنی عدی کے حلیف) ودیعہ بن عمرو بن جراح انجہنی (بحوالہ واقدی وابن عائذ) ورقہ بن ایاس بن عمرو خزرجی (ربیع بن ایاس کے بھائی) وہب بن سعد ابن ابی سرح (موسیٰ بن عقبہ ابن عائذ اور واقدی نے بنی عامر بن لوی میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ البتہ ابن اسحاق نے ان کا کہیں ذکر نہیں کیا)

حرفِ یاء

یزید بن اخنس بن خباب بن جرہ سلمی (سہیلی نے بیان کیا ہے کہ یہ اور ان کے والد دونوں غزوۂ بدر میں شہید ہوئے لیکن بدر کے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا ذکر ہے نہ ابن اسحق نے اس میں ان کا ذکر کیا ہے تاہم بیعتِ رضوان کے مشاہدہ کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے جیسا کہ خود ابن اسحق نے بتایا ہے) یزید بن حارث بن قیس خزرجی (یہ وہی ہیں جنہیں ان کی ماں کی نسبت سے ابن قسحم بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی غزوۂ بدر کے شہداء میں شامل ہیں) یزید بن عامر بن حدیدہ ابوالمنذر سلمی، یزید بن منذر بن سرح سلمی (یہ معقل بن منذر کے بھائی تھے) رضی اللہ عنہم۔

باب ۹

مسلم شرکائے بدر سے متعلق کچھ باقی مباحث

پچھلے صفحات میں مسلم شرکائے بدر کی متفق علیہ مجموعی تعداد پیش کرنے کے بعد حروف تہجی کے لحاظ سے ان کے نام درج کرتے ہوئے ان کے مکمل شجرات حسب ونسب کے اندراج کے علاوہ کسی ممکنہ التباس واشتباہ کے پیش نظر ہم نے انؓ کے بارے میں اپنی تحقیقات کے نتائج متعدد حوالوں کے ساتھ قوسین (......) میں پیش کر دیئے ہیں۔ تاہم مطالعہ تاریخ اسلام کے شائقین' طلبہ اور محققین کے استفادے کے لیے مسلم شرکائے بدر کی مندرجہ بالا فہرست کے متعلق کچھ باقی مباحث ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ابواسید مالک بن ربیعہ پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ ابوالاعور بن حارث بن ظالم نجاری کا نام ابن ہشام نے ابوالاعور الحارث بن ظالم بتایا ہے جب کہ واقدی نے ان کا پورا نام ابوالاعور کعب بن حارث بن جندب بن ظالم بتایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یعنی عبداللہ بن عثمان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو مہاجرین میں سے تھے ان کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام مہشم تھا۔ حارث کے غلام ابوالحمراء کا پورا نام ابوالحمراء ابن رفاعہ بن عفراء تھا۔ ابوخزیمہ بن اوس بن اصرم نجاری اور ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے غلام ابوسبرہ مہاجرین میں سے تھے نیز عکاشہ کے بھائی ابوسنان بن محصن بن حرثان اور ان کے بیٹے سنان کا شمار مہاجرین میں ہوتا ہے۔ ابوالصباح ابن نعمان کا نام عمیر بن ثابت بن نعمان بن امیہ بن امرائ القیس بن ثعلبہ بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بدر کے راستے میں کسی پتھر کی شدید چوٹ لگنے کی وجہ سے واپس مدینے چلے گئے تھے اور غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے لیکن غزوۂ بدر میں ان کی عدم شرکت کے باوجود ان کے مذکورہ بالا معقول عذر کی بناء پر انہیں اس جنگ کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوعرفجہ بنی جمحی کے حلیفوں میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابوکبشہ' ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر' ابومرثد الغنوی کنانہ بن حصین اور ابومسعود البدری عقبہ بن عمرو کے بارے میں جزوی تفصیلات پہلے ہی قوسین (......) یا حواشی میں حوالہ جات سمیت پیش کی جا چکی ہیں۔ یاد رہے کہ ابوملیل بن ازعر بن زید کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

مسلم شرکائے بدر کی مجموعی تعداد:

غزوۂ بدر میں مسلم شرکاء کی مجموعی تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات و بابرکت سمیت تین سو چودہ اور آپؐ کے اسم گرامی کو علیحدہ کر کے تین سو تیرہ ثابت ہوتی ہے جس کا متعدد مختلف لیکن مستند روایات کے حوالے سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ہر چند کہ بعض روایات میں اس تعداد کو ''تین سو سے کچھ زیادہ'' اور ''تین سو تیرہ کے قریب'' بھی بتایا گیا ہے لیکن جملہ احادیث بلکہ متعلقہ آیات کی رو سے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ تعداد جس پر مستند راوی کو اتفاق ہے وہی ہے جس کا ان سطور کی ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے۔

شہدائے بدر کے فضائل

بخاریؒ شہدائے بدر کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن محمد' معاویہ بن عمرو اور ابواسحٰق نے حمید کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر نے انس کو یہ کہتے سنا:

غزوۂ بدر میں حارثہ پر جو کچھ گزرا تھا وہ مجھے معلوم تھا لیکن میں نے دیکھا کہ ان کی ماں نے آنحضرت ﷺ سے مدینے میں سوال کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) میرا بیٹا حارثہ غزوۂ بدر میں قتل ہونے کے بعد اب کہاں ہے اور اس کا کیا رتبہ ہے؟ اگر وہ جنت میں ہے تو فرما دیجیے تاکہ مجھے صبر آ جائے اور میرے دل کو اطمینان ہو جائے''۔

حارثہ رضی اللہ عنہ کی ماں سے یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''افسوس تو نہیں جانتی کہ شہیدوں کی قدر و منزلت (اللہ تعالیٰ کی نظر میں) کیا ہوتی ہے۔ سن تیرا بیٹا نہ صرف یہ کہ جنت میں ہے بلکہ اس کے اعلیٰ ترین مقام فردوس میں ہے''۔ (تشریحی ترجمہ)

بخاریؒ نے اس روایت اور اس حدیث کو بطورِ خاص پیش کیا ہے۔ بخاریؒ نے اس حدیث کو نہ صرف مذکورہ بالا حوالوں سے بلکہ ثابت وقتادہ کے حوالے سے بھی پیش کیا ہے۔ جن کی متعدد روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ حارثہ کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے اور تب ہی آپ نے الفاظ ''ان ابنک اصاب فردوس الاعلیٰ'' (تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ جا پہنچا ہے) ارشاد فرمائے تھے۔

اس حدیث شریف میں ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے حوض کے نظارے کے بعد جہاں سے حارثہ رضی اللہ عنہ بوقتِ شہادت پانی لے رہے تھے اور اس وقت ان کے پہلو میں ایک تیر آ کر پیوست ہو گیا تھا اور پھر یہ ملاحظہ فرمانے کے بعد کہ وہ ''فردوس اعلیٰ'' میں ہیں ان کی ماں سے یہی فرمایا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپؐ کے نزدیک آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا غزوۂ بدر میں گھسان کی جنگ میں شرکت کر کے شہید ہونا بخشش خداوندی اور حصولِ جنت کے لیے ضروری نہ تھا بلکہ اس کے لیے جوش ایمانی اور خدا کی راہ میں جذبہ جہاد کے ساتھ اس میں شرکت کی تھی۔

اس حدیث سے خدا اور رسول کے نزدیک ان اہل بدر کے مراتب کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اپنے سامنے کفار کے کثیر التعداد لشکر اور اپنے ساتھیوں کی اس کے مقابلے میں حد سے زیادہ قلیل تعداد کو دیکھ کر بھی خدا کے بھروسے پر اس کا نام لے کر گھسان کی جنگ میں کود پڑے تھے اور دشمنانِ خدا کے ساتھ لڑائی میں حتی الامکان دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

بخاری و مسلم دونوں (رحمہما اللہ) اسحاق بن راہویہ' عبداللہ بن ادریس' حصین بن عبدالرحمٰن' سعد بن عبیدہ' ابی عبدالرحمٰن

سلمی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے جس کے بارے میں مکہ کو فدیہ کی رقم کے لیے لکھا گیا تھا کہتے ہیں:

''جب مکے سے حاطب بن ابی بلتعہ کے فدیہ کی رقم نہ پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ آیا وہ اس کی گردن اڑا سکتے ہیں یعنی اسے قتل کر سکتے ہیں''۔

تو آپ نے فرمایا:

''غزوہ بدر میں (خدا کی راہ میں) تمہاری شرکت سے اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہو گیا ہے' لہٰذا اب تم جو چاہو کرو (تمہاری نیت کے پیش نظر) وہ تمہیں بخش دے گا اور جنت تم پر واجب ہوگی (یعنی تم لوگ جنت میں ضرور جاؤ گے)''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن داؤد' ابوبکر بن عیاشؒ اور اعمشؒ نے ابی سفیانؒ اور جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص (بحیثیت مومن) غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوا وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا''۔

امام احمدؒ نے مسلمؒ کی سند پر اس حدیث کو بطور خاص پیش کیا ہے۔ ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو احمد بن سنان اور موسیٰ بن اسماعیل کے حوالے سے اور آخر الذکر دونوں نے یزید بن ہارون کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

البزار اپنی مسند میں کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن مرزوق' ابوحذیفہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہما نے یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی بیان کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے امید ہے کہ جس (مسلمان) نے غزوۂ بدر میں شرکت کی وہ ان شاء اللہ دوزخ میں نہیں جائے گا''۔

ظاہر ہے کہ یہ حدیث نبوی بزارؒ نے اپنی طرف سے کسی صحیح سند کے بغیر بیان نہیں کی ہے۔ (مؤلف)

بخاریؒ بدر میں مشہور ملائکہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ ان سے اسحاق بن ابراہیم اور جریر نے یحییٰ بن سعید' معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی اور ان کے والد (جو اہل بدر میں تھے) کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ بدر میں جب جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا:

''بدر میں اس وقت جو لوگ تمہارے دوش بدوش کفار سے جنگ کر رہے ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''۔

جبریل علیہ السلام نے جواب دیا:

''یہ افضل ترین مسلمانوں میں سے ہیں''۔

بخاریؒ اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ یہی الفاظ یا ان سے ملتے جلتے الفاظ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جملہ (مسلمان) شرکائے بدر کے بارے میں کہے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکے سے مدینے میں تشریف آوری

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جب ابوالعاص غزوۂ بدر کے بعد مدینے سے رہا ہو کر مکے پہنچا تو اس کے پیچھے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ انصار کے ایک شخص کو وہاں بھیجا۔ وہ دونوں جب مکے میں ابوالعاص کے مکان پر پہنچے تو اس وقت غزوۂ بدر کو کم وبیش ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ابوالعاص سے کہا کہ:

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا ہے' اگر آپ اجازت دیں تو ہم انہیں اپنے ساتھ مدینے لے جائیں''۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہا:

''زینب رضی اللہ عنہا اگر چاہیں تو اپنے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلی جائیں میں انہیں نہیں روکوں گا لیکن یہ بہتر ہوتا کہ آپ لوگ مکے سے باہر ٹھہر کر مجھے اس کی اطلاع دیتے تاکہ میں انہیں زادِ سفر دے کر آپ کے پاس پہنچا دیتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ مکے کے کچھ لوگ انہیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے' تاہم میں ان سے کہے دیتا ہوں کہ وہ سامان سفر کی تیاری کریں''۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو وہ خوش ہو کر سفر کی تیاری کرنے لگیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکے سے مدینے جانے کے لیے سفر کی تیاری کر رہی تھیں تو جیسا کہ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا' ہند بنت عتبہ ان کے پاس آ کر بولیں:

''میں نے سنا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو کیونکہ وہ خود تو یہاں آنے اور عورتوں میں گھس کر تمہیں زبردستی لے جانے کی جسارت نہیں کر سکتے''۔

ابن اسحٰق عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی مزید بیان کرتے ہیں کہ ہند بنت عتبہ کی یہ جلی کٹی باتیں سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ آخر ان باتوں سے اس کا مطلب کیا تھا تو وہ مکاری سے بولی:

''میرا مطلب یہ ہے کہ بہرحال تم میری بنت عم (چچا کی بیٹی) ہو اور اگر تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو تو مجھے چپکے سے بتا دو تاکہ میں تمہارے لیے ضروری سامان کے علاوہ کچھ زرِ نقد کا بندوبست بھی کر دوں کیونکہ اگر ہمارے مردوں میں سے کسی کو اس کا علم ہو گیا تو وہ تمہارے ساتھ کوئی سامان تو کیا خود تمہیں بھی یہاں سے جانے نہیں دیں گے''۔

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مصلحتاً ہند کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ جل بھن کر بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی لیکن اس کے بعد وہی ہوا جس کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اندیشہ تھا یعنی یہ بات اسی رات کو قریش مکہ میں پھیل گئی اور جب صبح ہونے سے کچھ پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص کے بھائی کنانہ بن ربیع اپنے تیر کمان اور نیزہ کے ساتھ اونٹ پر بیٹھ کر انہیں ساتھ لے جانے کے لیے ان کے مکان پر آئے تا کہ وہ انہیں مکے سے باہر کچھ دور وہاں چھوڑ آئیں جہاں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کا انصاری ساتھی ابوالعاص کے مشورے کے مطابق ان کے انتظار میں تھے لیکن وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر ابھی مکے سے نکلے ہی تھے کہ قریش کے کچھ لوگ ان کے تعاقب میں آ پہنچے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ کے ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ قریش میں سب سے پہلے ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ فہری ان کے اونٹ کی طرف بڑھا اور اس کے ہودج میں نیزے کی نوک چبھو کر انہیں نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان آگے بڑھ کر بولا:

''یہ ہمارے کف کی لڑکی ہے لہٰذا اس کے یہاں سے جانے نہ جانے کا فیصلہ میں کروں گا' ویسے یہ ہمارے سامان کے ساتھ بلکہ اس بچے کو لے کر جو اس کے شکم میں ہے اور ہماری ملکیت ہے یہاں سے کیسے جا سکتی ہے''۔

اس کے بعد وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیور کنانہ بن ربیع کی طرف پلٹ کر بولا:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس لڑکی کے باپ نے بدر میں اور اس کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اور تم اسے اس طرح اپنے ہی ساز و سامان کے ساتھ یہاں تک حفاظت کے ساتھ رخصت کرنے آئے ہو۔ بہر حال میں اسے وضع حمل سے پہلے یہاں سے ہرگز نہیں جانے دوں گا''۔

عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابن اسحٰق کو بتایا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس وقت واقعی امید سے (حاملہ) تھیں لیکن یہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے اس بچے کی ولادت مکے میں ہوئی یا جب وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے رخصت ہوئیں یا خود ابوالعاص نے انہیں مکے سے بحفاظت رخصت کر دیا تھا تو مدینے میں ہوئی۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ اس کے کچھ عرصے بعد جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینے تشریف لے آئی تھیں تو ان کا شوہر ابوالعاص شام کے تجارتی سفر سے مکے کی طرف واپس آتے ہوئے مدینے میں انہی کے پاس ٹھہرا لیکن جب ان سے کچھ کاروباری لین دین کے بعد مدینے سے روانہ ہونے لگا تو مسلمانوں نے اسے روک لیا تا کہ وہ وہاں سے کوئی سامان اور زر نقد لے کر مکے نہ جا سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''یہ (اپنے خیال ہی میں سہی) تمہارا مہمان بن کر تمہارے پڑوس میں ٹھہرا تھا' اس لیے عربوں کی خصوصاً اسلامی حمیت کا یہ تقاضا نہیں کہ تم اس کا مال چھین لو یا اسے کوئی تکلیف پہنچاؤ''۔ (تشریحی ترجمہ)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب ابوالعاص مدینے سے مکے پہنچے اور قریش کو معلوم ہوا کہ وہ مدینے ہو کر آ رہے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ انہوں نے ان کے ذریعہ جو تجارتی مال شام بھیجا تھا اس کی قیمت یا اس کے بدلے میں جو مال تجارت وہاں سے لا رہے ہوں گے وہ سب مدینے میں مسلمانوں نے چھین لیا ہوگا اور اسی لیے وہ بے تحاشا دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور اس کے

بارے میں ان سے پوچھ گچھ کرنے لگے تو ابوالعاص نے ان سب کے تجارتی مال کی قیمت منافع سمیت اور وہ سارا سامان جو ان کے تجارتی مال کے عوض وہ شام سے لائے تھے نکال کر ان کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ پھر اس کے بعد بولے:

''اپنا سارا سامان اور زرنقد حساب کر کے دیکھ لو! محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تمہاری طرح لالچی اور بے غیرت نہیں ہیں، انہوں نے مجھے مہمان اور اپنی پناہ میں کہہ کر نہ اس سامان یا زرنقد میں سے کچھ لیا نہ مجھے کوئی تکلیف دی بلکہ مدینے سے کافی دور تک میرے ساتھ آ کر مجھے بحفاظت مکے کے راستے پر چھوڑ گئے کیونکہ یہی محمد (ﷺ) کا جنہیں وہ خدا کا فرستادہ نبی کہتے اور اپنا پیشوا و مقتدا سمجھتے ہیں حکم تھا''۔

ابن اسحٰق عبداللہ ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس واقعے کے کچھ ہی عرصے بعد ابوالعاص مدینے آ کر اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوالعاص کے مسلمان ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح اوّل کی بنیاد پر ان کے ساتھ قیام کرنے اور زن وشوئی کے تعلقات بدستور استوار رکھنے کی اجازت دے دی تھی لیکن بعض علماء اس روایت کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص سے دوبارہ پڑھایا اور ان کا مہر بھی از سرنو مقرر فرمایا تھا۔ یہ علماء اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ شریعت اسلامی کی رو سے اگر کوئی عورت کسی مرد سے اس وقت نکاح کرے جب وہ دونوں غیر مسلم ہوں اور پھر وہ عورت اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہو جائے جس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مدینے آتے ہی مسلمان ہو گئی تھیں تو اس عورت کا اپنے غیر مسلم شوہر کے ساتھ کیا ہوا نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور وہ ایام عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح اور زن وشوئی کے تعلقات قائم کرنے سے قبل خواہ اس کا شوہر بعد میں مسلمان ہو کیوں نہ ہو گیا اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی لیکن اوّل الذکر علماء وفقہا اس دوسری روایت کو ضعیف بتاتے ہوئے پہلی روایت کے جواز میں شریعت اسلامی ہی کے احکام کی رو سے کافی مضبوط دلائل کے ساتھ ثبوت وشواہد پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

غزوۂ بدر کے بارے میں شعرائے عرب کا شعری سرمایہ:

بعض مؤرخین نے غزوۂ بدر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ کچھ شعرائے عرب نے اس معرکے میں شریک مجاہدین اسلام اور مشرکین مکہ کے جنگی کارناموں پر بے شمار اشعار کہے تھے اور انہوں نے ان اشعار کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں اور انہیں الگ الگ عرب کے مسلم وغیر مسلم شعراء سے منسوب کیا ہے تاہم جانبین کے یہ اشعار ہر چند فنی اعتبار سے بڑے بلند پایہ اور شعرائے عرب کی بے مثل قادرالکلامی کا ثبوت ہیں لیکن جن مؤرخین نے اشعار میں سے کچھ اشعار کو شعرائے اسلام سے منسوب کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ اشعار انہوں نے غزوۂ بدر میں مشرکین کی ناقابل قیاس شکست کے باوجود ان کی اور ان کے اظہار شجاعت کی مدح میں کہے تھے صریحاً ناقابل قبول ہے۔ یہ تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بدر میں قریش مکہ کے کچھ ماہر تیغ زن مسلمانوں کے مقابلے میں حتی الامکان جم کر لڑے تھے لیکن تاریخ ہی سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اس جنگ میں کفار کا کثیر التعداد لشکر مٹھی بھر

مسلمانوں کے مقابلے میں اتنی بڑی ذلت آمیز شکست سے دو چار ہوا تھا جس کی مثال دنیائے حرب وضرب میں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس لیے اس لشکر کے کسی فرد کی مدح میں عرب کے کسی مسلمان شاعر کا قصیدے کہنا بعید از قیاس ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان اشعار میں وہ اشعار جن میں مسلمانوں کی مذمت اور مشرکین کی مدح سرائی کی گئی ہے حد درجہ مخذول ومعکوس ہیں اور ایسے خیالات کی عکاسی کرتے ہیں جو خود اپنی جگہ قلتِ عقل کی دلیل ہیں۔ ذرا سوچیے کہ کہاں اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین نبی' سرور عالم' شمس الضحیٰ' بدر الدجیٰ اور وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جن کے وجود سراپا جود وکرم سے ساری کائنات روشن ہے اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو وجہ شرف انسانیت تھے اور کہاں ابوجہل لعین جیسے دشمنانِ خدا جو حد درجہ تذلیل انسانیت کا باعث تھے۔ ایسے میں راہِ خدا میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اسی کے نام پر شہید ہو جانے والے مجاہدین اسلام کی مذمت اور ان کے خونخوار دشمنوں کی تعریف وتوصیف کسی منصف مزاج اور عدل پرور مسلمان کے قلم سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور غیر جانب داری کا دعوے دار شاعر ہو ممکن ہے؟ اسی لیے ابن ہشام نے ایسے اشعار کی کسی مسلمان عرب شاعر سے نسبت کی جگہ جگہ تردید کی ہے۔ (مؤلف)

غزوۂ بنی سلیم

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر بن زبیر اور یزید بن رومان وغیرہ نے عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے جو انصار میں سب سے بڑے عالم تھے بیان کیا کہ ابوسفیان جب مکے واپس گیا اور اس کے ساتھ بدر کے شکست خوردہ قریش بھی وہاں پہنچے تو اس نے (ابوسفیان نے) قسم کھائی کہ وہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے ایک بار پھر جنگ نہ کرلے گا چین سے نہیں بیٹھے گا بلکہ غسل جنابت کے لیے سر پر پانی تک نہ ڈالے گا۔ چنانچہ وہ قریش کے چنیدہ سو سواروں کا ایک فوجی رسالہ اپنے ساتھ لے کر مکے سے روانہ ہوا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ مدینے کے دائیں جانب سے رات کے وقت جب اہل مدینہ سو رہے ہوں اچانک ان پر جا پڑے۔ پہلے وہ نحو یہ گیا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ کر اس پہاڑ کے دامن میں پہنچا جو ''نیب'' کہلاتا ہے اور جہاں سے مکے اور مدینے کا درمیانی فاصلہ قریباً نصف رہ جاتا ہے۔ وہاں سے وہ راتوں رات قبیلہ بنی نضیر میں گیا جہاں اسے ابن اخطب کے گھر میں روشنی دیکھ کر محسوس ہوا کہ وہ اور اس کے گھر والے اس وقت تک جاگ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے ابن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس نے ڈر کے مارے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر وہ بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے دروازے پر پہنچا اور وہاں دستک دی۔ سلام بن مشکم نے اسے اپنے گھر میں بلا کر اس کی کافی خاطر و مدارات کی۔ وہاں سے وہ سلام بن مشکم کے کچھ لوگ لے کر اہل مدینہ کی خبر معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھا ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر آس پاس کے درختوں کی سوکھی لکڑیاں اکٹھی کروا کر الاؤ روشن کرا دیا۔ وہاں ابھی صبح ہوئی تھی کہ اس کے آدمیوں کو انصار مدینہ کا ایک شخص اور ایک دوسرا آدمی نظر آیا جو اس انصاری کا حلیف تھا۔ جب انہیں ابوسفیان کے پاس لے جایا گیا تو اس نے ان دونوں کو قتل کرا دیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو مدینے میں ابوسفیان کے ہاتھوں اس انصار اور اس کے ساتھی کے قتل کی خبر ملی تو آپؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد لے کر مدینے سے نکلے تاکہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کر کے اسے مدینے پر حملے سے باز رکھا جائے۔ مسلمانوں نے جب آپؐ سے پوچھا تھا کہ کیا ابوسفیان سے مقابلہ کیا جائے گا تو آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تھا۔

ابوسفیان کو جب نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدینے سے اس کے مقابلے کے لیے روانگی کی خبر ملی تو وہ فوراً وہاں سے اپنے ساتھیوں سمیت دل میں آنحضرت ﷺ سے جنگ کی حسرت لیے مکے کی طرف فرار ہو گیا۔

ابوسفیان نے اس موقع پر سلام بن مشکم یہودی کی مدح اور مقام سویق سے اپنے فرار کی معذرت میں کچھ اشعار بھی کہے تھے۔

جہاں ابوسفیان کا اس روز قیام تھا اس جگہ کو سویق کہتے تھے اور چونکہ یہ جگہ قبیلہ بنی سلیم کی بستی کے قریب تھی اسی لیے اس جنگ کو جو مسلمانوں اور مشرکین قریش کے مابین بلا مقابلہ ختم ہو گئی تاریخ میں کہیں غزوۂ سویق کہا گیا ہے اور کہیں غزوۂ بنی سلیم لکھا گیا ہے۔ یہ ہجری سال دوم کے آواخر کا واقعہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مناکحت وازدواج

جیسا کہ بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے زہری کے ذریعہ اور علی بن حسین' ان کے والد حسین اور ان کے دادا حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مناکحت کا واقعہ سن ہجری کے دوسرے سال کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں فرمایا:

غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے مجھے اپنا حصہ ملنے اور خمس میں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست مبارک سے حصہ رسد کچھ رقم سے سرفراز ہونے کے بعد جب میں نے فاطمہؓ بنت نبیؐ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے اور انہیں رخصت کر کے لانے کا ارادہ کیا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک شخص کو بلا کر مدینے کے اس شخص کے پاس بھیجا جو شادی اور ولیمے کا سامان فروخت کیا کرتا تھا تا کہ وہاں سے میری حسب حیثیت وہ سامان خرید لائے لیکن جب میں اس انصاری کے مکان پر پہنچا جہاں میں نے بنی قینقاع کے اس آدمی کو وہ سامان خرید کر لانے کو کہا تھا تو حیرت سے میری آنکھیں جواب دینے لگیں' میں نے دیکھا کہ وہاں تو اس سامان سے جس کی خریداری کے لیے میں نے نقد رقم بھجوائی تھی کئی گنا ایسا ہی سامان پہلے سے موجود ہے اور کچھ بھیڑ بکریاں بھی ذبح کی جارہی ہیں۔ میں نے اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا: ''یہ سب سامان کون لایا ہے؟'' وہ بولا: ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ)''۔ اس شخص سے یہ سن کر جب میں مکان کے اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں جناب حمزہ رضی اللہ عنہ چند دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھے اکل وشرب میں مصروف ہیں' مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہاں کوئی دعوت ہو جو جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی ہے۔ میں نے یہ دیکھ کر ان کی طرف غور سے دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر شفقت سے مسکرانے لگے۔ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی کشادہ دستی' سخاوت اور فیاضی میں مشہور تھے۔ میں سمجھ گیا کہ انہیں جو کچھ بدر کے مال غنیمت اور خمس میں سے ملا ہے اسے اس طرح لٹا رہے ہیں لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ وہاں عرب کی مشہور مغنیہ قینۃ اور اس کے سازندے بھی موجود ہیں اور جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ایک راگ الاپا جا رہا ہے تو مجھے واقعی اپنی سادہ مزاجی وسادگی پسندی کی وجہ سے غصہ آ گیا اور میری زبان سے کچھ سخت الفاظ تو نکل گئے جنہیں سن کر جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھی تیور بدل گئے اور انہوں نے اپنی تلوار کے قبضے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن میں فوراً ہی وہاں سے چلا آیا اور اس کی شکایت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی خدمت میں جا کر کی اور سارا ماجرا آپ کو سنایا تو آپؐ نے اپنی ردائے مبارک شانوں پر ڈالی اور میرے ساتھ ہو لیے اور اس مکان پر پہنچے۔ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کو

خاص تنبیہ کی اور ان سے آئندہ ایسی باتوں سے گریز کا وعدہ لیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اس وقت سے قبل کا ہے جب شراب کی حرمت کا حکم خدا کی طرف نازل ہوا تھا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس سے پہلے ہی غزوۂ احد میں شہید ہو چکے تھے۔

متعدد ثقہ راوی مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ حرمت شراب کے حکم الٰہی سے پہلے بھی نشہ آور مشروبات بہت کم لیکن غیر نشہ آور مشروبات عموماً استعمال کیے جاتے تھے۔ واللہ اعلم

بیہقی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے سال سوم کے اوائل میں ہوئی تھی لیکن اس سلسلے میں جو واقعات سطور بالا میں درج کیے گئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رخصتی واقعہ بدر کے فوری بعد یعنی سال دوم ہجری کے اواخر میں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

بیہقی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں چمڑے کا ایک تکیہ ایک بچھونا اور ایک چکی دی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین لڑکے حسن وحسین اور محسن پیدا ہوئے تھے لیکن محسن صغرسنی ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اس کے بعد ان کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیاں ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔